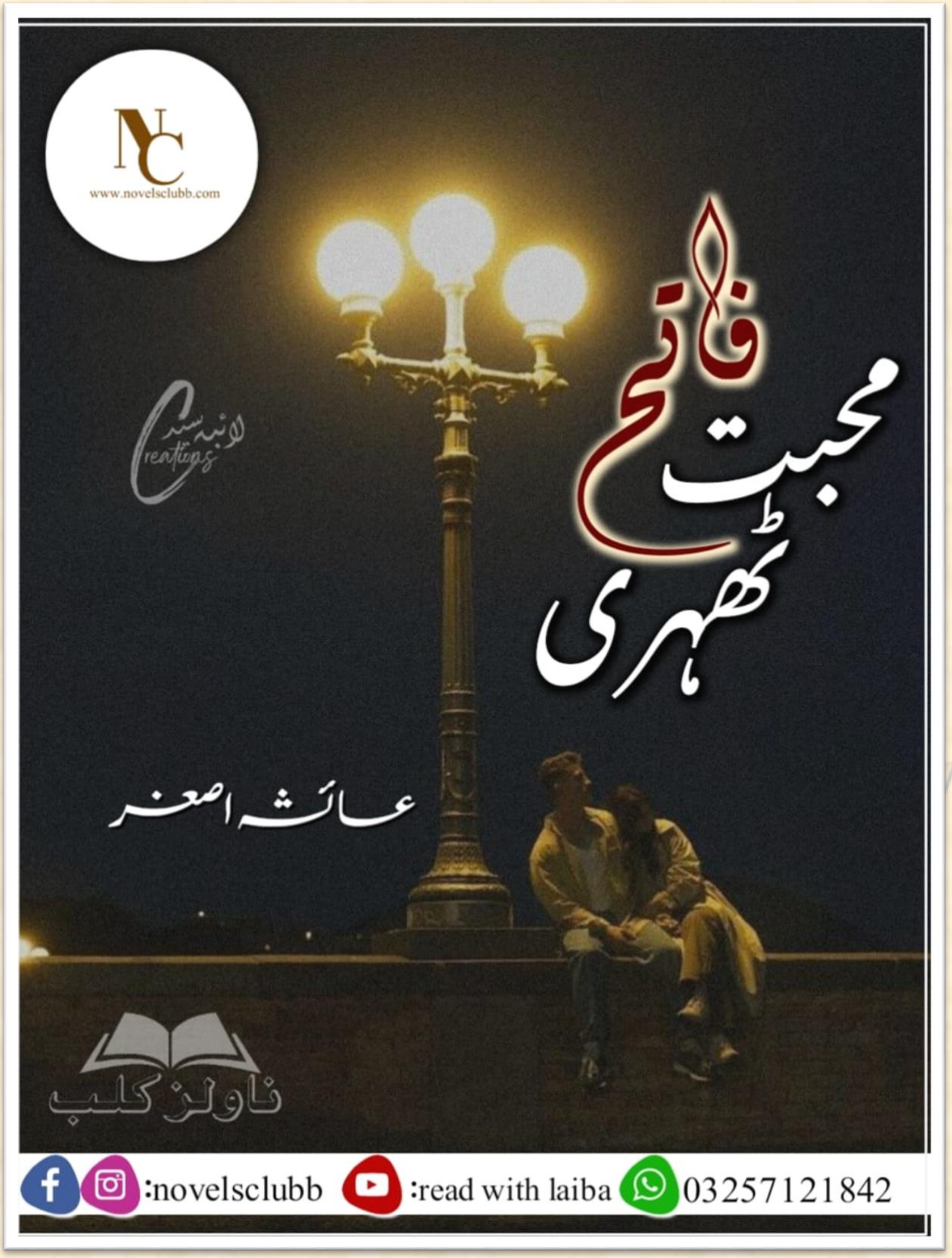
www.novelsclubb.com
محبت فاتح ٹھہری
عائشہ اصغر
ناولز کلب
:novelsclubb
:read with laiba
03257121842

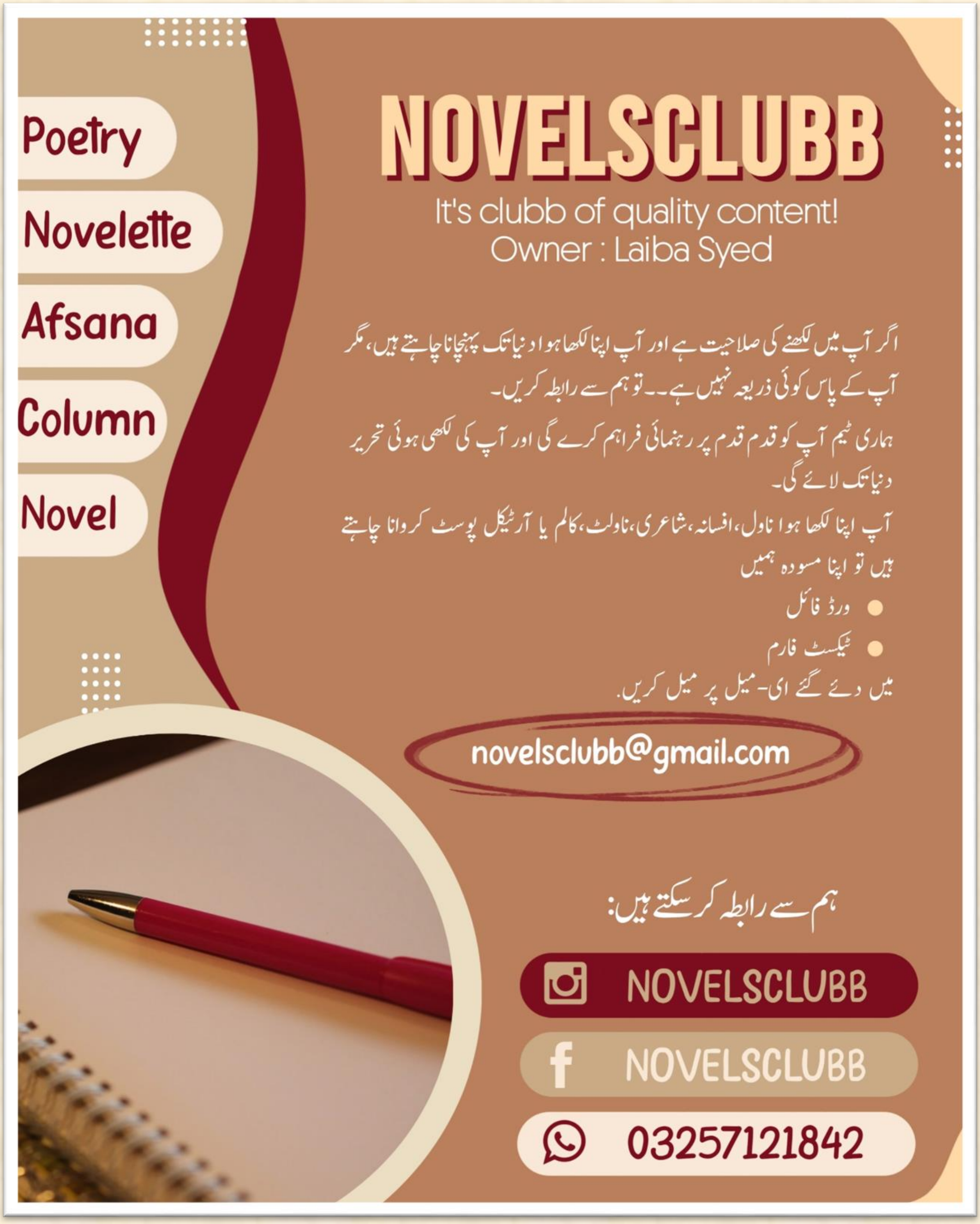
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دیے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

محبت فاتح ٹھہری

از قلم

عائشہ اصغر

ناول "محبت فاتح ٹھہری" کے تمام جملہ حق لکھاری "عائشہ اصغر" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹ فارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہوگی۔ "ناولز کلب" کا پی ڈی ایف بغیر اجازت پوسٹ کرنا منع ہے، بغیر اجازت کہانی/پی ڈی ایف کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جاسکتی ہے۔ اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

محبت فاتح ٹھہری

از عائشہ اصغر

قسط:۱

حسد ایک خاموش مگر مہلک دشمن ہے

جو دل اور روح کو اندر ہی اندر کھوکھلا کر دیتا ہے۔

یہ روح کے سکون پر حملہ آور ہو کر اسے بے قابو کر دیتا ہے

اور دماغ میں کانٹے کی طرح چبھتا رہتا ہے۔

یہ حقیقت کو جھوٹ کے پردے میں چھپا دیتا ہے

اور دل کی نرمی کو سختی اور بغض میں بدل دیتا ہے۔

یہ آنکھوں میں ایسی تیزی پیدا کرتا ہے

جو محبت اور خیر خواہی کے جذبات کو مٹا دیتی ہے۔

حسد ایک ایسا سایہ ہے جو دیکھتا ہے، انتظار کرتا ہے

اور موقع ملتے ہی وار کر دیتا ہے۔

یہ دوسروں کی خوشیوں پر نظر رکھتا ہے

اور ان کی کامیابیوں کو زہر سمجھ کر نگل لینا چاہتا ہے۔

یہ دلوں میں نفرت کے بیج بوتا ہے،

جو بڑھ کر اندھیروں کے جنگل میں تبدیل ہو جاتے ہیں

اور حسد کرنے والے کو بھی نگل لیتے ہیں۔

حسد سے بچو! یہ نہ صرف دوسروں کو نقصان پہنچاتا ہے

بلکہ تمہاری اپنی روح کو بھی تاریکی میں دھکیل دیتا ہے۔

اپنے دل کو محبت، خلوص، اور خیر خواہی سے روشن رکھو،

کیونکہ یہی حسد کا سب سے طاقتور علاج ہے۔

بہت سی مصروف شاہراہوں پر زندگی ایک بے قابو دریا کی طرح بہہ رہی تھی، جس کی موجیں سیاہ تارکول کی سڑک پر دوڑتی گاڑیوں کی صورت میں نمودار تھیں۔ ان موجوں میں

ایک شاہانہ سیاہ لینڈ کروزر بھی تھی، جو رات کے سکوت کو اپنے وجود سے چیرتی ہوئی گزر رہی تھی۔

عقبی نشست پر بیٹھے شخص کی گود میں ایک لیپ ٹاپ روشن تھا، جس کی اسکرین سے نکلنے والی روشنی اندھیرے میں جلتے چراغ کی مانند محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی انگلیاں کی بورڈ پر ایسے حرکت کر رہی تھیں جیسے کوئی ماہر موسیقار پیانو پر اپنی دھن بکھیر رہا ہو۔

مصروف شہر کے مصروف لوگ!

یہ شہر، ایک خواب اور حقیقت کا سنگم، کراچی تھا، جسے لوگ منی پاکستان بھی کہہ کر پکارتے تھے۔ روشنیوں اور اندھیروں کے امتزاج میں ڈوبا یہ شہر، کروڑوں دلوں کی دھڑکن تھا، جہاں دن کبھی مکمل نہ ہوتا تھا اور رات کبھی ختم نہ ہوتی تھی۔ جہاں ہر دھڑکن کے پیچھے ایک کہانی چھپی تھی، اور ہر کہانی میں اس شہر کا عکس جھلکتا ہے۔

"سر، گزشتہ رات جس شخص نے آپ کی گاڑی پر حملہ کیا تھا، اسے پکڑ لیا گیا ہے"۔

گاڑی میں بیٹھا شخص اپنے مخصوص لباس میں ملبوس تھا۔ سیاہ ٹی شرٹ، جینز، اور ایک سیاہ کوٹ، جو اس کے کردار کے بھید بھرے پن کو مزید گہرا کر رہا تھا۔ اس کے گلے میں لٹکتی

سلور چین پر دو انگریزی حروف "D" اور "Y" اندھیری رات کے ستاروں کی مانند جھلک رہے تھے۔

گاڑی ایک خوبصورت مینشن کے پورچ میں رکی۔ مینشن کی روشنیاں ایسے لگ رہی تھیں جیسے کسی قلعے کے بلند میناروں پر چراغاں کیا گیا ہو۔

"کہاں ہے وہ؟"

گاڑی سے اترتے ہوئے اس نے اپنے کوٹ کے بٹن کھولے۔اس کا خاص ملازم، جو ایک سایے کی طرح اس کے پیچھے چل رہا تھا، اس کے لیپ ٹاپ کو احتیاط سے سنبھالے ہوئے تفصیلات بتانے لگا۔

"معلومات ٹھیک نکلوائی ہیں؟"۔اس کے بے تاثر چہرے پر پتھر کی سی سختی تھی۔

"سر، آپ اسے جو سزا دینے کا سوچ رہے ہیں، وہ اسی کا حقدار ہے۔" مراد نے فوراً جواب دیا۔

"کہاں ہے ہمارا مہمان؟"

بیسمنٹ کی سیڑھیاں اترتے ہوئے اس کی آواز بیسمنٹ کی دیواروں سے ٹکرا کر ایسی بازگشت پیدا کر رہی تھی جیسے کسی جیل کے تنگ و تاریک راہداریوں میں کوئی فیصلہ سنا رہا ہو۔

سامنے کرسی پر بندھا شخص خوف اور بے بسی کی تصویر بنا بیٹھا تھا۔

"کس نے بھیجا تھا تمہیں؟"

اس کے قریب پہنچتے ہی اس نے مٹھی سے اس کے بالوں کو جکڑا۔

"مم... مجھے نہیں پتا!"

"اس جملے کا مطلب جانتے ہو؟" اس کے لبوں پر مسکراہٹ ایک لمحے کے لیے جھلک دکھائی تھی۔ "جب کوئی کہے 'مجھے نہیں پتا'، تو سمجھ جاؤ کہ اسے سب کچھ پتا ہے"۔

ایک لمحے میں، اس کی انگلیوں نے ایسے زور دیا جیسے کسی شیشے کو چٹخنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ ایک چٹاخ کی آواز آئی، ہڈیوں کے ٹوٹنے کی اور دل دہلا دینے والی بازگشت نے بیسمنٹ کو بھر دیا۔

"مجھے چھوڑ دو!" درد کی شدت سے وہ چیخا۔

"جب کوئی کہے 'مجھے چھوڑ دو'، تو اسے مزید مضبوطی سے پکڑ لینا چاہیے"۔

یہ کہتے ہوئے، اس نے دوسرے ہاتھ کو پکڑا اور بلیڈ کا ہلکا سا وار کیا۔ خون کی پہلی بوند بلیڈ سے یوں ٹپکی جیسے کسی زخم نے اپنا راز فاش کیا ہو۔ پھر اچانک، اس نے گردن پر ایسا دباؤ ڈالا جیسے کسی پرندے کو پنجے میں جکڑ لیا جائے۔ وہ شخص ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا، اس کی آنکھیں باہر کو آنے لگیں۔ لمحے بھر بعد، اس نے دباؤ ہٹا لیا اور اسے سانس لینے دیا۔ مراد بے تاثر چہرے کے ساتھ پاس سے کچھ فاصلے پر کھڑا سب دیکھ رہا تھا۔

"مم... میں کیا کہوں؟"۔ کچھ دیر بعد اس نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

"یہ ہوئی نا سمجھداری والی بات۔ وہی کہو جو میں سننا چاہتا ہوں۔"

اس کی ہنسی گویا کسی مردہ دل ویرانے میں بجلی کی کڑک تھی۔ اسی لمحے، رسیوں سے بندھے شخص کی نظر اس کے گلے میں لٹکتی چین پر پڑی۔ وہ دو انگریزی حروف "Y" اور "D" اس کی رہی سہی ہمت بھی توڑ چکے تھے۔

"تت... تم..." اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ اس کی نظریں اپنے چین پر محسوس کر کے وہ چمکتی آنکھوں سے مسکرایا۔

"ہاں، میں یور ڈیتھ"۔

"وائے ڈی کے پاس جو جاتا ہے، پھر وہ وہی کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے"۔۔

یہ الفاظ اس کے کانوں میں گونجے، اور اسے اپنے اطراف کے سارے دروازے بند ہوتے ہوئے نظر آئے۔

"کس نے بھیجا تھا تمہیں؟"۔

اس بار آواز میں ایک ایسی سرد مہری تھی جیسے کسی برفانی طوفان نے سب کچھ منجمد کر دیا۔

"شا... شاہِد عباسی۔"

نام زباں پر آتے ہی، پسٹل سے نکلتی گولیوں کی آواز بیسمنٹ کی خاموشی کو چیر گئی۔

ایک کے بعد ایک گولی اس کے سینے میں اتری، اور بھوری آنکھوں والا شخص تیز قدموں سے بیسمنٹ سے نکل گیا۔ جیسے اندھیری رات کا سایہ دوبارہ اپنے غار میں لوٹ گیا۔

"یار فاطمہ، بات کرو نادادی سے!" ماریہ بے چینی سے کمرے میں چکر کاٹ رہی تھی۔ فاطمہ کمال بیڈ پر بیٹھی تھی، اس کے چہرے پر تھکن اور تلخی کے گہرے رنگ تھے۔

”ہاں، جیسے میں تو ان کی لاڈلی پوتی ہوں!“ فاطمہ نے ہنستے ہوئے تلخی کا اظہار کیا، ہنسی جو کسی پرانے زخم کے ٹیس کی طرح محسوس ہوئی۔ ”جتنی نفرت وہ مجھ سے کرتی ہیں، تمہیں کیا لگتا ہے کہ وہ مان جائیں گی؟“۔

ماریہ کی اداس آنکھوں کو دیکھ کر وہ تھوڑا نرم پڑ گئی۔

”یار، مجھے بھی یونیورسٹی سے ماسٹرز کرنا ہے“۔ ماریہ اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

فاطمہ نے ایک لمحہ خاموش رہ کر گہری سانس لی، جیسے اپنے الفاظ تول رہی ہو۔ ”ماریہ ابراہیم، ہر انسان کو اپنی جنگ خود لڑنی پڑتی ہے۔ اپنے لیے آواز خود اٹھاؤ۔ میں تمہارے ساتھ ہوں، لیکن یہ قدم تمہیں ہی اٹھانا ہو گا“۔

”یار، کیسی کزن ہو تم؟“ ماریہ نے منہ بسورتے ہوئے پاؤں لٹکائے، بیڈ پر لیٹ گئی، وہ ایک تھکے ہارے مسافر کی مانند تھی جو منزل سے پہلے ہی ہمت ہار جائے۔

”ماریہ...“ فاطمہ نے اسے سنجیدگی سے دیکھا، اس کی آواز میں تھکن اور درد کی لہریں تھیں۔ ”میں ضرور تمہارے لیے خود اجازت لینے جاتی، لیکن میری بھی تو مجبوریاں ہیں۔ صرف دادی ہی نہیں، چاچو، پھوپھی، اور تایا، سب میرے خلاف ہیں۔ میں تمہارے لیے

کس سے بات کروں ؟اور تمہیں پتہ ہے، پہلا جملہ مجھے کیا سننے کو ملے گا؟اب میں اس خاندان کے باقی بچوں کو بگاڑ رہی ہوں“۔۔

اس کے الفاظ میں ایسا درد تھا جیسے کوئی طویل سفر کے زخموں کو چھپا رہا تھا۔۔

”فاطمہ، یہ ہم پر اعتبار کیوں نہیں کرتے ؟“ماریہ نے خالی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

فاطمہ نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں،ایک طویل سانس لی، جیسے کسی بھاری بوجھ کو اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔"اعتبار ؟اعتبار تو وہ ہوتا ہے جو کسی آئینے کی طرح نازک ہو۔ایک دفعہ چیخ جائے تو جوڑنے کی لاکھ کوشش کرو، دراڑیں باقی رہ جاتی ہیں۔“

ماریہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی، لیکن فاطمہ کے الفاظ نے کمرے کو خاموشی کے دلدل میں دھکیل دیا۔یہ خاموشی وہ تھی جو باتوں سے زیادہ گونجدار تھی،جو دل کے اندر کی کہانی سناتی تھی۔

فاطمہ کمال کی نظریں سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے بابا اور دادا جان کی تصویر پر ٹھر گئی۔اس کے دادا اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ایک نامور بزنس مین تھے۔بابا نے بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کئی ممالک میں اپنا کاروبار کامیابی سے پھیلا یا لیا تھا۔لیکن دادی سکینہ ؟وہ آج بھی پرانے نظریات اور روایات پر ڈٹی ہوئی تھیں۔پرانی سوچوں کی زنجیروں میں قید۔وقت بدل

گیا، سب کچھ بدل گیا، مگر دادی کی سوچیں وہی ٹھہر گئیں۔ اسے کبھی سمجھ نہ آیا کہ دادی کا دل کیوں ان پرانی روایات سے جڑا رہا؟

دوسرے دن کا آغاز۔ سورج کی نرم کرنیں آسمان کے کینوس پر سنہری رنگ بکھیر رہی تھیں۔ پرندے اپنے آشیانوں سے اڑان بھر چکے تھے، اور ہر طرف زندگی کی گہما گہمی شروع ہو چکی تھی۔ شیشے کی کھڑکی کے پار باغ کے مناظر جاذبِ نظر تھے، جہاں دھندلے موسم میں سبز پتوں پر شبنم کے قطرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔

اسٹڈی روم کے اندر، ایک گھڑی کی ٹک ٹک خاموشی کو چیر رہی تھی۔ دیوار پر آویزاں کتابوں کی قطاریں اور میز پر بکھری فائلیں کسی طویل جدوجہد کی کہانی سناتی تھیں۔ وہ اسٹڈی روم کی کرسی پر بیٹھے تھے، ان کے ہاتھ میں ایک فائل تھی، جس پر ان کی نظریں جمی تھیں۔

"سر، آپ کے لیے پیغام آیا ہے۔" ایک ملازم نے دروازہ کھولتے ہی اطلاع دی۔

وہ فائل کو میز پر رکھتے ہوئے دھیرے سے مسکرائے۔ "ہاں، تو دو نا! میں کب سے انتظار کر رہا ہوں۔" ان کے چہرے پر ایک عجیب اطمینان تھا۔

ملازم نے اپنے ہاتھ میں موجود کاغذ کے ٹکڑے کو دیکھا، لیکن اس کے چہرے پر ایک عجیب سی بے چینی ابھر آئی۔ ”سر، وہ پیغام۔۔۔“ اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

”یہ کیا؟ حمید صاحب نے پرچی کے ذریعے پیغام بھیجا ہے؟“ انہوں نے ہنستے ہوئے اس کے ہاتھ سے پرچی لی اور بند کاغذ کو انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کی مدد سے کھولا۔

لیکن جیسے ہی اندر لکھی تحریر پر نظر پڑی، ان کی مسکراہٹ ہوا میں تحلیل ہو گئی۔ ان کی آنکھوں میں ایک سایہ چھا گیا، جو کسی خطرے کے گہرے احساس کو ظاہر کرتا تھا۔ کاغذ پر درج تھا۔

”جو مجھ سے ملنے کی خواہش کرتا ہے، پھر وہ زندہ نہیں رہتا۔“

اس تحریر کے نیچے جلے ہوئے انگریزی حروف میں واضح طور پر لکھا تھا" ”Y“ اور ”D“"۔

انہوں نے پرچی کو غور سے دیکھا۔ ”فرمان پکڑا گیا؟“ ان کے لبوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

”سر، اسے بے دردی سے قتل کر دیا گیا ہے“۔ ملازم نے جھجھکتے ہوئے اطلاع دی۔

انہوں نے ایک گہری سانس لی، اور ان کی مٹھیاں بھینچ گئیں۔ ”وائے ڈی۔۔۔“ وہ زیرِ لب بڑبڑائے، اور کرسی کی پشت سے ٹیک ہٹا کر سیدھے بیٹھ گئے۔ ان کی آنکھوں میں اب غصے کی چمک تھی۔

”فاخر، حمید، اور زوہیب، تینوں کو فوری طور پر میٹنگ کے لیے پیغام بھیجو۔“ ان کی آواز میں حکم تھا، جس میں ذرا بھی تذبذب نہ تھا۔ ”ہمیں اگلا لائحہ عمل جلد از جلد تیار کرنا ہوگا۔“ انہوں نے اپنے انگوٹھے سے پیشانی کو مسلا، ان کے چہرے پر بے چینی کی جھلک تھی۔

اسٹڈی روم کی فضا بوجھل ہو چکی تھی، باہر پرندوں کی چہچہاہٹ بھی اب خوفزدہ خاموشی میں دب گئی تھی۔

سیڑھیوں سے نیچے اترتے ہوئے عابد کے قدم تیز تھے۔ لیکن جونہی اس کی نظر سامنے کھڑی فاطمہ پر پڑی، قدموں میں لگنے والی تیزی یکایک تھم گئی۔

”کیسی ہو تم؟“ عابد نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

”میں ٹھیک ہوں، تم سناؤ؟“۔ فاطمہ کا لہجہ بالکل رسمی تھا۔ آواز میں نہ کوئی نرمی تھی نہ کوئی گرمجوشی۔ ایک ہی گھر میں رہنے کے باوجود دونوں کی ملاقاتیں شاذ و نادر ہی ہوتیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"سوچا تھا تمہیں آج کہیں باہر لے جاؤں، لیکن اچانک ضروری کام آگیا ہے"۔عابد کی آواز میں نرمی کا لمس تھا،اور آنکھوں میں پسندیدگی۔

"تم اپنے کام پر توجہ دو۔ویسے بھی مجھے یوں جانا اچھا نہیں لگتا"۔فاطمہ نے صاف گوئی سے کہا۔

عابد نے گہری سانس لی،اس کا یہ انداز اسے اچھا نہیں لگتا تھا۔لیکن پھر بھی وہ برداشت کر جاتا۔"تم ہمارے بیچ کی یہ تکلف کب ختم کرو گی؟"۔اس کی نظریں اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر تھیں۔

"جب میں اس رشتے کو دل سے قبول کر لوں گی"۔فاطمہ نے بے لچک انداز میں کہا۔اس کی صاف گوئی عابد کے دل کے ہزار ٹکڑے کر گئی۔

"میں امید کرتا ہوں، تم جلد قبول کر لو گی"۔عابد کی آنکھوں میں بہت سے جذبات تھے،جو کہے بغیر بھی سمجھ میں آرہے تھے۔دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ وہ داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔فاطمہ نے سر جھٹکا اور سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

"کیا باتیں ہو رہی تھیں؟"۔ماریہ ابراہیم جو اوپر سے یہ منظر دیکھ رہی تھی، فوراً فاطمہ کے سامنے آکھڑی ہوئی، آنکھوں میں شرارت اور ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

”کچھ خاص نہیں“۔فاطمہ نے سپاٹ لہجے میں کہا اور اپنے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔

ماریہ نے بھی جلدی سے اس کا پیچھا کیا۔"محبت کا اظہار ہو رہا تھا کیا؟" وہ اب بھی شرارتی انداز سے باز نہ آئی۔

”ماریہ ابراہیم“! فاطمہ نے بھرپور سنجیدگی سے اس کا نام لیا۔

”جی فرمایئے“۔ماریہ نے بیڈ پر دراز ہوتے ہوئے مزید مسکرائی۔

”کیا فاطمہ کمال تمہیں اس طرح کی لگتی ہے؟“۔فاطمہ نے ڈریسنگ کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے بالوں کو کھولتے ہوئے کہا۔اس کے لہجے میں ہلکی سی ناگواری تھی۔

”نہیں، فاطمہ کمال ایک سنجیدہ اور صاف گو لڑکی ہے، نکاح سے پہلے اظہار کو سخت ناپسند کرنے والی“۔ماریہ رٹے ہوئے جواب کی طرح بولی اور کہنی کے بل بیڈ پر لیٹتے ہوئے اپنی ہتھیلی گال پر ٹکالی۔

”اور ساتھ ہی بے رحم، جو دوسرے کے جذبات کو بے دردی سے روند دیتی ہے“۔ماریہ کے اضافی جملے پر فاطمہ نے آئینے میں سے اسے گھورا، جس پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

”میں بے رحم نہیں ہوں“۔فاطمہ نے بالوں کو دوبارہ بینڈ میں قید کرتے ہوئے نرمی سے جواب دیا۔

”آپ نے انہیں کبھی محبت سے جواب دیا بھی نہیں“! ماریہ نے فاطمہ کی بے رحمی کی دلیل دینے کی کوشش کی۔

”نکاح سے پہلے کی محبت میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ جب وہ شوہر کے رتبے پر فائز ہو گا، تب اسے محبت سے جواب دے دوں گی“۔ فاطمہ کا لہجہ بے حد سنجیدہ تھا۔

”آہ! آپ تو واقعی کبھی کبھی روبوٹ لگتی ہیں۔ بلکہ کبھی کبھی نہیں، ہمیشہ۔ لڑکیاں جب اپنے منگیتر کے بارے میں بات کرتی ہیں تو شرماتی ہیں، اور آپ کے چہرے پر تو کوئی تاثر ہی نہیں ہوتا“۔ ماریہ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

”چندا، جب دل میں جذبات ہوں، تب ہی چہرے پر تاثر عیاں ہوتا ہے۔ میرے دل میں ایسا کچھ نہیں، اور اب تم مزید کوئی سوال نہیں کرو گی“۔ فاطمہ نے اسے منہ کھولتے دیکھ کر فوراً ٹوک دیا۔

”ٹھیک ہے، بھئی“۔ ماریہ کندھے اچکاتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔ ماریہ کے جاتے ہی فاطمہ کا مضبوط نقاب ڈھلک گیا۔ وہ بیڈ پر بیٹھ گئی اور اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔

”ماریہ، میں روبوٹ نہیں ہوں“۔ اس نے دل ہی دل میں کہا۔ "میں کیسے اس سے محبت کر سکتی ہوں؟ محبت تو محسوس کی جاتی ہے نا؟ مجھے تو عابد کی محبت کبھی محسوس ہی نہیں

ہوئی۔مجھے کسی انداز سے نہیں لگا وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔میں بظاہر مضبوط نظر آتی ہوں، لیکن اندر سے بہت کمزور ہوں۔سب کی نفرت اور الزام تراشیوں نے مجھے اندر سے توڑ دیا ہے۔جب تک نکاح نامے پر سائن نہیں کرونگی، مجھے کسی وعدے کسی محبت پر یقین نہیں آئے گا۔اور جب تک یقین نہیں آئے گا، محبت کیسے ہو سکتی ہے؟میرا سخت لہجہ، میری بے لچک باتیں، یہ سب خود کو بچانے کی ایک کوشش ہے''۔اس کی آنکھیں گیلی ہوئیں تھیں۔ آنکھوں میں چھپا ہوا درد اپنے کمرے کی تنہائی میں اتر آیا، مگر وہ کسی کو اپنی کمزوریوں کی خبر دینا نہیں چاہتی تھی۔یہ جنگ صرف اس کی تھی، جسے وہ اکیلے لڑنے کا عزم رکھتی تھی۔وہ فاطمہ کمال تھی اپنی جنگ لڑنے کا عزم خود رکھتی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اچانک ایک مہینہ پرانے منظر کی دھند اس کے ذہن میں چھا گئی۔اس رات کی تاریکی جیسے اس کے گرد لپٹ گئی تھی۔ہسپتال سے واپسی پر گھڑی کی سوئیاں دس کا ہندسہ چھو رہی تھیں۔سڑک ویران تھی، اور ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی، سوائے گاڑی کے انجن کی ہلکی گڑگڑاہٹ کے۔

پھر اچانک، جیسے کسی نے سکوت کو توڑ دیا ہو۔ سامنے کچھ سایے نمودار ہوئے، اور گاڑی کو زبردستی روک لیا گیا۔ چاروں منچلے قہقہے لگاتے اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کی نظریں جیسے گدھ کی طرح شکار پر جمی ہوئی تھیں۔ فاطمہ کی سانسیں بے ترتیب ہو گئیں، دل جیسے پنجرے میں دھڑک رہا تھا۔

وہ تھکی ہوئی تھی۔ دن بھر کی مصروفیت نے اس کی طاقت نچوڑ لی تھی۔ اور اب یہ رات، یہ اکیلا پن، اور یہ اجنبی سایے... وہ ان سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔

تب ہی، اندھیرے کی چادر کو چیرتے ہوئے ایک وجود سامنے آیا۔ طوفان کے بیچ آکر کھڑا ہونے والا اسے کوئی محافظ لگا، اس کی موجودگی جیسے ایک یقین دہانی تھی۔

اس نے آتے ہی دو لڑکوں کو پلک جھپکتے زمین پر گرا دیا۔ باقی دو خوف سے پیچھے ہٹے اور اندھیرے میں کہیں غائب ہو گئے۔ اور وہ لمحہ ایسا تھا جیسے کسی طوفان میں اچانک سکون چھا جائے۔

"آپ گھر جا سکتی ہیں اب"۔

اس کی گہری بھاری آواز میں ایسی گہرائی تھی، جیسے گونجتی ہوئی وادیوں کا ساز ہو۔ فاطمہ نے بے اختیار اسے دیکھا، لیکن وہ صرف اس کی آنکھیں دیکھ سکتی تھی۔ سیاہ، گہری، اور ایسی کہ دل کو اپنی گرفت میں لے لیں۔ باقی چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔

''خیال رکھا کریں اپنا''۔

اس کی باتوں میں عجیب سی نرمی تھی، ایسی نرمی جو کسی اجنبی سے امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ ایسا جملہ تو کبھی گھر والوں نے بھی نہیں کہا تھا۔

''ڈریں مت مجھ سے''۔

فاطمہ کے سخت ہوتے تاثرات یکدم پگھل گئے، جیسے کسی برفیلے پہاڑ پر دھوپ پڑ جائے۔

''تم نے میری مدد کی، شکریہ۔ لیکن مجھ سے فری ہونے کی ناکام کوشش مت کرو۔ تمہارا وقت ضائع ہو گا''۔۔ سنجیدگی سے دیکھتے ہوئے فاطمہ نے اپنے مضبوط لہجے میں کہا اور گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

''میرا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے، مس کمال۔ اور یقین مانیں، میں نینو سیکنڈ بھی ضائع کرنے کا قائل نہیں''۔۔

اس کے بھاری لب و لہجے نے فاطمہ کے قدموں کو روک لیا۔ وہ پلٹی، اور ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا۔

اندھیرے میں اس کی آنکھوں کی گہرائی کچھ کہہ رہی تھی، کچھ ایسا جو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ فاطمہ نے کچھ کہے بغیر گاڑی میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا، اور سڑک پر روشنیوں کے ساتھ غائب ہو گئی۔

لیکن وہ رات، وہ آواز، وہ گہری آنکھیں۔ یہ سب آج بھی اس کے دل کے کسی کونے میں زندہ تھے۔ وہ لمحے جیسے وقت کے کسی دھاگے میں پروئے گئے ہوں، جو بار بار اسے یادوں کی دنیا میں لے جاتے تھے۔ ان خیالات سے وقتی طور پر چھٹکارا پاتے وہ ہسپتال جانے کے لیے تیار ہونے لگی۔

فاطمہ کمال سائیکالوجی میں ماسٹرز کر رہی تھی۔ ساتھ ہی اس نے والد کی مدد سے ایک ہسپتال تعمیر کروایا تھا۔ یونیورسٹی کے بعد وہ اپنا وقت ہسپتال کو دیتی تھی۔ وہاں کی اونر ہونے کے ساتھ سی ای او کا عہدہ بھی سنبھال رہی تھی۔ اور ایک رحم دل سائیکالوجسٹ۔ ماسٹرز کا بس آخری سیمسٹر تھا۔ پھر اسے لائسنس مل جانا تھا۔

کمرے میں مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی، دیواروں پر لٹکتے گہرے رنگ کے پردے ہوا کو روک کر اندر کی فضا کو مزید گھٹن زدہ بنا رہے تھے۔ چھت پر جھولتا ہوا زرد لیمپ ہلکی روشنی دے رہا تھا، جس سے شطرنج کی بساط اور میز پر پڑے ایش ٹرے کا دھواں دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا۔

"آخر یہ 'وائے ڈی' ہے کون؟ جس سے آپ لوگ اتنا ڈرتے ہیں؟"۔ زوہیب نے بے زاری سے ان سب کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ ان کے چہروں پر پھیلی الجھن کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم ابھی نئے ہو نا، جب ہی اس کے کام سے واقف نہیں ہو"۔ حمید رضا نے اس کے ایٹیٹیوڈ کو ناپسندیدگی سے دیکھا۔

شاہد عباسی ایک جانب کرسی پر بیٹھے سگریٹ کے کش لگا رہے تھے، ان کی آنکھوں میں کسی انجانے خوف اور نفرت کی جھلک نمایاں تھی۔

"جب وہ ہے ہی اتنا خطرناک تو آپ لوگ اس کے پیچھے کیوں پڑے ہیں؟ آپ لوگ اپنا کام کریں اور اسے اس کا کرنے دیں"۔ زوہیب کی آواز میں بے زاری اور لاپرواہی واضح تھی۔ وہ ان سب کی باتوں سے اکتا گیا تھا۔ فاخر سلمان شطرنج کی بساط کے قریب بیٹھے تھے،

مہرے آگے پیچھے کرتے ہوئے گہری سوچ میں تھے۔زوہیب دیوار سے ٹیک لگائے،ہاتھ میں مشروب کا گلاس لیے سب کو خاموش نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”مسئلہ ہی یہی ہے“۔شاہد عباسی نے ایش ٹرے میں سگریٹ مسلتے ہوئے کہنے لگے۔”وہ ہمیں ہمارا کام کرنے ہی نہیں دیتا۔نہ جانے کہاں سے اسے سب پتا چلتا ہے،ہمارا ہر پلان ناکام بنا دیتا ہے۔"

"کب سے ہے وہ اس کام میں شامل؟"زوہیب نے گلاس میز پر رکھتے ہوئے سوال کیا۔وہ ان کے گروپ میں نیا تھا۔جب ہی اسے تفصیلات معلوم نہیں تھیں۔

”پچھلے پانچ ماہ سے“۔فاخر سلمان نے غصے سے میز پر ہاتھ مار کر بڑبڑائے۔”نا اگلا جاتا ہے،نہ نگلا!“

”صرف پانچ ماہ؟امیزنگ۔اتنے کم وقت میں اتنی پاور“۔زوہیب نے ستائشی لہجے میں گویا ہوا،مگر اس کے الفاظ فاخر سلمان کو چبھے تھے۔

”زیادہ اس کی تعریف کے پل مت باندھو۔بڑے بڑے افسران ملے ہوئے ہوں گے،تبھی پکڑا نہیں جاتا“.شاہد عباسی نے نفرت سے سگریٹ کا ایک اور کش لگایا۔

حمید رضا صوفے سے ٹیک ہٹاتے ہوئے آگے ہوئے۔ ”کرنا کیا ہے؟ یہ سوچو۔ ان فضول باتوں میں وقت ضائع کرنے کا فائدہ نہیں“۔

”وائے ڈی کی موت ہی آخری حل ہے۔ جب تک وہ مر نہیں جاتا، یونہی ہماری راہ میں رکاوٹ بنا رہے گا“۔ فاخر سلمان نے میز پر شطرنج کے مہرے کو ایک مرتبہ پھر حرکت دیتے ہوئے پر اسرار انداز میں بولے۔

”یور ڈیتھ کی موت؟ اچھا مذاق ہے“۔ شاہد عباسی نے طنزیہ ہنسی کے ساتھ کہا۔ زوہیب ان سب کو پر سوچ نظروں سے دیکھتے ہوئے کسی گہری حکمت عملی کا اندازہ لگا رہا تھا۔

”مذاق نہیں، حقیقت ہے۔ جب تک وہ زندہ ہے، ہم کچھ بھی کر لیں، وہ ہمارا ہر پلان ناکام بنا دے گا۔ لیکن اگر ایک بار اسے مار دیں تو ساری زندگی کی ٹینشن ختم“۔ فاخر سلمان کو ان کی طنزیہ ہنسی بری طرح کھلی تھی۔

”جب وہ ہمارا ہر پلان ناکام بنا دیتا ہے، تو اسے مارنا تو دور کی بات ہے، سوچا ہے کیسے ماریں گے؟“۔ حمید رضا مشروب کا گلاس ہاتھ میں تھامے تفکر سے انھیں دیکھے۔

زوہیب نے گلاس میز پر رکھا، ٹشو سے ہونٹ تھپتھپائے۔ ”کمزوری“۔ اس نے بلند آواز میں ایک لفظ کہا۔ سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"اس کی کمزوری ڈھونڈنی ہو گی۔ کمزوری ہاتھ لگے تو سمجھو آدھا وہ ویسے ہی مر گیا"۔۔وہ شیطانی آنکھوں سے مسکرایا۔

"کوئی کمزوری نہیں ہے اس کی۔ بہت تیز بندہ ہے، اپنی کوئی کمزوری رکھی ہی نہیں"۔۔وہ سب جو پر جوش ہوئے تھے۔ڈھیلے پڑ گئے۔

زوہیب ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا۔"ناممکن۔ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی کی کمزوری نہ ہو۔ہر انسان کی کوئی نہ کوئی کمزوری ضرور ہوتی ہے۔بقول آپ لوگوں کے، وہ بہت شاطر ہے، تو اپنی کمزوری بھی چھپا کر رکھی ہو گی"۔۔

"زوہیب ٹھیک کہہ رہا ہے۔انسان کو مارنا ہو تو اس کی کمزوری پر وار کرنا چاہیے۔ ہمیں انتظار کرنا ہو گا۔اس پر نظر رکھنی ہو گی۔ کوئی نہ کوئی کمزوری ضرور ہو گی"۔ حمید رضا گہری سانس لیتے ہوئے بولے۔ فاخر سلمان اور شاہد عباسی نے ہامی بھری، اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔اور کمرے میں ایک عجیب خاموشی چھا گئی، اب صرف گھڑی کی ٹک ٹک اور سگریٹ کے دھوئیں کی مہک کمرے میں تھی۔۔

"یہ تم صبح صبح کہاں جانے کی تیاری میں ہو؟"

دادی سکینہ کی سخت آواز کمرے کے سکون پر بجلی بن کر گری۔ ہلکی چائے کی بھاپ، چمچوں کی مدھم کھنک، اور ناشتے کی خوشبو جیسے ایک پل کو رک گئی۔ سب کی نظریں اس طرف اٹھیں جہاں ہلکے گلابی لباس میں ملبوس فاطمہ، تیار، ناشتہ کرنے کے لیے کرسی کھینچ کر بیٹھی تھی۔ آج جمعہ کا دن تھا، اور جمعہ، ہفتہ اتوار فاطمہ کا آف ہوتا تھا۔۔ اس کی نظریں ناشتہ کی میز پر جمی تھیں، مگر دادی سکینہ کی ٹٹولتی نگاہیں اسے بے چین کر رہی تھیں۔ ان نظروں سے وہ ہمیشہ غیر آرام دہ رہی تھی۔ زیر لب اس نے اپنی بے چینی کو کم کرنے کے لیے "ومن شر حاسد اذا حسد" دھیرے سے پڑھی۔

"یونیورسٹی... میری ایکسٹرا کلاسز ہیں"۔

نرمی سے مگر مختصر جواب دے کر اس نے جیم کے جار کو کھولا۔ وجود کے گرد اٹھنے والی تلخیوں کو وہ نظرانداز کرتی سنجیدگی سے بریڈ میں جیم لگانے لگی۔ میز پر سب موجود تھے۔ سوائے کمال مصطفیٰ کے، جو کام کے سلسلے میں شہر سے باہر تھے۔

"یہ کون سی کلاسز ہیں جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتیں؟"۔ پھوپھی ریحانہ نے اپنی مخصوص طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ پراٹھے کا نوالہ توڑتے ہوئے فاطمہ پر نظریں جمائے بیٹھی تھیں۔

"وہی کلاسز، جن سے کبھی آپ کا واسطہ نہیں پڑا"۔

فاطمہ نے بنا نظریں اٹھائے، دھیمے مگر کٹ دار لہجے میں جواب دیا۔اس کے الفاظ نرم تھے، مگران میں چھپی تلخی کسی دھار دار شیشے کی مانند کاٹتی ہوئی تھی۔وہ بریڈ کے چھوٹے چھوٹے ٹکرے چباتی رہی،ماحول کے بھاری پن کو نظرانداز کرنے کی ہمیشہ کی طرح کوشش تھی۔

ناشتے کی میز پر خاموش بیٹھے ماریہ اور احسن نے ایک دوسرے کو چپکے سے دیکھ کر مسکراہٹ کا تبادلہ کیا۔ان کی شرارتی نظروں میں وہ خوشی تھی جو پھوپھی ریحانہ کے طنزیہ جملوں کے جواب میں اکثر جھلکتی۔انھیں بھی پھوپھی ریحانہ اچھی نہیں لگتی تھیں۔

"ہائے ہائے، کتنی لمبی زبان ہے!اور بھلا ہی ہوا جو ہمارا ایسی کلاسوں سے واسطہ نہیں پڑا"۔پھوپھی ریحانہ نے نوالہ چباتے ہوئے ایک اور طنز اچھالا۔ان کی باتوں میں وہ تیزابیت تھی جو ہمیشہ فاطمہ کو گہری سوچوں میں ڈال دیتی تھی۔آخر وہ اس سے اتنی نفرت کیوں کرتی ہیں؟۔

فاطمہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

"احسن، مجھے ڈراپ کر دو گے؟"اس نے ناشتہ ادھورا چھوڑا اور احسن کی طرف رخ کر کے کہا۔

"عابد، فاطمہ کو چھوڑ آؤ"۔تایا، جو کافی دیر سے خاموش تھے، انھوں نے عابد کو حکم دیا۔

عابد موبائل کی اسکرین پر نظریں جمائے بیٹھا تھا، باپ کی بات پر فوراً چونکا۔

"ہاں ہاں، آؤ فاطمہ"۔

عابد کی مخصوص مسکراہٹ، جو ہمیشہ فاطمہ کو دیکھ کر اس کے چہرے پر آتی، اس وقت بھی نمایاں تھی۔

"تم ناشتہ کرو، میں احسن کے ساتھ چلی جاؤں گی"۔

فاطمہ نے مختصر انکار کیا اور احسن کو اٹھنے کا اشارہ دیا۔

"تھینک یو، ویسے بھی مجھے ضروری کام سے جانا تھا۔ واپسی میں پک کر لوں گا"۔عابد نے مسکراہٹ پاس کرتے ہوئے اسے کہا۔۔فاطمہ کی گاڑی ورکشاپ میں تھی۔

"اس کی ضرورت نہیں، واپسی میں حنا کے ساتھ آجاؤں گی۔"..فاطمہ نے سرد لہجے میں انکار کر گئی اور اپنا بیگ اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔جب عابد اس کے ہر معاملے میں اتنا بے پرواہ ہو سکتا ہے تو پھر فاطمہ کمال کو ایسے شخص کی ضرورت نہیں۔

’’توبہ ہے اماں، اس کے تیور دیکھ رہی ہیں؟ یہی اثر ہونا ہے جب لڑکا لڑکی ساتھ پڑھیں گے‘‘۔ پھوپھی ریحانہ کی زہریلی آواز نے فاطمہ کو رکنے پر مجبور کر دیا۔ ان کی ذہنیت نہیں بدل سکتی تھی۔ وہ پلٹی۔

’’میرے تیور دیکھنے کے بجائے، اگر آپ خود پر اور اپنی بیٹی کے رویے پر نظر ثانی کریں تو زیادہ بہتر ہوگا‘‘۔ اس کی نظریں نگاہیں ایک لمحے کے لیے سب کو ساکت کر گئیں۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟ پھوپھی ہے وہ تمہاری! فوراً معافی مانگو!" دادی سکینہ برہم ہوئی تھیں۔

"میں نے کچھ غلط نہیں کہا اور معافی میں کبھی نہیں مانگوں گی۔" فاطمہ نے ایک لمحے کے لیے ان سب کی طرف دیکھا، پھر بے نیازی سے بولی۔ اس کی ہٹ دھرمی اور خود اعتمادی نے ماحول میں مزید تلخی بھر دی۔ وہ ایک آخری نظر عابد پر ڈال کر گھر سے باہر نکل گئی۔ باہر ہوا کی ہلکی سرسراہٹ، درختوں کی جھومتی شاخیں، اور سورج کی دھیمی روشنی اس کے قدموں کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ پیچھے دادی سکینہ کی بڑبڑاہٹ اب بھی کانوں میں گونج رہی تھی۔ "بند کرواتی ہوں تمہارا یونیورسٹی جانا!"

فاطمہ کمال نے گریجویشن کے بعد کے دو سال یوں ہی فارغ گزار دیے تھے۔ مگر یہ خلا زیادہ عرصے تک نہیں رہا۔ وہ جلد ہی بابا کو منانے میں کامیاب ہو گئی اور چوبیس برس کی عمر میں ماسٹرز میں داخلہ لے لیا۔ بابا کیا۔۔اصل مسئلہ تو دادی تھیں۔ وہ خود ایک تعلیم یافتہ انسان تھے۔ انھوں نے بزنس ایڈمنسٹریشن میں پی ایچ ڈی کر رکھی تھی۔ باقی تایا نے بمشکل انٹر اور چچا نے لگے باندھے پرائیویٹ یونیورسٹی سے بیچلر کی ڈگری لینے کے بعد اپنی کتابیں بند کر کے کاروبار کی طرف توجہ مرکوز کر لی تھی۔ پھوپھی ریحانہ بی اے کرنے کے بعد پڑھائی کو خیر آباد کہہ چکی تھی۔ آج ان کی فیملی جو سوسائٹی میں جانی جاتی تھی وہ سب پہلے صرف ان کے دادا کی وجہ سے تھا اور اب کمال مصطفیٰ کے۔

فاطمہ، جو اب چھبیس برس کی ایک سنجیدہ لڑکی تھی، ہمیشہ ایسی نہیں تھی۔ کبھی وہ کھلکھلاتی ہوئی، خوش مزاج اور زندگی سے بھرپور لڑکی ہوا کرتی تھی۔ جب ماں زندہ تھی، تو وہ خوشبوؤں میں لپٹی ایک آزاد پرندے کی طرح تھی، جو کسی بھی شاخ پر بے خوف بیٹھ سکتا تھا۔ مگر ماں کی موت کے بعد، حالات کی کڑی دھوپ اور گھر کے افراد کے تلخ رویے نے اس کی خوشبو چھین لی تھی۔

اب وہ اپنے جذبات کو ایک محفوظ خول میں بند کیے رکھتی تھی، جیسے کوئی نایاب گلاب دھوپ سے بچنے کے لیے کلی کی صورت میں سمٹ جائے۔اس کی زندگی کا ہر دن ایک سنجیدہ قصے کی مانند تھا، جس میں لڑکپن کی شوخیوں اور ماں کے لمس کی نرمی کا صرف ایک دھندلا سا عکس باقی رہ گیا تھا۔

اردگرد کے ماحول کی سختیاں اور تلخ باتیں اس کے دل پر اس طرح برستی تھیں، جیسے کسی شام کے سائے خاموشی سے آنگن میں اتر کر ہر رنگ کو ماند کر دیں۔ مگر فاطمہ کمال نے ان سائے دار راستوں میں بھی اپنے لیے روشنی ڈھونڈنے کی ٹھانی تھی۔

"سر، ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے خلاف کوئی پلین بنایا جارہا ہے"۔ وائے ڈی کے خاص ملازم نے تولیہ تھام رکھا تھا، اور وہ ٹریڈ مل پر دوڑتے ہوئے اپنے وجود کو جیسے فولاد میں ڈھال رہا تھا۔ پسینے کے قطروں نے اس کی پیشانی کو شبنم جیسا چمکدار کر دیا تھا۔ نیچے اترتے ہی اس نے تولیہ لیا اور چہرے و گردن پر پسینہ خشک کرنے لگا۔ مراد کی بات پر اس کے ہونٹوں پر مخصوص مسکراہٹ ابھری۔

''وائے ڈی کس کام میں ماہر ہے، مراد؟''اس کی آواز میں بلا کا اعتماد تھا۔اس کی آنکھوں کی چمک بتاتی تھی جواب سے تو وہ پہلے ہی واقف ہے مگر سننے کا لطف لینا چاہتا ہو۔دونوں اب گھر کے جم سے نکل کر لاؤنج کی جانب قدم بڑھا رہے تھے۔

''پلین کو فیل کرنے میں، سر!''۔مراد نے فوراً مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا۔وہ وائے ڈی کے پیچھے محتاط قدموں سے ایسے چل رہا تھا جیسے سایہ چلتا ہے، ہمیشہ قریب مگر کبھی بوجھ نہیں بنتا۔

''اور جو میرے بنائے ہوئے دائرے میں داخل ہونے کی کوشش کرے؟''۔لاؤنج میں پہنچتے ہی ایک ملازم نے تیزی سے فریش جوس کا گلاس تھمایا۔

''تو پھر اس کی موت یقینی ہے''۔رٹا رٹایا جواب آیا تھا۔وائے ڈی کے چہرے پر ایک گڑھے جیسا دلکش ڈمپل ابھرا، جو اس کی شخصیت کی سختی میں ایک دلربا نرمی کا اضافہ کرتا تھا۔خوبصورتی اور خطرے کا ایسا امتزاج، جیسے کسی سرکش سمندر پر چمکتا ہوا چاند ہو۔

''پتہ کرواس بار کون سا دیگ چڑھایا گیا ہے، تاکہ الٹنے کا انتظام کیا جا سکے''۔وہ ہنستے ہوئے خالی گلاس مراد کے حوالے کرتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

مراد نے فوراً "جی سر" کہتے ہوئے گلاس ملازم کے حوالے کیا اور اپنے مشن پر روانہ ہو گیا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ شاور لینے چلا گیا۔ کچھ وقت بعد وہ تولیہ سے بال خشک کرتا ہوا باہر آیا۔ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا موبائل فون بجنے لگا، اس نے نام دیکھتے ہی فوراً کال ریسیو کی۔

"السلام علیکم، سر!"۔ اس کی آواز میں ادب تھا۔

"وعلیکم السلام، تو کب پہنچا رہے ہو اسمگلنگ کا مال؟"۔

"سر، پانچ منٹ بعد دروازے پر پہنچ جائیے"۔ اس نے آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ گندمی رنگت، ہلکی داڑھی، بھوری گہری آنکھیں، اور چہرے پر بننے والا دلکش گڑھا۔

"سروس بہت فاسٹ ہے!" دوسری جانب سے قہقہ گونجا، شاید سامان پہنچ چکا تھا۔

"آپ یونہی مجھے انڈر اسٹیمیٹ کرتے ہیں"۔ اس کے لب خفیف سے انداز میں پھیلے، بازیگر کو اپنی چال پر یقین تھا۔

''انڈر اسٹیمیٹ نہیں، یاددہانی کرواتا ہوں، تاکہ تم اپنا ہر کام احتیاط سے کرو''۔ دوسری جانب سے آواز میں شفقت بھی تھی اور تنبیہ بھی۔ اسے اس فیلڈ میں لانے والے وہی تھے۔

''جانتا ہوں''۔ وہ برش اٹھا کر اپنے بالوں میں پھیرنے لگا۔

''اگلا ٹاسک کب مکمل کر رہے ہو؟''۔

''وقت لگے گا۔ یہ کام ذرا پیچیدہ ہے۔ سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہوگا، دشمن تاک میں ہیں''۔ اس کی آواز سنجیدگی سے بھری ہوئی تھی۔ اس نے وہاں رکھا ایک ماسک اٹھایا اور اسے چہرے پر فکس کیا۔ آئینے میں وہ ایک مختلف شخص نظر آرہا تھا۔

''چلو، بیسٹ آف لک''۔

''اس بار بھی جیت ہماری ہوگی، کیونکہ ایسا کوئی ٹاسک نہیں جو فاز عالم مکمل نہ کر سکے''۔ اس کے چہرے پر ابھرنے والی مسکراہٹ صرف اس کے ہونٹوں تک محدود نہیں تھی بلکہ اس کی آنکھوں میں بھی چمک رہی تھی۔ اس لمحے میں وہ کسی پینٹنگ کا شاہکار لگ رہا تھا، جو دیکھنے والے کو مبہوت کر دے۔ اور وہی مسکراہٹ، جو شاذونادر ہی اس کے چہرے پر آتی تھی۔

یونیورسٹی کے لان میں خزاں کا موسم اپنی آخری سانسیں لے رہا تھا۔ سوکھتے پتوں کی سرسراہٹ ہوا کے ساتھ مل کر عجب سُر پیدا کر رہی تھی۔ دھوپ مدھم پڑ رہی تھی۔ فاطمہ اپنی کتابیں سمیٹ کر لان کے کنارے بیٹھے پیڑوں کو دیکھ رہی تھی، جن کے خشک پتے ہوا کے جھونکوں کے ساتھ گر رہے تھے۔ اس کے چہرے پر تھکن نمایاں تھی، یوں لگتا تھا اندرونی بوجھ اور باہر کے سکون کے درمیان ایک جنگ چل رہی ہو۔

تبھی موبائل کی بیل نے اس سکون کو توڑ دیا۔ اسکرین پر "بابا" کا نام دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی، جو فوراً دھندلا گئی۔ اس نے فوراً سے کال ریسیو کی۔

"فاطمہ! کیا آپ نے اپنی پھوپھی سے بدتمیزی کی ہے؟"۔

بابا کی سنجیدہ آواز نے اس کے ارمانوں پر پانی پھیر دیا۔

چند لمحے کے لیے وہ خاموش رہی۔

"بابا، آپ کو کیا لگتا ہے؟"۔ پھر تلخ مسکراہٹ لیے پوچھنے لگی۔

"بیٹا، آپ اپنی پھوپھی کے مزاج سے واقف ہیں، پھر انہیں جواب کیوں دیتی ہیں؟"۔ آج بھی وہ اسے ہی سمجھا رہے تھے۔ فاطمہ نے آنکھیں موند لیں۔ اردگرد کا شور، ہوا کی سرسراہٹ، سب مدھم پڑ گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"بابا، آپ کے کہنے پر ہمیشہ خاموش رہتی ہوں، لیکن آج انہوں نے میرے کردار پر بات کی تھی... اور یہ میں برداشت نہیں کر سکتی"۔اس کا لہجہ کانپ رہا تھا، ضبط کا آخری بند بھی ٹوٹنے والا تھا۔

"چاہے وہ کچھ بھی کہیں، لیکن آپ انہیں جواب نہیں دینگی۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھیں!"۔ بابا کا انداز تنبیہہ کرتا تھا۔

"بابا، وہ کچھ بھی کہیں، میں برداشت کر لوں گی، لیکن اگر بات میرے کردار پر ہوئی، تو پھر مجھ سے خاموش رہنے کی امید مت رکھیے گا"۔وہ زخمی ہوتے دل کے ساتھ بولی۔

"آپ کی دادی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ آپ واقعی بہت بدزبان ہو گئی ہیں"۔اس جملے نے اس کے دل پر خنجر چلایا۔اس کے لب کپکپائے،اور آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

"آپ دوسرے شہر میں بیٹھے ہیں، لیکن ہر بات آپ تک کتنی جلدی پہنچ جاتی ہے۔آپ کو اندازہ بھی ہے؟ کتنی امید سے میں نے آپ کی کال اٹھائی تھی کہ دو دن بعد ہماری بات ہو گی میں آپ کا حال پوچھوں گی، آپ میرا حال پوچھیں گے... لیکن آپ..."۔آواز بھیگ گئی۔آنسو رخسار پر گرے،اور مخروطی انگلیاں موبائل کو مضبوطی سے تھامے ہوئے لرزنے لگیں۔

"فاطمہ، آپ بات کو غلط رخ دے رہی ہیں"۔ بابا کی آواز میں نرمی آگئی۔ لیکن فاطمہ اب ضبط نہ کر پائی۔

"نہیں، بابا... میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ مجھے بھی ممی کے ساتھ مر جانا چاہیے تھا"۔ الفاظ درد کی شدت کے ساتھ نکلے اور اس کے ساتھ ہی اس نے کال کاٹ دی۔ یونیورسٹی کے چہل پہل میں وہ بے آواز سسکنے لگی۔ اسے دیکھ کر کوئی رکا۔ نیلی آنکھوں کے کنارے پر ٹھہرے پانی اسے کچھ لمحے کے لیے ساکت کر گئے۔ سمندر ہو اور اسے ڈبونا چاہتے ہوں۔ اگلے لمحے وہ سر جھٹکتا آگے بڑھ گیا۔ فاطمہ نے اپنی چیزیں اٹھائیں اور پارکنگ کی طرف بڑھ گئی۔ حنا کو مسیج کے ذریعے منع کرتی ہوئی آخری کلاس چھوڑ کر کیب کے ذریعے فارم ہاؤس آگئی۔ ہوا کی ہلکی خنکی نے اس کے چہرے کو چھوا، لیکن اس کے اندر کی گرمی کم نہ ہوئی۔ اس کے کندھوں پر بکھرے کرل بال ہوا کے جھونکوں کے ساتھ ہل رہے تھے، اور گلابی رنگ کا بو اس کی اداسی کے باوجود دلکشی میں اضافہ کر رہا تھا۔

"السلام علیکم، فاطمہ بیٹا!"۔ خان بابا نے اسے دیکھتے ہی اپنی کرسی چھوڑ دی۔

"وعلیکم السلام، خان بابا۔ برک کہاں ہے؟"۔ اس نے بمشکل اپنے لہجے کو نارمل رکھا۔ خان بابا نے اس کی گیلی آنکھوں کو دیکھا، ہمیشہ کی طرح وہ افسردہ ہو گئے۔

"بیٹا، وہ اصطبل میں ہے"۔ فاطمہ سر ہلاتی تیز قدموں سے اصطبل کی طرف بڑھ گئی۔ برک اسے دیکھتے ہی خوشی سے ہنہنایا اور آگے بڑھ کر اس کے قریب آگیا۔ اس کے بڑے، بھورے آنکھوں میں انس کی جھلک تھی۔

"برک، کیا تمہیں بھی لگتا ہے کہ میں بدتمیز ہوں؟"۔ وہ اس کے قریب جھکتی اپنے نرم ہاتھوں سے برک کے ماتھے کو سہلاتی افسانوی شہزادی معلوم ہوتی تھی۔

"بابا کو ہمیشہ میرا جواب دینا نظر آتا ہے۔ انہیں کیوں نہیں دکھائی دیتا کہ دادی اور پھوپھی میرے ساتھ کیا کرتی ہیں؟"۔ آنسو اس کی نیلی آنکھوں سے لڑھک گئے۔

"دادی مجھ سے اتنی نفرت کیوں کرتی ہیں؟ وہ مجھ سے محبت کیوں نہیں کر سکتیں؟۔۔۔ کیا تم بھی مجھے پسند نہیں کرتے؟"۔ اچانک ہی بہت سا خوف آنکھوں میں لیے اسے دیکھی۔ برک نے فوراً اپنی تھوتھنی اس کے کندھے سے لگاتے ہوئے پیار جتایا۔

"اچھا، اچھا... سمجھ گئی، تم ہی تو ہو جو اس دنیا میں مجھ سے بے لوث محبت کرتے ہو"۔ وہ روتے روتے ہنس دی۔ وہ اب نرمی سے اس کے ماتھے پر لب رکھ رہی تھی۔

محبت فاتح ٹھہری

قسط: ۲

از عائشہ اصغر

فاطمہ کی آنکھ کھلی تو گھڑی کی سوئیاں دس کا ہندسہ عبور کر چکی تھیں۔ کھڑکی کے پردے کے درمیان سے دھوپ کی ہلکی سی لکیر فرش پر گرتی ہوئی ایک طرف پھیل رہی تھی۔ کمرے میں سجی الماری، میز پر رکھی کتابیں، اور آئینے میں جھلکتی اس کی اپنی تھکن زدہ شکل، سب کچھ ایک اداس مگر پرسکون صبح کی کہانی سنا رہے تھے۔ آج ہفتہ تھا۔ یونیورسٹی سے آف تھا۔

آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر فاطمہ نے اپنے بکھرے بالوں کو سنوارا۔ اس کی آنکھوں میں کل کی تلخی کا عکس اب بھی واضح تھا۔ تازہ دم ہو کر وہ باہر نکل آئی۔ لاؤنج میں قدم رکھتے ہی نظر صوفے پر بیٹھی دادی اور پھوپھی پر پڑی، جو گہری باتوں میں مشغول تھیں۔ صوفے کے قریب رکھا چائے کا کپ میز پر ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ ان دونوں کو نظرانداز کرتے ہوئے سیدھا کچن کا رخ کیا۔ کچن میں داخل ہوتے ہی سبزیوں کی کٹی ہوئی خوشبو اور چولہے پر چڑھی ہنڈیا سے اٹھنے والی بھاپ فضا میں رچی ہوئی تھی۔ اس نے بوا سے ناشتہ بنانے کو کہا اور ڈائننگ

ٹیبل پر جا کر بیٹھ گئی۔ سامنے کا منظر واضح تھا۔ دادی تسبیح کے موتی گرا رہی تھیں، اور پھوپھی ان کے قریب بیٹھی نا جانے کون سے قصے سنا رہی تھیں۔

"یہ کون سے طریقے سیکھ لیے ہیں تم نے؟"۔ دادی کی آواز نے خاموشی کو توڑ دیا۔ فاطمہ نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"اب کیا کر دیا میں نے؟"۔ تحمل سے پوچھا۔

"لو بھلا؟ اب یہ بھی میں بتاؤں؟ بی بی یہ گھر ہے ہوٹل نہیں۔ جو کمرے میں کھانا منگوا کر کھایا جائے"۔ ان کی نظریں ناپسندیدگی لیے سختی سے اس پر جمی ہوئی تھیں۔

"میں جانتی ہوں، اسی لیے ابھی یہاں موجود ہوں۔ اور رہی بات کل کی تو میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی"۔ کچھ سخت کہنے کی خواہش جاگی تھی۔ لیکن وہ دبا گئی۔ کل فارم ہاؤس سے واپسی پر وہ سیدھا اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

"ایسی بھی کیا بیماری کہ کھانے کے آداب ہی بھول جاؤ؟" چچی نے ایک نظر اس پر ڈالی اور ملازمہ کو سبزی کاٹنے کی ہدایت دیتے ہوئے بولیں۔

"امی، کیا ہو گیا ہے آپ لوگوں کو؟ کم از کم ناشتہ تو سکون سے کرنے دیں۔ ان کی خیریت پوچھیں گی تب ہی معلوم ہو گا ناں"۔ ماریہ جو ابھی اس طرف آئی تھی ماں کی بات سنتے خفگی

سے بولی۔فاطمہ نے نرم نگاہوں سے ماریہ کو دیکھا، پھر ایک بے تاثر نگاہ لاؤنج کے صوفے پر

بے نیازسے عابد پر ڈالی۔

"تم خاموش رہو۔اس کے ساتھ رہ رہ کر بد تمیزی کرنا سیکھ گئی ہو"۔پھوپھی ریحانہ فوراً

سے اسے ڈپٹ دی۔

"بد تمیزی نہیں،ان کے ساتھ رہ کر میں حق کے لیے بولنا سیکھ رہی ہوں"۔۔ماریہ

بے خوفی سے انھیں دیکھتے ہوئے

بولی۔

"ماریہ"! فاطمہ نے ایک نظر ماریہ کو دیکھا اور اسے روکنے کی کوشش کی، مگر وہ خفگی

بھری نگاہ اس پہ ڈال کر وہاں سے چلی گئی۔

"اب کیا اسے منع کر رہی ہو؟ سارا سیکھایا تو تم نے ہی ہے"۔چچی بیٹی کے تیور پر آگ

بگولہ ہوتے فاطمہ کو غصے سے دیکھی۔

اس گھر کے سارے آداب سارے سارے قانون لگتا تھا صرف فاطمہ کمال پر ہی لاگو

ہوتے تھے۔فاطمہ ناشتہ کیے بغیر ہی ٹیبل سے اٹھ گئی۔

"فاطمہ! ناشتہ تو کرلو"۔عابد کی محبت بھری آواز پر وہ رک گئی۔

"مجھے کیا کرنا ہے، اور کیا نہیں، یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں"۔اس کے ایک جملے نے عابد کو اچھی طرح سب کچھ باور کروا دیا۔

"اور کہو"۔۔چچی طنزیہ ہنسی عابد کی طرف اچھالی۔

"تو اور کیا کہوں؟ عجیب"۔۔کندھے اچکاتے ہوئے وہ دوبارہ موبائل میں گم ہو گیا۔

دادی پھوپھی دوبارہ سے اپنی باتوں میں مشغول ہو گئیں۔

دس منٹ گزرے تھے کہ فاطمہ دوبارہ سیڑھیاں اترتے ہوئے نظر آئی۔فالسے رنگ کا ٹوپیس، پاکٹ چین اور کار گو اسٹائل ٹراؤزر میں وہ بے خوبصورت نظر آرہی تھی۔گلے میں سفید فلورل اسکارف اور کندھے پر گوچی کا سفید ہینڈ بیگ اس کی شخصیت کو مزید نکھار رہے تھے۔سفید پمز اور ہلکے کرل براؤن بالوں میں حسب معمول بو لگا ہوا تھا۔

"اب کہاں جارہی ہو تم؟" دادی سکینہ فوراً سے سوال کر ڈالی۔فاطمہ نے کوفت سے آنکھیں بند کر لیں۔

"علینہ کی اب تک واپسی کیوں نہیں ہوئی؟ کیا آپ جانتی ہیں وہ دو دن سے گھر کیوں نہیں آئی؟"۔فاطمہ خود کو پر سکون کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

Clubb of Quality Content

”تم کون ہوتی ہو میری بیٹی کے بارے میں سوال کرنے والی؟“۔ پھوپھی ریحانہ غصے سے پیچ وتاب کھائی۔

”تم سے جتنا پوچھا ہے اتنا جواب دو“۔دادی سکینہ کے تیز لہجے پر فاطمہ دھیرے سے سر ہلاتی ہنس دی۔طنزیہ ہنسی۔

”سارے سوال جواب تو میرے لیے ہیں۔ خیر،ہاسپٹل جا رہی ہوں،اور کچھ پوچھنا ہے؟“فاطمہ کی سرد نگاہوں کو وہ اپنے اندر اترتا محسوس کر رہی تھیں۔ لیکن دادی سکینہ کی آنکھوں کی تپش زیادہ تھی۔

”کمال آج واپس آجائے گا۔اور ہمیشہ کی طرح اس بار بھی کل پارٹی ہو گی،تو دھیان رکھنا،دوبارہ کوئی اسکینڈل نہیں بنوالینا“۔دادی کا لہجہ کچھ تیز تھا۔حقارت اور تنقید سے دیکھتی ہوئی نظریں فاطمہ کے وجود پر جمی تھیں۔

”ہاں،مجھے تو شوق ہے ان کاموں کا“۔طنزیہ انداز میں کہتی فاطمہ گوگلز لگاتے ہوئے اپنی گیلی ہوتی نیلی آنکھوں کو چھپا گئی۔

”بے فکر رہیں،اس بار نہیں بننے والا“۔بے تاثر انداز میں کہتی ہوئی دروازے کی طرف قدم بڑھ گئی۔

"بالکل اپنی ماں پر گئی ہے"۔۔ریحانہ پھوپھی نفرت سے بولی۔

"صرف شکل ماں پر ہے۔عادت نہیں"۔۔دادی سکینہ گہری سوچ میں گم ہوتی بولی۔

"عادت کس پر ہے؟"۔۔پھوپھی ریحانہ نا سمجھی سے انھیں دیکھی۔

"آفرین مصطفیٰ پر"۔۔ان کی آواز میں نفرت گھل گئی۔

شاہد عباسی کی صبح دوپہر کے ایک بجے ہوئی تھی۔وہ ناشتے کی غرض سے ڈائننگ ٹیبل پر آ کر بیٹھ گئے۔فائزہ عباسی نے ملازمہ کو ناشتہ لگانے کا کہا۔ناشتہ ٹیبل پر لگتے ہی وہ جانے لگیں۔ ناشتہ ہمیشہ وہی سرو کرتی تھیں، مگر آج انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

"فائزہ، طبیعت ٹھیک ہے؟"شاہد عباسی نے اچنبھے سے پوچھا۔ان کی آواز پر وہ رک گئیں۔پلٹیں،اور پھر چلتی ہوئی ان کے پاس آ گئیں۔

"کیا مجھے ٹھیک ہونا چاہیے؟"انہوں نے عجیب سے انداز میں سوال کیا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ڈاکٹر کو بلوا لیتے ہیں"۔ان کے عجیب رویے پر وہ فکرمند ہوئے۔

"فری زبیر کون ہے؟"ان کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

"ماڈل ہے اور کون؟"وہ اس بے تکے سوال کا مقصد سمجھ نہیں سکے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"آپ کی کون ہے وہ؟"ان کی آواز بلند ہوئی۔شاہد عباسی کو معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا۔انہوں نے کانٹا پلیٹ میں رکھا اور سر اٹھا کر سامنے کھڑے ملازمین کو سخت نظروں سے گھورا۔ان کی آنکھوں کا مفہوم سمجھتے ہی ملازمین فوراً غائب ہو گئے۔

"فائزہ، یہاں بیٹھیں"۔انہوں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کرسی پر بٹھانے کی کوشش کی، مگر وہ جھٹکے سے ہاتھ چھڑا گئیں۔

"آپ میرے سوال کا جواب دیں!"

"فائزہ، یہاں بیٹھیں اور پوری بات بتائیں۔فری زبیر کو میں صرف بطور ماڈل جانتا ہوں"۔اس بار انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

فائزہ نے بیٹھتے ہوئے ان کے سامنے ایک لفافہ پھینکا جس میں سے تصویر کا ایک سرا باہر نکلا ہوا تھا۔شاہد عباسی نے ناسمجھی سے تصویر نکالی، مگر نظر پڑتے ہی ان کا چہرہ طیش سے سرخ ہو گیا،اور انہوں نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

"آپ ان تصویروں کو وجہ بنا کر مجھ سے سوال کر رہی ہیں؟"ان کا لہجہ یکدم سرد ہو گیا۔

"تو کیا یہ وجہ کم ہے، شاہد صاحب؟"غصے سے وہ چیخ پڑیں۔

"رکیں، آپ ابھی!"انہوں نے سخت نظروں سے دیکھتے ہوئے ملازمہ کو آواز دی۔

"جی صاحب!"

"ارمان عباسی کو بلا کر لائیں". ان کے حکم پر ملازمہ فوراً سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گئی۔

فائزہ عباسی ارمان کو بلانے پر کشمکش کا شکار ہو گئیں۔

"جی، ڈیڈ، آپ نے بلایا؟" پیشانی پر بکھرے بالوں کے ساتھ آنکھیں مسلتے ہوئے ارمان ان کے سامنے آ کھڑا ہوا، جیسے ابھی ابھی نیند سے جاگا ہو۔

"فری زبیر سے میری کتنی دیر ملاقات ہوئی تھی؟" انہوں نے بیٹے کو دیکھ کر سوال کیا۔

"دس منٹ"۔ اس نے ممی اور ڈیڈی کے تاثرات کو فکر مندی سے دیکھا۔ شاہد عباسی نے ایک جتاتی نظر فائزہ عباسی پر ڈالی۔

"ہمارے درمیان کیا بات ہوئی تھی؟" انہوں نے دوبارہ سوال کیا۔

"بس فارمل سی باتیں تھیں"۔ ارمان اب بھی ان سوالات کے مقصد کو سمجھ نہیں پایا۔

فائزہ عباسی بیٹے کے جوابات پر گہری سانس لے کر رہ گئیں۔

"کیا تم میرے ساتھ پارٹی میں تھے؟ اور کیا ہماری واپسی ایک ساتھ ہوئی تھی؟" ایک اور سوال۔

"جی، ایسا ہی ہے"۔ارمان نے ماں سے اشارے میں معاملہ پوچھنے کی کوشش کی، مگر وہ نظریں چرا گئیں۔

"جاؤ، تم جا سکتے ہو"۔شاہد صاحب کے کہنے پر وہ جانے لگا۔ تبھی اس کی نظریں تصویروں پر پڑ گئیں،اور وہ معاملہ فوراً سمجھ گیا۔

"آپ کو مجھ سے سوال کرنے سے پہلے ان تصویروں کو غور سے دیکھ لینا چاہیے تھا۔یہ ساری تصاویر فوٹو شاپ کی گئی ہیں"۔سخت انداز میں کہتے ہوئے وہ بغیر ناشتہ کیے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

"شاہد، وہ بات..."

"اب ہماری بات بعد میں ہو گی"۔انہوں نے اسے ٹوکتے ہوئے اپنی اسٹڈی کی طرف قدم بڑھایا۔غصے سے اسٹڈی کا دروازہ بند کیا اور میز پر رکھا بیش قیمت گلدان فرش پر دے مارا۔

"یہ تو گلے تک آرہا ہے۔فیملی تک پہنچ کر اچھا نہیں کر رہے،وائے ڈی!"غصے میں بھرے وہ گلدان کے ٹکڑوں کو دیکھ رہے تھے۔پھر موبائل نکال کر ایک نمبر ڈائل کیا۔ طویل انتظار کے بعد کال ریسیو کی گئی۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

"اوہ، آج تو بڑے بڑے لوگ کال کر رہے ہیں"۔ اسپیکر سے طنزیہ آواز گونجی۔

"وائے ڈی، تم فیملی تک پہنچ کر اچھا نہیں کر رہے"۔ غصے سے وہ اس پر چلائے۔

"آں ہاں، شاہد عباسی، غصہ نہیں۔ خمیازہ بھگتنا پڑ سکتا ہے۔ اور جس بارے میں تم بات کر رہے ہو، اس سے میرا کوئی تعلق نہیں"۔ اس نے سرد آواز میں وارننگ دی۔

"یہ کام تمہارے علاوہ کسی اور کا نہیں ہو سکتا"۔ جوتے کی نوک سے گلدان کا ٹکڑا پرے پھینکا۔

"ایسے فلاپ پلان میرے نہیں ہوتے۔ میں جو کرتا ہوں، پکے ثبوتوں کے ساتھ کرتا ہوں۔ آستین میں سانپ تم نے خود پالے ہیں، اور سوال مجھ سے کر رہے ہو"۔ آخر میں اس کا لہجہ پراسرار ہو گیا۔

"تم نے تصویریں نہیں بھیجیں، تو پھر کون بھیج رہا ہے؟ اگر اتنے ہی سورما ہو، تو ایسے جھوٹے کھیل کیوں کھیل رہے؟" ان کی آواز غصے سے بھر گئی۔

"شاید تم نے میری بات غور سے نہیں سنی۔ ایسے فلاپ پلان میرے نہیں ہوتے۔ اگر یہ کام میرا ہوتا تو آج تم خود کو بے گناہ ثابت نہیں کر سکتے تھے۔ اور میں جو کرتا ہوں، ڈنکے کی

Clubb of Quality Content!

چوٹ پر کرتا ہوں۔ میرا الو گواس بات کا گواہ ہے"۔اس نے کرخت لہجے میں کہتے ہوئے کال کاٹ دی۔

شاہد عباسی نے تصویریں اٹھائیں۔ کہیں بھی کچھ بھی نہیں لکھا تھا۔آج تک وائے ڈی کے جتنے بھی کام تھے،ان میں انگریزی کے دو حروف ضرور موجود ہوتے تھے۔

"اگر وائے ڈی نہیں، تو پھر کون بن گیا ہے میرا دشمن؟"۔ان کے چہرے پر فکر کی پرچھائیاں تھیں۔

وہ وائے ڈی کے نام سے ان لوگوں کے درمیان مشہور تھا، جو سیاستدان، سوشل ورکر، اور بزنس مین ہونے کے ساتھ ساتھ اسمگلنگ کے کاموں میں بھی ملوث تھے۔ ورنہ ہر کوئی اسے نہیں جانتا تھا۔

"سر، آج آپ نے اسے اتنے تفصیلی جوابات کیسے دے دیے؟""۔ مراد اس کے ساتھ مخصوص لیب میں موجود تھا جہاں تین چار کمپیوٹر کھلے ہوئے تھے۔ان کے سامنے آپریٹرز بیٹھے تھے۔

''کیونکہ میں خوش ہوں مراد، جب آپ کے دشمن آپس میں ہی منافقت کرنے لگیں تو پھر ان کو ہرانا آسان ہو جاتا ہے''۔اس کی بھوری چمکتی ہوئی آنکھیں کمپیوٹر اسکرین پر مرکوز تھیں۔ مراد اپنے باس سے مرعوب نظر آرہا تھا۔

''مراد، اس کام میں مزید دیر نہیں ہونی چاہیے، جلد از جلد سارا ڈیٹا اکٹھا کرو''۔ دونوں لیب سے باہر آچکے تھے،اور قدم پارکنگ ایریا کی جانب تھے۔

''سر، ان لوگوں کو باہر بھیجوانے سے پہلے ہم انہیں اپنی تحویل میں لے لیں گے''۔ سیاہ لینڈ کروزر کا دروازہ کھولتے ہوئے وہ پریقین لہجے میں بولا۔ فاز عالم نے سر ہلانے پر اکتفا کیا،اسے مراد پر یقین تھا۔ فاز عالم کے بیٹھتے ہی مراد نے تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

گاڑی تیز رفتاری سے سیاہ سڑک پر رواں تھی۔ گاڑی میں سکوت تھا، فاز عالم کی نظریں باہر کی طرف مرکوز تھیں۔ اچانک آنکھوں کے سامنے نیلا سمندر ابھرا، دل جیسے رک کر دھڑکا۔ اپنی اس عجیب کیفیت پر وہ جی بھر کر حیران ہوا۔

''مراد؟''۔

''جی سر؟''۔ فوراً جواب آیا۔

Clubb of Quality Content

”جب کوئی منظر نظروں میں سما جائے اور بار بار اسے ذہن میں لانا اچھا لگے، تو اس کیفیت کو کیا کہتے ہیں؟“۔ فاز عالم کچھ بے چین ساد کھائی دیتا تھا۔

”سر، اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ اس منظر سے محبت ہو گئی ہے“۔ مراد نے بیک ویو مرر سے اپنے باس کو دیکھا۔

"محبت..."اس کے لب ہلے۔

”نہیں۔۔ پسندیدگی بھی ہو سکتی ہے۔ پسندیدہ منظر کو بھی بار بار ذہن میں لانا اچھا لگتا ہے“۔۔ اس نے جیسے خود کے خیالات کی نفی کی تھی۔ مراد اس کے عجیب رویے پر کندھے اچکا گیا۔

فاطمہ اسوقت اپنے آفس میں تھی۔ اپنی کرسی پر بیٹھی وہ سیلری شیٹ وغیرہ دیکھ رہی تھی۔ اچانک ہی اسے ڈاکٹر فارحہ کا خیال آیا جو آج طبیعت خرابی کی وجہ سے آئی نہیں تھی۔۔ کچھ ماہ پہلے گرمیوں کے موسم کا ایک منظر اسے پوری جزئیات سے یاد آیا۔

آفس میں بیٹھی وہ کچھ رپورٹس دیکھ رہی تھی۔ کمرے میں ہلکی سی خاموشی تھی۔ جسے کبھی کبھار باہر سے گزرتے قدموں کی چاپ توڑ دیتی۔ ٹیبل پر رکھی فائلیں بے ترتیب سی

رکھی تھیں۔تب ہی دروازہ ہلکی آواز کے ساتھ کھلا،اور ڈاکٹر فارحہ ،ہمیشہ کی طرح نرم سی مسکراہٹ لیے اندر داخل ہوئیں۔ہاتھ میں چھوٹی سی ٹرے تھی۔جس پر دو پیالیاں تھیں۔ایک کافی کی دوسری چائے کی۔فاطمہ کمال چائے نہیں پیتی تھی۔

"کیسی ہو؟"۔اس کے آگے کافی رکھتی وہ خود بھی بیٹھ گئیں۔تیس سال کی وہ پیاری سی ڈاکٹر تھیں۔

"ٹھیک ہوں"۔اس کا لہجہ انھیں تھکا تھکا سا محسوس ہوا۔

"پریشان ہو؟"۔چائے کا گھونٹ بھرتی وہ نرمی سے استفار کی۔

"ہاں...مجھے سمجھ نہیں آتا یہ میرا وہم ہے یا پھر"۔وہ جملہ ادھورا چھوڑ گئی۔ڈاکٹر فارحہ نے اسے بولنے کا اشارہ کیا۔

"جب جب دادی مجھے دیکھتی ہیں یا بات کرتی ہیں میں انکمفرٹیبل ہو جاتی ہوں۔مجھے نہیں پتہ ،لیکن مجھے ان کی نظریں بے چین کرتی ہیں"۔آنکھوں میں پریشانی لیے وہ انھیں دیکھنے لگی۔

"حسد کی نظریں بے چین ہی کرتی ہیں،فاطمہ"۔ان کی آواز پرسکون تھی۔فاطمہ چونک کر انھیں دیکھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"حسد؟۔۔وہ مجھ سے حسد کیوں کرینگی؟میں تو ان کی پوتی ہوں ناں"۔۔۔ڈاکٹر فارحہ اس کی بات پر مسکرا دی۔کمرے کی کھڑکی سے آتی دھوپ نے ہر چیز کو ایک سنہری روشنی سے نہلا رکھا تھا۔

"حسد رشتوں کو نہیں دیکھتا، فاطمہ۔حسد دوستوں سے ہوتا ہے، رشتہ داروں سے ہوتا ہے، پڑوسیوں سے ہوتا ہے، ساتھ کاروبار کرنے والوں سے ہوتا ہے۔ایک ہی فیلڈ میں رہنے والوں سے ہوتا ہے۔حسد یہ نہیں دیکھتا سامنے والا آپ کا دوست ہے یا رشتے دار، جب یہ آپ کے دل میں اپنی جڑیں مضبوط کر لیتا ہے تو پھر باقی ساری چیزوں کو دھندلا کر دیتا ہے"۔۔ڈاکٹر فارحہ کی بات پر وہ غور سے انھیں دیکھنے لگی۔

"لیکن دادی کیسے کر سکتی ہیں؟"۔۔فاطمہ تذبذب سے گویا ہوئی۔

"جانتی ہو کائنات کا سب سے پہلا جو گناہ ہوا، وہ کس وجہ سے ہوا تھا؟"۔۔ڈاکٹر فارحہ دھیمی مسکراہٹ لیے اس کو دیکھتے ہوئے کہتی جا رہی تھی۔

"حسد کی وجہ سے۔یہی سب سے پہلا گناہ ہے جو آسمان میں ابلیس سے سرزد ہوا اور زمین میں قابیل سے۔شیطان کو حضرت آدم علیہ السلام سے کیا ہوا تھا؟حسد ہی تو ہوا تھا۔قابیل

اور ہابیل کون تھے ؟دو بھائی تھے۔ان کے درمیان بھی حسد ہوا تھا۔حسد اتنی خطرناک بیماری ہے یہ بھائی کو بھائی کا دشمن بنا سکتی ہے“۔۔

”لوگ حسد کیوں کرتے ہیں؟“۔۔فاطمہ کی پیشانی پر تفکر کی لکیریں ابھر آئیں۔اس کے سوال پر وہ مسکرا کر اسے دیکھی۔

”دوسروں کی نعمتوں سے۔حسد کرنے والا دوسروں کی نعمتیں چھن جانے کی تمنا کرتا ہے۔اس کے دل میں آگ لگی ہوتی ہے۔اس کا دل برداشت نہیں کر پاتا دوسروں کی نعمتیں۔وہ دوسروں کو خوش نہیں دیکھ سکتا۔اس کی کامیابی اسے ہر پل جلاتی ہے۔لیکن یہ ان کے دل کے سکون کو ختم کر دیتا ہے۔اور بے چینی کو ساری زندگی کا حصہ بنادیتا ہے“۔۔ڈاکٹر فارحہ کی دھیمی سنجیدہ آواز کمرے میں سنائی دی۔

”ہم ان لوگوں کو روک تو نہیں سکتے جو ہم سے حسد کرتے ہیں۔لیکن ان کی نظروں سے کیسے بچیں؟“۔۔

”اس کے لیے اللہ نے ہمیں قرآن کی عظیم آیات دیں ہیں۔سورۃالفلق کی آخری آیات۔{وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ:اور حسد والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔} یہاں حاسد سے بطورِ خاص یہودی مراد ہیں جو نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے حسد کرتے

تھے یا خاص لبید بن اعصم یہودی ہے۔(خازن، الفلق، تحت الآیۃ: ۵، ۴/۴۳۰)اور عمومی طور پر ہر حاسد سے پناہ کیلئے یہ آیتِ مبارکہ کافی ہے۔۔سورۃ الناس اور سورۃ الفلق یہ دونوں سورۃ بہت فضیلت والے ہیں۔ان کو زندگی کا حصہ بنالو۔اور بے فکر ہو جاؤ کہ کسی حاسد کی نظر تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں"۔۔

"بہت سے لوگ وظیفے کرتے ہیں، تسبیح پڑھتے ہیں۔لیکن پھر بھی وہ پریشان رہتے ہیں۔ایسا کیوں ہوتا ہے؟"۔۔فاطمہ ایک لمحے کی توقف کے بعد پوچھی۔

"بات ساری توکل اور یقین کی ہے فاطمہ۔اگر ہم لبوں سے آیات پڑھ رہے ہیں لیکن دل میں شک وشبہات ہے،تو وہ آیات کیسے اثر کریں گی؟جب ہمارے دل میں خدشات ہونگے،اگر ہماری دعا قبول نہیں ہوئی،اگر میں ناکام ہوگئی۔جب اتنے سارے خدشات اور خوف لیے دعائیں کریں گے،سورۃ پڑھیں گے تو کیا اثر ہوگا؟تم اللہ کی آیات پڑھ رہی ہو اور پھر بھی اگر؟اس کی آیات اور تسبیح کے آگے کوئی بھی چیز وقعت نہیں رکھتی۔تم سو فیصد توکل کے ساتھ پڑھو۔پھر دیکھنا اللہ پاک کہاں کہاں اور کیسے کیسے تمہیں بچاتے ہیں"۔۔۔

اللہ پر توکل اور یقین ان کی آنکھوں میں واضح تھا۔ان آنکھوں میں چمک اور روشنی تھی جو اللہ کی محبت کو اجاگر کرتی تھی۔

''سورۃ الفلق اور سورۃ الناس حاسدوں کی نظر سے بچاتی ہے۔ اللہ نے ہمیں ہر مسئلے کا حل دیا ہے۔ کیا اللہ کے کلام سے بابرکت بھی کوئی چیز ہو گی؟ تم ان کو زندگی کا حصہ بنالو۔ صبح شام۔ ہر نماز کے بعد۔ اللہ پاک تمہاری حفاظت کریں گے۔ اگر اس کے بعد بھی کوئی مشکل آتی ہے تو وہ اللہ کی طرف سے ہو گی۔ آزمائش۔ اور پھر تم تب شکوہ نہیں کرنا۔ صبر سے شکر سے اس وقت کو گزارنا۔ وہ وقت تمہارا امتحان ہو گا۔ تم نے ناشکری کر کے فیل نہیں ہونا۔ بلکہ صبر کر کے رب کو خوش کرنا ہے اور اس امتحان میں سرخرو ہونا ہے۔ صبر کرنے والوں کے لیے اللہ کی طرف سے عظیم اِنعام ہے''۔ ہمیشہ کی طرح وہ شفقت اور نرمی سے اسے سمجھائی تھیں۔ چائے ختم ہوتے اور گفتگو کا اختتام کرتے وہ دوبارہ سے ڈیوٹی پر چلی گئیں۔

فاطمہ بھی حال میں واپس آئی تھیں۔ آج دوبارہ سے اس گفتگو کو تازہ کرتے وہ پر سکون ہو کر مسکرا دی۔ یوں لگا جیسے ابھی ابھی یہ گفتگو ڈاکٹر فارحہ سے ہوئی تھی۔ کمرے کی کھڑکی سے باہر ہسپتال ہے احاطے میں درخت ہوا میں جھوم رہے تھے۔ اور اندر ڈاکٹر فارحہ کے الفاظ فاطمہ کے دل کی گہرائیوں میں اتر رہے تھے۔

"سر، وہ آپ کو مارنے کی پلاننگ کر رہے ہیں"۔ مراد اس کے برابر میں کھڑا تھا، جب کہ وہ اپنے لیپ ٹاپ میں کچھ مصروف تھا، شاید کوئی اہم ڈیٹا دیکھ رہا تھا۔

"کرنے دو۔ مجھے مارنا اتنا آسان نہیں"۔ انگلیاں لیپ ٹاپ کے کیز پر مسلسل چل رہی تھیں۔

"مراد، تم کل اِس لوکیشن پر جاؤ گے اور وہاں کی ساری معلومات حاصل کر کے لاؤ گے"۔ اس نے ایک بنگلے کی لوکیشن اسکرین پر مراد کو دکھائی۔

"سر، یہ تو ہمارے مشن کا حصہ نہیں"۔ مراد نے لوکیشن کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں، لیکن یہ بہت اہم ہے"۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا، جیسے کوئی یاد تازہ ہوئی تھی۔

"سر، ہو جائے گا"۔ مراد نے تابعداری سے جواب دیا۔

"کل ان کے گھر میں ایک پارٹی ہو رہی ہے۔ تم وہاں ویٹر بن کر جاؤ گے اور اپنی آنکھوں اور کانوں کو کھلا رکھو گے۔ ہمیں ہر بات کا علم ہونا چاہیے"۔ وہ آگے کی منصوبہ بندی بتانے لگا۔

"ڈونٹ وری سر۔ ساری معلومات لے کر آؤں گا"۔ سنجیدگی سے کہتے ہوا وہ ایک لمحے کو رک کر اسے دیکھا۔ "سر ایک سوال پوچھ سکتا ہوں؟"۔۔

"پوچھو مراد"۔۔ہاتھ کو آہستگی سے حرکت دے کر بولنے کا اشارہ کیا۔

"آپ کو کیسے پتہ کل ان کے گھر میں پارٹی ہے؟ میرا مطلب ہے ابھی سوشل میڈیا پر بھی ایسی کوئی پوسٹ نہیں"۔۔۔مراد کے سوال پر فاز مسکرایا۔

"اے آئی نے دی ہے رپورٹ۔اور کچھ جاننا ہے؟"۔۔مراد مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔اے آئی کے نام پر ایک مسکراہٹ امڈ آئی۔اے آئی روبوٹ؟ پہلی بار سننے والے کے ذہن میں یہی آتا تھا۔ہر گز نہیں،وہ اور روبوٹ؟ دو متضاد چیزیں۔وہ تو پیارا سا شرارتی سا ایک لڑکا ہے۔

مراد کے جانے کے بعد وہ اپنی جگہ پر بیٹھا اس بنگلے کی تصویر کو گھورنے لگا۔نفرت اس کی آنکھوں میں چمک رہی تھی۔

"میرے وجود سے بے خبر ہیں،لیکن میں نہیں"۔اسکرین پر نظریں ٹکائے دھیمی سی سرگوشی کی۔پیشانی پر گہرے بل پڑ گئے اور سرد آنکھیں اس کے اندر سلگتی ہوئی نفرت کی گواہی دے رہی تھیں۔

"یو ہیو ٹو آنسر می"۔اس نے لیپ ٹاپ کی لڈِ گرا دی اور سائیڈ پر رکھ دیا۔آنکھوں کی سرخی اور بڑھ گئی۔کمرے میں تناؤ بھری خاموشی چھا گئی تھی۔

Clubb of Quality Content

”فاطمہ ! بڑے تایا آ گئے ہیں“۔ماریہ نے کمرے کا دروازہ آہستہ سے کھولا۔اندر فاطمہ کاؤچ پر نیم دراز، لیپ ٹاپ پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔اسکرین پر کوئی ڈرامہ چل رہا تھا،اور اس کی پوری توجہ اسی پر مرکوز تھی۔چار بجے ہی وہ ہاسپٹل سے واپس آگئی تھی۔شام کا وقت تھا، کھڑکی سے آتی نارنجی روشنی کمرے کو نیم روشن کر رہی تھی۔

”میں کچھ کہہ رہی ہوں“۔ماریہ نے اسکرین کے سامنے دونوں ہاتھ رکھ دیے۔

”جانتی ہوں“۔فاطمہ نے آنکھیں اسکرین سے ہٹائے بغیر مختصر جواب دیا اور ماریہ کے ہاتھ ایک طرف کر دیے۔اس کی نظریں دوبارہ اسکرین پر جا چکی تھیں۔

”فاطمہ، پورے پندرہ دن بعد آئے ہیں وہ، مل تو لو“۔ماریہ دکھی ہوتی اسے دیکھنے لگی۔جانتی تھی کہ فاطمہ اپنے بابا سے بے پناہ محبت کرتی تھی، لیکن یہ بے رخی؟ یوں تو وہ خود کو اذیت دے رہی تھی۔

”اُنہیں میری فکر نہیں ہے، ماریہ۔اگر ہوتی، تو وہ آتے میرے پاس۔انہیں معلوم ہے، میں ناراض ہوں۔خیر، تم میری فکر نہ کرو، جاؤ۔ویسے بھی کل فنکشن کی تیاری کرنی ہو گی“۔فاطمہ کی آواز بھاری ہو چکی تھی، وہ کمزور پڑ رہی تھی اس بات کا ادراک ہوتے ہی جلدی سے اس نے خود کو سنبھال لیا۔

"فاطمہ، تم مل لوان سے، اگر نہیں ملی تو، تمہیں ان سے مزید دور کر دیا جائے گا"۔ گہری سانس لیتے، اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے بولی، یہ کہہ کر وہ دروازے کی جانب بڑھ گئی، دروازے کے پاس پہنچ کر اس کی نظریں لمحے بھر کو رکی تھیں فاطمہ پر پھر وہ باہر نکل گئی۔

ویڈیو وہ پاؤز کر دی تھی۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ باہر لان کی روشنی مدھم ہو رہی تھی۔ شام کی خنک ہوا کھڑکی کے پردوں کو آہستہ سے ہلا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد، فاطمہ نے اپنے آنسو ضبط کیے اور اٹھی۔ کوریڈور کے نیم تاریک راستے سے گزرتے ہوئے وہ بابا کے کمرے کی طرف بڑھی۔ دروازے پر دستک دیتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

"السلام علیکم، بابا"۔ وہ دھیرے سے سلام کرتی ان کے قریب جا کر بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی۔

"وعلیکم السلام۔ کہاں تھیں آپ؟"۔ کمال مصطفی نے آہستگی سے اسے اپنا ساتھ لگایا۔ ان کے لہجے میں تھکن بھی تھی اور محبت بھی۔

"میں اپنے بابا سے اکیلے میں ملنا چاہتی تھی، سب کے ساتھ نہیں"۔ اس کی آواز بھاری تھی، لیکن آنکھوں میں آنسو روکنے کی کوشش واضح تھی۔

”فاطمہ! بیٹا، آپ مجھ سے ناراض ہیں؟“۔ کمال مصطفیٰ نے دھیرے سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ اس کی گیلی آنکھیں دیکھنا ان کے لیے مشکل کام تھا۔ اس کی نیلی خوبصورت آنکھیں بالکل ماں کی طرح تھیں۔

”تھیں، اب نہیں ہوں“۔ فاطمہ ان کے آغوش میں آتے ہی پر سکون ہو گئی۔ دیوار پر گھڑی کی سوئیاں آہستہ آہستہ چل رہی تھیں۔

”بیٹا، دادی آپ کے بھلے کے لیے کہتی ہیں۔ ان کی باتوں کو دل پر نہ لیا کریں۔ اپنے اندر نرمی پیدا کریں“۔ وہ نرمی سے سمجھانے لگے، لیکن فاطمہ نے فوراً ان کی بات کاٹ دی۔ جانتی تھی پھر ناراضگی در آنی ہے۔

”بابا، پلیز، ابھی صرف ہماری بات کریں“۔ اس نے سر اٹھا کر کہا۔

"جیسے میری بیٹی کی مرضی۔" کمال مصطفیٰ مسکراتے ہوئے دھیرے سے سر کو جنبش دیے۔ وہ اٹھے اور شاپنگ بیگز نکال کر فاطمہ کو دکھانے لگے۔ اسلام آباد وہ ایک بزنس ڈیل کے لیے گئے تھے۔ وہاں سے کامیاب لوٹنے پر ہمیشہ کی طرح سیلیبریشن ہونی تھی۔

”یہ سب آپ کے لیے خریدا ہے۔ کل کے فنکشن میں آپ یہ پہنیں گی، ٹھیک؟“۔ محبت سے اس کا چہرہ دیکھتے وہ اسے ایک ایک چیز دکھانے لگے۔ فاطمہ بھی سب

بھلائے دھیمی مسکان لیے ہر چیز دیکھ رہی تھی۔ایک بات طے تھی ہر سفر سے واپسی پر کمال مصطفیٰ، فاطمہ کمال کے لیے ڈھیروں شاپنگ کر کے لایا کرتے تھے۔ باپ بیٹی کی باتیں دیر تک چلتی رہیں۔ لمحے بھر کے لیے جیسے ہر دکھ، ہر شکوہ ختم ہو گیا تھا۔ باتوں

باتوں میں فاطمہ ان کے کندھے سے لگ کر سو گئی۔ کمال مصطفیٰ نے گہری سانس لی اور آنکھیں موند گئے۔

"تم انھیں دوبارہ کیوں کھوج رہے ہو؟"۔ کچن کاؤنٹر کے پاس چیئر پر بیٹھے ہاشم ارتضیٰ نے فاز عالم کی طرف متفکر نظروں سے دیکھا۔

"میں اپنا حق حاصل کرنا چاہتا ہوں"۔ فاز عالم کے پیالی میں چائے ڈالتے ہاتھ تھمے، پھر ایک لمحے کے لیے رک کر دوبارہ سے حرکت کرنے لگے۔

"حق؟"۔ ہاشم ارتضیٰ نے نفی میں سر ہلاتے اسے دیکھنے لگے۔ گرم چائے کی خوشبو نے فضا کو مہکا دیا تھا۔

"آپ کیا مجھے ایسا سمجھتے ہیں؟"۔ فاز نے جھٹکے سے سر اٹھایا، دونوں بھنویں ملائے، ملامتی نگاہوں سے انھیں دیکھنے لگا۔

"استاد ہوں تمہارا، جانتا ہوں تم پیسوں کی بات نہیں کر رہے"۔ ہاشم ارتضیٰ اس کے ڈرامے بازی پر اسے گھورے۔

"مجھے گھورے مت، چائے پیئے"۔ فاز عالم ہنستا ہوا ان کے سامنے دھواں اڑاتا ہوا کپ رکھ گیا۔

"احسان کیا آپ نے"۔ طنزیہ انداز کہتے ہوئے کپ ہاتھوں میں تھام لیا۔

"ملک کے خطرناک، سفاک، اور ظالم گینگسٹر نے اپنے ہاتھوں سے آپ کے لیے چائے بنائی ہے، پی لیں"۔ وہ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے شرارتی نگاہوں سے ہاشم ارتضیٰ کو دیکھ رہا تھا۔ اس لمحے اگر لوگ اسے دیکھ لیتے تو شاید نہیں یقیناً وہ اس کے گرویدہ ہو جاتے۔

"زیادہ چوڑے ہونے کی ضرورت نہیں۔ استاد آخر ہم ہی ہیں آپ کے"۔ گھونٹ بھرتے ہوئے ہاشم ارتضیٰ اسے یاد دلانا نہیں بھولے۔ اس کی ہنسی ارتضیٰ مینشن کے کچن میں ایک بار پھر گونجی۔ سفید رنگ کی ڈریس شرٹ، جس کی آستینیں کلائی سے ذرا اوپر موڑی ہوئی تھیں۔ اس کے ساتھ سرمئی رنگ کی پینٹ پہنے، وہ جاذب نظر لگ رہا تھا۔

"اب اگر تم نے مجھے ادھر اُدھر گھما لیا ہو تو کام کی بات پہ آئیں"۔ ہاشم ارتضیٰ نے میٹھے میٹھے طنز میں فاز عالم کو ہنستے ہوئے جتایا۔ ان کا یہ انداز خاص فاز عالم کے لیے ہوتا تھا۔

"سر میری اتنی جرات؟"۔اب بھی وہ باز نہ آیا،ان کے آگے ہمیشہ وہ یونہی ہو جاتا تھا۔سر د پن جیسے کہیں غائب ہو جاتا تھا۔

"میرا نہیں خیال کہ تمہیں اس حق کی اب کوئی ضرورت ہے"۔ہاشم ارتضیٰ نے بالکل سنجیدہ ہو کر استفہامیہ انداز میں کہا۔

"صحیح کہہ رہے ہیں آپ۔ لیکن میرا یہ حق حاصل کرنا در اصل ان کی بربادی ہے،اور میں یہی چاہتا ہوں"۔اس کی سیاہ گہری آنکھوں میں ایک پوشیدہ نفرت کی لہر سی دوڑ گئی۔

"چھوڑ دو،اب کیا فائدہ ان چیزوں کا؟"۔شاید وہ نہیں چاہتے تھے کہ فاز عالم خود کو تھکائے۔چائے کا گھونٹ بھرتے وہ اسے دیکھنے لگے۔

"چھوڑ ہی تو نہیں سکتا،سر۔اتنا بڑا دل نہیں ہے"۔فاز عالم نے اذیت سے ہنستے ہوئے کاؤنٹر پر انگلیاں گھما کر لکیریں کھینچنا شروع کر دیں۔

"دل سے یاد آیا،کہیں محبت کے چکر میں تو نہیں پڑ گئے؟"۔۔ہاشم ارتضیٰ کا لہجہ اچانک ہی مشکوک ہو گیا۔

"سر،آپ مجھ پہ شک کر رہے ہیں؟ایسا کچھ نہیں ہے"۔فاز عالم نے مُسکراتے ہوئے آنکھیں سکیڑ کر اپنی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو خبر یہی ملی ہے کہ کوئی نئے نئے خمار میں ہے"۔ ہاشم ارتضیٰ کی ایکسرے کرتی ہوئی نظریں فاز عالم کے ہر رد عمل کو پڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"اب ایسے تو مت دیکھیں مجھے"۔ فاز عالم نے بے چارگی سے انھیں دیکھا، پھر دانت پیس کر گویا ہوا۔ "ایک بات تو بتائیں، یہ مراد میرا ہی اسسٹنٹ ہے نا یا آپ کا؟" دل میں چاہ رہا تھا کہ مراد سامنے ہو تو ایک مکہ اسے رسید کر دے۔

"ہے تو تمہارا ہی۔ لیکن دیکھ لو، بس اپنی اپنی پرسنلٹی کی بات ہوتی ہے"۔ ہاشم ارتضیٰ ہنستے ہوئے جواب دیے۔

"پرسنلٹی نہیں، سر، پیسے"۔ فاز عالم نے فوراً تصحیح کی۔

"تم بس دوسروں کی تعریف نہ ہونے دینا"۔۔

"بس میں لوگوں کو خوش فہمی میں نہیں دیکھنا چاہتا"۔ بالوں کو ہاتھ سے پیچھے کرتے ہوئے شرارت سے انھیں دیکھا، جو پھر سے پیشانی پر آ گئے تھے۔

"بابا خیریت تو ہے؟ آج ارتضیٰ مینشن کے در و دیوار فاز عالم کی ہنسی سے فیض یاب ہو رہے ہیں"۔ کچن میں داخل ہوتی ہوئی فاریہ ہاشم نے مصنوعی حیرانی سے گویا ہوئی۔

"اب تم نظر مت لگا دینا"۔ فاز عالم نے مصنوعی انداز میں اسے گھورا۔

"میں آپ کو نظر نہیں لگا سکتی۔(نظروں میں جو بسا لیا ہے)..." فاریہ دھیمے لہجے میں فاز عالم کو دیکھ کر بولی۔ آخر کے الفاظ دل میں ہی کہے تھے۔ "یہ آپ کو اتنی فرصت کہاں سے ملی جو یہاں آ گئے؟"۔ وہ بابا کی برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی، اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے۔

"تمہارے بابا ہی مجھے مصروف رکھتے ہیں۔ ان سے پوچھو، آج کیسے کام نہیں دیا؟"۔ فاز عالم نے سارا ملبہ ہاشم ارتضیٰ پر ڈال دیا۔

"بہت اچھے، تم سارے ٹرک مجھ پر ہی آزماؤ"۔ ہاشم ارتضیٰ نے سر کو جنبش دیتے ہوئے ہنسی روکی۔

"چلیں، اب مجھے اجازت دیں، بہت دیر ہو گئی ہے"۔ فاز عالم موبائل چابی ماربل سے اٹھاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"میں ابھی آئی ہوں اور آپ جا رہے ہیں؟"۔ فاریہ نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"ہاں تو بتاؤ اسے، ابھی تو میں نے کوئی کام دیا بھی نہیں"۔ ہاشم ارتضیٰ فوراً بولے۔

"چھوٹی سرکار ہی ایک ضروری کام ہے۔ ورنہ میں رک جاتا۔ اگلی بار جب آؤں تو پہلے مجھ سے مل لینا، پھر کتابوں میں سر کھپانا"۔ فاز عالم نے ہاشم ارتضیٰ کو دیکھا، پھر منانے والے انداز میں فاریہ کو۔

''اب تو مجھے چھوٹی کہنا چھوڑ دیں''۔ بیس سال کی گندمی رنگت والی فاریہ ہاشم لفظ "چھوٹی" پر منہ بنا کر بولی۔

''تم میری چھوٹی ہی ہو''۔ فاز عالم ہنستے ہوئے ہاشم ارتضیٰ سے ملتے ہوئے چلا گیا۔

''فاطمہ، یہ لو''۔ کافی کے دو کپ ہاتھ میں لیے وہ دھیرے سے پول کے پاس آ بیٹھا جہاں فاطمہ خاموشی سے کرسی پر سر ٹکائے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔

''شکریہ، لیکن اس کی ضرورت نہیں تھی''۔

وہ چونک کر سیدھی ہو بیٹھی۔ سرِ شام بابا کے ساتھ سونے کے بعد نیند کا غلبہ تو نہیں تھا، مگر ذہن کچھ بے چین سا تھا۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے اور خاموشی جیسے ہر شے پر غالب تھی۔

''کیا سوچ رہی تھی؟''۔ وہ اُس کے برابر والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے مدھم لہجے میں بولا۔

''کچھ خاص نہیں۔ آج باہر نہیں جانا تھا؟''۔ کافی کے گھونٹ لیتے ہوئے اس نے بے نیازی سے پوچھا۔ عابد کی عادت تھی کہ اکثر رات گئے گھر لوٹتا۔

''جانا تو تھا، لیکن تمہیں یہاں اکیلے بیٹھے دیکھا تو اچھا نہیں لگا۔ اس لیے تمہارے پاس چلا آیا''۔ اس کی آواز میں نرمی اور نگاہوں میں محبت جھلک رہی تھی۔

Clubb of Quality Content

"تمہیں نہیں لگی، لیکن میں خود کو یہاں اکیلی بیٹھی اچھی لگ رہی تھی"۔فاطمہ کے بے ساختہ جواب نے عابد کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ بکھیر دی، جو زبردستی کی لگ رہی تھی۔

"تم صبح اتنے یقین سے کہہ رہی تھی کہ اس بار کوئی اسکینڈل نہیں بنے گا؟"۔اچانک عابد نے سوال داغا۔فاطمہ نے چونک کر اسے دیکھا، پھر استہزایہ انداز میں ہنسی۔سب کو بس ایک ہی فکر تھی، فاطمہ کمال اور اسکینڈل۔

"جب تک اس گھر کی چہیتی علینہ زاہد مجھ سے دور رہے گی، تب تک میرے خلاف کچھ نہیں ہوگا"۔فاطمہ کی بات میں تلخی تھی۔

"علینہ کا یہاں ذکر کیوں؟"۔عابد کے لہجے میں ناپسندیدگی در آئی۔

"جب تم لوگوں کو علینہ کے خلاف کچھ سننا گوارا نہیں، تو اس بارے میں سوال کیوں کرتے ہو؟"۔فاطمہ کے تاثرات سخت ہو گئے۔اس نے کافی کا کپ میز پر رکھ دیا۔

"کل کون سا کلر پہن رہی ہو؟"۔اس کا موڈ خراب ہوتے وہ بات بدل گیا۔

"کیوں پوچھ رہے ہو؟"۔

"یونہی سوچا، ٹوئننگ کر لیتے ہیں"۔داڑھی کھجاتے ہوئے وہ نروس سا گویا ہوا۔

”رشتے ٹوئننگ (twining) سے نہیں، احساس کرنے سے بنتے ہیں، عابد“۔ آواز دھیمی لیکن سرد تھی۔ اپنی بات مکمل کر کے وہ اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئی۔

”عجیب ہی کوئی مخلوق ہے“۔۔ عابد بڑبڑاتے ہوئے سر جھٹک گیا۔

رات کی تاریکی دھیرے دھیرے گہری ہو رہی تھی۔ چاند کی مدھم روشنی سڑکوں پر اُترتی، اُداسی کا ہالہ بُن رہی تھی۔ وہ آج خود گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ گاڑی کی رفتار تیز تھی۔

اچانک موبائل کی رنگ ٹون خاموشی کو چیر گئی۔

اس نے اسکرین پر نمبر دیکھا اور بغیر کسی توقف کے کال ریسیو کر کے اسپیکر پر ڈال دی۔

”ہاں، سلطان، کہو“۔ اس کی توجہ ساری ڈرائیونگ پر تھی۔

”سر، شاید انھیں پہلے سے پتہ چل گیا تھا کہ ہم وہاں حملہ کرنے والے ہیں۔ انہوں نے جگہ خالی کر دی ہے“۔ سلطان کی بات ابھی مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ اس نے غصے سے کال کاٹ دی۔ اور یکدم بریک لگائی۔ اگلے ہی لمحے گاڑی چڑچڑاتی ہوئی آواز کے ساتھ رک گئی۔ کافی وقت سے وہ اس منصوبے پر محنت کر رہا تھا۔ وہ جگہ اور وہاں موجود ہر چیز اس کے قبضے میں ہونی چاہیے تھی۔ مگر زندگی ہمیشہ وہ نہیں دیتی جو چاہا جائے۔

''تمہیں کوئی حق حاصل نہیں ہے خوش ہونے کا۔ جب جب تم ہنستے ہو، ایسی ہی بری خبریں سننے کو ملتی ہیں''۔ اس نے غصے سے اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارا۔

''جب جب تم خوش ہوتے ہو، سب کچھ برباد ہو جاتا ہے''۔ اس کے الفاظ جیسے رات کے اندھیرے میں تیر بن کر چلے۔ اس نے پانی کی بوتل اٹھائی اور ایک ہی سانس میں اسے خالی کر دیا۔ کچھ لمحے بیتے، تو وہ گہری سانس لے کر اپنی سرخ ہوتی آنکھوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ رات کا اندھیرا، سڑکوں کی خاموشی اور دل کی بے چینی اس کے سفر کا ساتھ دے رہے تھے۔

سرخ ہوتی آنکھیں، بھینچے ہوئے جبڑے، وہ تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ راستے میں سلطان سامنے آ گیا۔

''ابھی نہیں، سلطان، بعد میں''۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر سلطان کو کچھ کہنے سے روک دیا۔ سلطان نے خاموشی سے سر ہلایا اور ایک طرف ہو گیا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی طیش کے عالم میں وہ جنونیت سے چیزیں پھینکنے لگا۔ ڈریسنگ پر رکھی چیزیں یہاں تک کہ گلدان بھی دیوار سے جا لگا۔ اور ایسا وہ بہت پہلے تھا۔ پھر اس نے

اپنے اندر بہت ٹھہراؤ لے آیا تھا۔اس کے اینگر ایشوز بہتر ہو گئے تھے۔ مگر بعض اوقات وہ یوں ہی اپنا آپ کھونے لگتا تھا۔پرفیوم کی شیشی چھناک سے زمین پر گری اور ٹوٹ گئی۔خوشبو پورے کمرے میں پھیل سی گئی۔یہ وہی خوشبو تھی جو فاریہ ہاشم نے اسے تحفے میں دی تھی۔محبت سے دیا گیا یہ تحفہ ٹوٹ گیا تھا۔شاید اس کا ٹوٹنا مقدر تھا۔

وہ کمرے سے نکل کر مشترکہ اسٹڈی میں پہنچا۔نظر ٹیبل پر رکھی ہوئی سگار پر پڑی۔تیز قدموں سے وہ ٹیبل تک پہنچا اور ہاتھ سگار کی طرف بڑھا۔مگر بس ایک لمحے کا فاصلہ تھا کہ اس نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ مٹھی بند کرتے ہی اس کے کانوں میں اپنی ماں کی آواز گونجنے لگی۔

”فاز عالم! تمہاری ماں کو یہ سگریٹ اور سگار سخت ناپسند ہیں۔اگر تمہارے دل میں ماں کی ذرا سی بھی محبت ہے تو آئندہ اسے ہاتھ مت لگانا“۔جب وہ انیس برس کا تھا تو اس دوران ہوئے حادثے کا اس نے اس قدر گہرا صدمہ لیا تھا کہ ڈپریشن میں رہنے لگا تھا۔تب پہلی بار اپنے دوست کے اصرار پر سگریٹ کو ہاتھ لگانے والا تھا، مگر ماں نے اسے دیکھ لیا تھا۔اس دن کے بعد اس نے سگریٹ کو ہاتھ نہیں لگایا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

سگریٹ اور سگار تو آج کے دور میں عام سی بات تھی۔ لیکن فاز عالم وہ واحد تھا، جو اپنی ماں کے لیے اس عادت سے دور رہا۔ وہ مٹھی بند کیے ایک قدم پیچھے ہٹا اور بے بسی کے عالم میں صوفے پر جا بیٹھا۔

”کیوں ہوا یہ؟ کیوں؟“۔

آنکھیں بند کیے، سر صوفے کی پشت سے ٹکائے، وہ خود سے سوال کر رہا تھا۔ اچانک موبائل کی وائبریشن نے خاموشی توڑی۔ اس نے جیب سے موبائل نکالا اور اسکرین پر نظر ڈالی۔ ہاشم ارتضیٰ کا پیغام موصول ہوا تھا۔

”پر سکون ہو کر اگلے لائحہ عمل کی تیاری کرو۔ کیا پتہ یہی ہمارے لیے بہتر ہو۔ ایک دروازے کا بند ہونا کئی نئے دروازے کھول دیتا ہے“۔ پیغام پڑھتے ہی لمحے کے لیے وہ پر سکون ہوا۔ پھر وہی سنجیدگی چھا گئی۔ اب سیاہ گہری آنکھوں میں ایک چمک تھی۔ وہی چمک جو فاتح کی آنکھوں میں ہوتی ہے۔ وہ چمک جو ناکامیوں کے بعد نئے عزم کے ساتھ لوٹنے والوں کی آنکھوں میں ہوتی ہے۔

اگلا دن۔ پارٹی کا دن۔ مصطفیٰ مینشن کے لان میں روشنیوں کا ایسا سماں تھا جیسے ستارے زمین پر اتر آئے ہوں۔ ہر طرف برقی قمقمے جھلملا رہے تھے، جو گہرے ہوتے شام کو اپنی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

چمک سے مات دے رہے تھے۔ لان میں سفید رنگ کی کرسیاں نہایت ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں، جن پر خالص سفید پھول سجے تھے۔ ہوا میں خوشبو کا ایک ہلکا سا جھونکا مہمانوں کے دلوں کو راحت بخش رہا تھا۔ یہ شام امیر طبقے کی روایتی شان و شوکت کا مظہر تھی، جہاں ملک کے بڑے بڑے صنعت کار اور سیاست دان موجود تھے، اپنی گفتگو اور ہنسی مذاق میں مشغول۔

اندرونی دروازہ دھیرے سے کھلا اور دو حسین لڑکیاں باہر آئیں، گویا چاندنی رات کے دو چاند نمودار ہو گئے تھے۔ فاطمہ کمال رائل بلیو گاؤن میں، جس پر سنہری کڑھائی کی گئی تھی، گاؤن کے بازوؤں پر سنہری دھاگے سے کی گئی نفاست بھری کڑھائی اور نیچے کی طرف بکھرتے سنہری پھول نہایت جاذبِ نظر لگ رہے تھے۔ فاطمہ کے کندھوں پر گاؤن کا ہلکا سا دوپٹہ تھا جو اس کے انداز کو اور بھی دلکش بنا رہا تھا۔ اس کے بال میسی جوڑے میں بندھے تھے، جس میں سے چند لٹیں اس کے چہرے پر بے ترتیبی سے گری ہوئی تھیں۔ اور چہرے پر ہلکے میک اپ نے اس کی قدرتی خوبصورتی کو مزید نکھار دیا تھا۔ کانوں میں جھلملاتے جھمکے اور سنہری ہلکی چوڑیاں اس کے لباس کے ساتھ مکمل ہم آہنگی پیدا کر رہی تھیں۔

اس کے ساتھ ماریہ ابراہیم پرپل رنگ کی شارٹ فراک اور گولڈن کیپری میں ملبوس تھی۔اس کے لباس کے ساتھ گولڈن دوپٹہ نہایت خوبصورت لگ رہا تھا۔اس کے کھلے بال اور ہلکا میک اپ اس کی معصومیت کو مزید نمایاں کر رہے تھے۔دونوں لڑکیوں نے مہمانوں کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی تھی، بالخصوص فاطمہ کمال کی شخصیت کا وقار سب پر غالب تھا۔

"کتنا سکون ہے نا اس بار ؟"۔فاطمہ دھیما سا مسکرائی۔

"زیادہ دن نہیں رہے گا۔کل پرسوں تک وہ چڑیل واپس آجائے گی"۔ماریہ منہ بنائی۔فاطمہ ہنس دی۔علینہ زاہد، اپنی دوستوں کے ساتھ ایک ٹرپ پر گئی ہوئی تھی۔

"دے آر لکنگ سو بیوٹیفل"۔مہمانوں میں کھڑا فراز شیخ، جو مشہور ایم این اے عدنان شیخ کا بیٹا تھا۔ان کی جانب نظریں کیے ارمان شاہد سے گویا ہوا۔ارمان نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"بٹ دا بلیو ون از سمتھنگ ڈفرنٹ"۔۔اس کی آنکھوں میں بہت سا چمک اتر آیا۔ویٹر جو ارد گرد ڈرنکس پیش کر رہا تھا، ان باتوں کو سنتے ہوئے ہلکی سی ناگواری سے آگے بڑھ گیا۔

"بالکل ٹھیک کہا۔ڈفرنٹ۔تم انھیں دوستی کی آفر کرنا، وہ تمہارے منہ پر ریجیکٹ کرینگی"۔۔ارمان اس کے نادر خیالات سنتا ہنسا۔

"تم کچھ زیادہ بول رہے ہو"۔۔اس کی بات فراز کو ناگوار گزری۔ فراز شیخ کو کون ریجیکٹ کر سکتا تھا۔ بھلا؟

"تو جاؤ اور جا کر خود دیکھ لو۔ میں کتنا زیادہ بول رہا ہوں اور کتنا نہیں"۔۔ارمان اسے کہتا ہوا پاس سے گزرتے ویٹر سے مشروب کا گلاس اٹھا لیا۔

فراز نے اگلے لمحے فاطمہ کمال کی جانب قدم بڑھائے تھے۔ارمان نے تاسف سے اسے دیکھتے نفی میں سر ہلایا۔ پھر خود بھی اس کے پیچھے گیا۔

"ہائے فاطمہ کمال"۔تنے نقوشِ والی لڑکی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"مائے سیلف فراز شیخ"۔اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

"سو واٹ؟"۔اکتاہٹ سے اسے دیکھا۔

"کین وی ٹاک؟"۔اس کا ایٹیٹیوڈ فراز کو ناگوار گزرا۔ فراز کو کوئی اگنور نہیں کر سکتا۔ یہ فراز کا کہنا تھا۔

"ناٹ انٹرسٹیڈ"۔ مختصر انکار کر کے وہاں سے جانے لگی۔

"کیا آپ کے یہاں مہمانوں سے اس طرح پیش آیا جاتا ہے؟"۔ سلگتی نگاہوں سے اس کی پشت کو دیکھا۔ فاطمہ کمال کو رکنا پڑا۔ وہ مسکراتے ہوئے پلٹی۔

”جیسا مہمان ہوتا ہے، اس کے ساتھ بالکل ویسے ہی پیش آیا جاتا ہے۔یہ فاطمہ کمال کا اصول ہے۔اب کون کیا ڈیزرو کرتا ہے؟ یہ تو وہ خود بہتر جانتا ہوگا“۔پر اعتماد سی فاطمہ کمال اپنی بات مکمل کر چکی تھی۔اس کھلی بعزتی پر وہ مٹھیاں بھینچ گیا۔

”ہائے فراز! میٹ مائے فیانسے، فاطمہ“۔فاطمہ کو محبت سے دیکھتے ہوئے پھر فراز کو دیکھا

”اوہ، سو شی از یو فیانسے۔کانگریچولیشن“۔یہ سن کر فراز کی مسکراہٹ دھندلا گئی، ایک نگاہ فاطمہ پر ڈالتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔

فاطمہ نے بے زاری سے عابد کو دیکھا۔یوں تو وہ کبھی اس کے لیے بولتا نہیں تھا۔اور اب بلاوجہ تعارف کروانے آ گیا تھا۔بزدل انسان۔

”کیسی ہو فاطمہ؟“۔ارمان اب مُسکراتے ہوئے اس سے بات کر رہا تھا۔

”میں ٹھیک ہوں۔تم بتاؤ؟۔کافی دن بعد نظر آ رہے ہو“۔نرم مسکراہٹ لیے وہ مدھم لہجے میں بول رہی تھی۔فراز زیادہ دور نہیں گیا تھا۔وہ دونوں مزید باتیں کر رہے تھے۔

”تو اب تم مجھے بتاؤ گی؟ میں کیا ڈیزرو کرتا ہوں اور کیا نہیں“۔اس کے چہرے کے اعضلات تن گئے۔

ارمان سے ابھی سامنا کرنا باقی تھا۔بعزتی کا شدید احساس ہونے لگا۔

"کیا ہوا تمہیں؟"۔۔ارمان تھوڑی ہی دیر میں اس کے پاس چلا آیا۔

"میں نے کوئی فضول بات تو نہیں کی تو اس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟"۔۔۔یہی وہ آ کے الجھ آرہا تھا۔پہلی ملاقات میں ہی وہ ایسا برتاؤ کیوں کی؟۔

"کیونکہ میں نظروں کو پہچاننا جانتی ہوں"۔۔ارمان کے جواب دینے سے پہلے ہی ان کے پاس سے گزرتی فاطمہ کمال سرد لہجے میں بولی۔فراز کو لگا جیسے کسی نے طمانچہ کھینچ مارا ہو۔اور یہی اس کی بس کوئی تھی۔بنا کسی سے ملے وہ پارٹی سے چلے گیا تھا۔۔مدھم موسیقی،روشنیوں میں ڈوبی شام،آہستہ آہستہ چاندنی اترنے لگی تھی۔

"فاطمہ آپ فراز کے ساتھ کیا کر رہی تھیں؟"۔۔احسن اپنے دوستوں سے فارغ ہوا تو فاطمہ کے پاس چلا آیا۔

"کچھ نہیں بس فری ہونے کی کوشش کر رہا تھا"۔۔اس نے سر جھٹکا۔

"اس سے دور رہیں۔وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔دوبارہ اگر وہ آئے یا بات کرنے کی کوشش کرے تو مجھے بتایئے گا"۔۔اس کا بھائیوں سا فکر کرتا ہوا انداز تھا۔فاطمہ کمال بے ساختہ مسکرائی۔وہ چھوٹا تھا۔لیکن تھا تو بھائی۔

"آپ کو اس سے ایسے بات نہیں کرنی چاہیے تھی"۔

گھڑی ایک کا ہندسہ عبور کر چکی تھی۔ گیارہ بجے مہمان رخصت ہوئے تو وہ دونوں بھی تھکن سے چور اپنے کمرے میں آگئی تھیں۔ کمرے میں ہلکی زرد روشنی مدھم ماحول پیدا کر رہی تھی۔

''جو جس طرح بات کرتا ہے اس سے ویسی ہی بات کرنی چاہیے۔ایسے لوگوں سے سختی سے بات نہ کرو تو پھر وہ اپنی لمٹ کراس کرنے لگتے ہیں''۔فاطمہ کمال پر سکون تھی مطمئن تھی۔ لیکن ماریہ ابراہیم اس کے برعکس پریشان۔ کپڑے تبدیل کر کے وہ دونوں کمبل میں دبکی ہوئی تھیں۔

''لیکن پھر بھی اگر اس نے کچھ الٹا سیدھا کر دیا تو؟''۔۔ماریہ دبے دبے لہجے میں تشویش کا اظہار کی۔ آج وہ فاطمہ کے کمرے میں ہی ٹھر گئی تھی۔

''فکر مت کرو ماریہ، وہ کچھ نہیں کرے گا''۔۔اس نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ تسلی دی۔ماریہ نے ہلکے سے سر کو جنبش دی۔ لیکن بے چینی پھر بھی کم نہ ہوئی۔

''زیادہ سوچو مت.. سو جاؤ صبح اٹھنا بھی ہے''۔۔اسکے ہاتھ کو تھپتھپاتی وہ مسکرائی۔

''اللہ آپ کو بہت سی خوشیاں دے فاطمہ''۔ماریہ بے ساختہ جذباتی ہوتی اس کے گلے لگی۔

''تمہیں بھی ماریہ''اس کے خلوص پر اسے ٹوٹ کے پیار آیا۔اس کی مخلص دوست اور سب سے پیاری کزن تھی۔

نیا دن، نئی امنگیں، نئے خواب۔ سردیوں کی دھوپ نے زمین پر نرم روشنی کی چادر بچھا دی تھی۔ دھوپ کی ہلکی گرمائش اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے دل کو سکون بخش رہے تھے۔ کمرے کی کھڑکی سے باہر کا منظر زندگی کی سرگوشیوں سے بھرا ہوا تھا۔ دھوپ کے سنہری ذرات درختوں کی پتلی ٹہنیوں پر چمک رہے تھے، اور ہلکی دھند فضا میں ایک خوابناک کیفیت پیدا کر رہی تھی۔

فاز عالم کھڑکی کے قریب کھڑا خاموشی سے باہر کے مناظر میں کھویا ہوا تھا۔اس کی نظریں اس چڑیا پر تھیں جو تین روز پہلے زخمی حالت میں زمین پر گری تھی۔ وہ ننھی جان ہر روز پرواز کی کوشش کرتی۔ لیکن ناکام ہو جاتی۔ آج بلآخر کامیاب ہو گئی تھی۔ چڑیا کی پہلی اڑان کو دیکھ کر فاز کے لبوں پر مسکراہٹ در آئی۔ وہ منظر گویا اس کے دل میں نئی روشنی جگا گیا تھا۔

''زندگی بھی شاید یوں ہی ہے۔ گرنا، سنبھلنا اور پھر اڑنا''۔اس نے خود کلامی کی۔ وہ چڑیا اس کے لیے ایک سبق تھی، ایک پیغام۔ بلندیوں تک پہنچنے کے لیے گرنے سے ڈرنا نہیں

چاہیے۔ کھڑکی سے داخل ہوتی ہوا کے نرم جھونکے پردوں کو ہلا رہے تھے۔ فاز نے ایک عزم کے ساتھ اٹھ کر باتھ روم کا رخ کیا اور کچھ دیر بعد آئینے کے سامنے کھڑا اپنی تیاری مکمل کرنے لگا۔ سیاہ شرٹ پر گرے کوٹ، بائیں کلائی میں سلور رنگ کی گھڑی اور گلے میں لٹکتی ہوئی چمکتی سلور چین۔ بھوری رنگ کی آنکھیں آئینہ میں اپنا عکس دیکھ رہی تھیں۔ کمرے سے باہر آکر اُس نے سلطان کو آواز دی

"میرے لیے چائے کا کہو، اور پھر اسٹڈی میں آؤ"۔۔ اسے سنجیدگی سے کہتے ہوئے اسٹڈی میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد سلطان حاضر ہوا۔

"جی سر"۔

"بیٹھو سلطان"۔ فاز نے سامنے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

"تمہیں کب معلوم ہوا کہ وہ جگہ خالی ہو چکی ہے؟"۔ فاز نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"سر، آپ کو بتانے سے دو گھنٹے پہلے ہی معلوم ہوا تھا"۔ فاز کی نظریں سلطان پر جمی تھیں۔

"یہ بات ہمارے درمیان سے کیسے نکلی؟ یہ معلوم کرو۔ سمجھ گئے؟"۔

"جی سر، میں پتہ لگا لوں گا"۔ سلطان نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"حارث اور قیصر سے کہو کہ ٹیم ورک کریں اور فوراً پتہ لگائیں کہ ان کا اگلا ٹھکانہ کہاں ہو سکتا ہے۔ ہر حال میں ہمیں وہاں کی معلومات چاہیے"۔ اتنے میں فاز کی نظر اندر آتے ہوئے مراد پر پڑی۔ اُس نے سلطان کو جانے کا اشارہ کیا اور مراد کی طرف متوجہ ہوا۔

"ہاں مراد، کیسی رہی پارٹی؟"

"سر، آپ تو ایسے پوچھ رہے ہیں جیسے میں دعوت پر گیا تھا۔ ویٹر بن کر کیا مزے کرتا"۔ مراد شکایتی نظروں سے اسے دیکھا۔ فاز نے مسکراہٹ دبانے کی کوشش کی۔

"ویسے ویٹر کی نوکری تم اچھی کر لیتے ہو۔ خیر، رپورٹ بتاؤ"۔

"سر، آپ تعریف نہ کیا کریں"۔ وہ جل کر بولا۔ فاز مسکرا دیا اور اسے بولنے کا اشارہ کیا۔

"رپورٹ زیادہ خاص نہیں، بس کچھ فیملی ممبرز کے تعارف تک محدود رہی"۔ مراد تفصیل بتاتا گیا اور فاز غور سے سنتا رہا۔

"تو لوکیشن وہی ہے؟" فاز نے گہری سوچ میں کہا۔

"جی، سر۔"

"ٹھیک ہے، اب جب یہ کنفرم ہو گیا ہے تو کل میں خود جا کر دیکھوں گا"۔

"آپ؟" مراد حیرانی سے بولا۔

"ہاں، میں۔اور ہاں، اُس معاملے کو جا کر دیکھو اٹیک کرنے سے پہلے ہی بگڑ گیا"۔

"جیسا آپ کا حکم، سر!" مراد چلا گیا، اور فاز ایک بار پھر گہری سوچ میں گم ہو گیا۔

"وہ جو مال تھا، وہ بحفاظت پہنچا دیا؟". فاخر سلمان نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے سوال کیا۔آج پھر وہ سب ان کے مخصوص فلیٹ میں جمع تھے، جو شاہد عباسی نے خفیہ ملاقاتوں کے لیے لیا تھا۔فلیٹ کی خاموشی میں صرف ان کی دھیمی آوازیں گونج رہی تھیں، اور دھندلے بلب کی روشنی دیواروں پر بے جان سائے بنا رہی تھی۔باہر سرد ہوا کی سرسراہٹ اور کبھی کبھار گاڑی کے ہارن کی آواز ماحول کی سنگینی کو مزید گہرا کر رہی تھی۔

"کہاں فاخر؟ پتہ چلا کہ وہ اٹیک کرنے والا ہے، تو جگہ تبدیل کرنی پڑ گئی۔ابھی ایک دو دن محتاط رہنا ہو گا"۔ حمید صاحب نے بیزاری سے کہا، ان کی باتوں میں بھی موسم کی خنکی گھل گئی تھی۔

"ایک تو یہ، اس کو تو سب کچھ تیار چاہیے۔ساری محنت ہم کرتے ہیں اور آخر میں یہ ہم سے چھین لیتا ہے"۔شاہد صاحب کے لہجے میں تنفر کی جھلک واضح تھی۔

"دیر کی تو ادھر وہ انگریز جان کو آجائے گا"۔فاخر نے فکر مند انداز میں کہا، اس کی آنکھوں میں اندیشوں کے بادل چھائے ہوئے تھے۔

"بس ایک دن کی بات ہے، ہو جائے گا"۔ ذوہیب نے پر سکون لہجے میں انہیں تسلی دی۔

"تم یہ بتاؤ، پتہ لگی کوئی اس کی کمزوری؟"۔ فاخر نے تمسخر اڑاتے ہوئے ذوہیب سے پوچھا۔ ذوہیب نے غصے سے بھرپور نظروں سے اسے دیکھا۔

"آپ کو ابھی یہ سب مذاق لگ رہا ہے؟ وقت آنے پر دیکھ لیجیے گا"۔ وہ غصے میں اٹھ کھڑا ہوا، اور لمبے ڈگ بھرتا ہوا فلیٹ سے نکل گیا۔ دروازہ بند ہونے کی آواز فلیٹ کی خاموشی میں گونج گئی۔

"یہ کیا کرتے ہو، فاخر؟ جوان خون ہے، جوشیلا ہے۔ تم دیکھنا، بہت کام آئے گا یہ ہمارے۔ تھوڑا تحمل سے کام لو"۔ حمید صاحب نے نرمی سے فاخر کو سمجھایا، بھڑکتے ہوئے الاؤ کو مدھم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔۔

"صحیح کہہ رہا ہے، حمید۔ ساتھ میں ناتجربہ کار بھی ہے۔ اُس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو اپنے تجربے سے"۔ شاہد صاحب کی نظریں فاخر پر جمی تھیں۔ وہ جانتے تھے فاخر سلمان کو ذوہیب پسند نہیں۔ فلیٹ کے باہر سرد ہوا کی سرگوشیاں ایک نئی کہانی سنا رہی تھیں، اور اندر یہ لوگ اپنی دنیا کی شطرنج کے مہرے ترتیب دینے میں مصروف

تھے۔

"سر، یہ ہے وہ گھر"۔

سیاہ رنگ کی لینڈ کروزر خوبصورت سے بنگلے سے کچھ فاصلے پر رک گئی۔ گاڑی کا شیشہ نیچے کرتے ہوئے اُس نے ایک طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بنگلے کو دیکھا۔ بنگلہ شام کی سنہری روشنی میں نہایا ہوا تھا۔

مگر جیسے ہی اُس کی نظر اوپر گئی، وہ لمحہ بھر کے لیے چونک گیا۔ طنزیہ مسکراہٹ آہستہ آہستہ ایک دلفریب مسکراہٹ میں بدل گئی۔ بنگلے کی چھت پر، ٹیرس کے کنارے، نیلی آنکھوں والی ایک لڑکی کھڑی تھی۔ وہ لڑکی اداس شام کا ایک خاموش حصہ معلوم ہوتی تھی۔ اس کے ہلکے کرل، بھورے رنگ کے بال ہوا کے سنگ جھوم رہے تھے۔ حسین منظر، آنکھوں کو خیرہ کر دینے والا۔

"یہ کون ہیں؟"۔ اُس نے اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

"سر، یہ فاطمہ کمال ہیں"۔ مراد نے ایک نظر لڑکی پر ڈالی اور جواب دیا۔

"فاطمہ کمال"۔ اُس نے زیرِ لب نام دہرایا، گویا لفظوں کو محسوس کر رہا تھا۔

"تو آپ بھی اس گھر کی مکین ہیں"۔ اس کی نظریں پھر سے لڑکی پر جم گئیں۔

"چلو"۔ایک آخری نگاہ اُس نے فاطمہ پر ڈالی،اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔

فاطمہ کمال کو یہ خبر بھی نہ تھی کہ کوئی خاموش نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔وہ ٹیرس پر کھڑی اپنے خیالوں میں گم،اداسی کے ساتھ شام کے منظر کو تک رہی تھی۔ہوا کی سرگوشیاں اور اس کے بالوں کا اُڑتا ہوا جادو اُس لمحے کو ایک خوابناک کیفیت بخش رہے تھے۔

دو روز بعد۔۔

آج وہ خوش تھا۔سرشاری کی کیفیت دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی۔ان کا دوسرا ٹھکانہ اس نے کامیابی سے حاصل کر لیا تھا۔اس بار بغیر کسی کوتاہی کے،مکمل تیاری کے ساتھ رات کی تاریکی میں اٹیک کیا تھا اور سب کچھ اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔اس کی سب سے بڑی کامیابی وہ لڑکیاں تھیں،جو ان کے گھناؤنے مقاصد کا مرکز تھیں۔

"سکسیس فل"۔اس نے مسکراتے ہوئے ایک نمبر پر پیغام بھیجا۔

"مینی مور"۔چند ہی لمحوں میں جواب آیا۔

وہ بیڈ پر لیٹ چکا تھا۔آنکھیں بند کیے سکون کی گہرائیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔اچانک نیلی آنکھوں والی لڑکی کا چہرہ اس کے خیالوں میں ابھرا۔اس نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔

"فاطمہ کمال... دلکش"۔ وہ زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔ اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرتا، گہری سوچ میں تھا۔ فاطمہ کمال کا نام آتے ہی بہت سی باتیں تازہ ہوتی تھیں۔ موبائل کی گھنٹی نے اسے چونکا دیا۔ فاریہ ہاشم کا پیغام تھا۔

"کانگریچولیشنز، گینگسٹر جی"۔

ساتھ ایک ہنستا ہوا اور دل والا ایموجی بھی تھا۔

"شکریہ، چھوٹی"۔ وہ مسکراتے ہوئے جواب دے چکا تھا کہ اگلے ہی لمحے فاریہ کی کال آ گئی۔

"چھوٹی مت کہا کریں آپ مجھے"۔ خفگی سے بھرپور آواز سن کر وہ ہنس پڑا۔

"تم میری چھوٹی ہو تو وہی کہوں گا نا"۔

"اب میں بڑی ہو چکی ہوں"۔ آئینے میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے فاریہ نے کہا۔ بیس سال کی گندمی رنگت، مناسب قد، اور پونی ٹیل میں بندھے ہوئے بال۔ وہ ایک خوبصورت جوان لڑکی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

”بھلے ہی بوڑھی ہو جاؤ، تم میرے لیے چھوٹی ہی رہو گی“۔اس کی ہنسی نے فاریہ کو مزید غصہ دلایا، اور وہ جھنجلا کر کال کاٹ چکی تھی۔فاز عالم نے مسکراتے ہوئے ایک مسیج ٹائپ کرتے فاریہ کے نمبر پر بھیجا۔

”فاز عالم کی چھوٹی ہو تم، ابھی نہیں، بچپن سے، اور یہی رہو گی“۔فاریہ دوسری جانب یہ پیغام پڑھ کر مسکراتی رہی۔"فاز عالم کی چھوٹی"۔اب یہ لفظ اسے برا نہیں لگ رہا تھا، بلکہ دل کو بھانے لگا تھا۔

”آپ یہ گینگسٹر گری کب چھوڑیں گے؟“اس نے نیا پیغام بھیجا۔

”یہ میری زندگی کا حصہ ہے“۔

”لیکن یہ خطرناک ہے“۔فاریہ کے الفاظ میں فکر نمایاں تھی۔

”میں خطروں سے کھیلنے کا عادی ہوں۔ڈونٹ وری۔گڈ نائٹ۔نو مور میسجز، پلیز“۔اس کا آخری پیغام پڑھ کر فاریہ نے موبائل رکھ دیا۔وہ جانتی تھی کہ اب مزید پیغامات بھیجنا بے کار تھا۔فاریہ مسکراتے ہوئے تکیے میں منہ چھپا کر لیٹ گئی۔

”ویٹ... کیا آپ فاطمہ کمال ہیں؟“۔

ہرے رنگ کے لباس میں ملبوس لڑکی اس آواز پر رُک گئی۔"جی؟"۔پلٹ کر سوالیہ نگاہوں سے سامنے کھڑے نوجوان کو دیکھا۔سامنے والے کی نظریں اس کی کلائی پر بندھی گھڑی پر جمی تھیں۔سیاہ رنگ کی نازک گھڑی اس کی کلائی پر خوب جچ رہی تھی،وقت بھی اس کے حسن کے سحر میں قید ہو گیا تھا۔

"آپ سے کچھ بات کرنی ہے"۔

نوجوان نے بھورے رنگ کی جیکٹ کے نیچے سیاہ ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔دھوپ اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی،جس سے اس کے نقوش مزید جاذب نظر ہو رہے تھے۔

"میں آپ کو نہیں جانتی،اور اگر کوئی خاص بات ہے تو یہی کہہ دیجیے،ورنہ گڈ بائے"۔فاطمہ نے سنجیدگی سے جواب دیا اور اس کے گلے میں جھولتی زنجیر پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرے پر ناگواری کی جھلک آ گئی۔

"آپ مجھے نہیں جانتیں،مگر میں آپ کو جانتا ہوں۔آپ کی ہر بات۔اور بات تو اہم ہے،لیکن یوں راہ چلتے نہیں کی جا سکتی"۔وہ تھوڑا جھک کر پراسرار لہجے میں بولا۔

''مسٹر، آپ میرے بارے میں کیا جانتے ہیں، کیا نہیں۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ لیکن آئندہ میرا راستہ روکنے کی غلطی مت کیجیے گا''۔ فاطمہ نے غصے سے انگلی اٹھاتے ہوئے اسے وارننگ دی۔

''آئی وانٹ یو ان مائی لائف''

وہ لڑکی جو اپنے ڈیپارٹمنٹ کی جانب بڑھ رہی تھی، اس جملے پر تھم گئی۔ اس کی گھمبیر آواز اور الفاظ اس کے قدموں کو زنجیر کر گئے تھے۔

''کیا آپ ہوش میں ہیں؟ آئندہ مجھ سے اس قسم کی بکواس مت کیجیے گا اور اپنی شکل بھی مت دکھانا''۔ اس نے پلٹ کر غصے سے کہا۔ آنکھوں میں اشتعال تھا۔

''میں مکمل ہوش و حواس میں ہوں، فاطمہ کمال۔ یہ بات میں ہر کسی سے نہیں کہتا۔ باقی، آپ سوچیے گا''۔

وہ دھیرے سے بولا اور پلٹ کر چلا گیا، دھیما سحر زدہ کرتا انداز۔ لیکن فاطمہ کمال وہیں کھڑی رہی۔

''یہ کون تھا؟ کیا فراز نے اسے بھیجا ہے؟''۔ فاطمہ الجھ چکی تھی۔ اس کے قدم خود بخود ڈیپارٹمنٹ کی جانب بڑھنے لگے۔

''فاطمہ، یہ تم اس بندے کے ساتھ کیا کر رہی تھی؟''۔

بسمہ نے اچانک سوال کیا تو فاطمہ چونک گئی۔

''کس بندے کے ساتھ؟''۔فاطمہ نے حیرت سے پوچھا۔

''وہی جس سے تم بات کر رہی تھی ابھی''۔بسمہ نے وضاحت دی۔

''اوہ، وہ! مجھے خود نہیں معلوم۔راستہ روک کر عجیب عجیب باتیں کر رہا تھا''۔کلاس میں پہنچ کر دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔

''تمہیں پتہ ہے وہ کون ہے؟''۔بسمہ نے فکرمندی سے پوچھا۔

''نہیں، مجھے کیسے پتہ ہوگا؟''۔فاطمہ نے بےزاری سے جواب دیا اور رجسٹر نکالنے لگی۔

''وہ یوں تو ایک بزنس مین ہے، لیکن اصل میں وہ گینگسٹر ہے''۔۔بسمہ کا انداز سرگوشیانہ تھا۔فاطمہ کے ہاتھ رک گئے۔

''وائے ڈی کہتے ہیں اسے۔اس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ کسی کے پاس خود نہیں جاتا،لوگ اس کے پاس آتے ہیں۔لیکن جس کے پاس وہ خود جاتا ہے، تو پھر اسے اپنے پاس سے جانے نہیں دیتا''۔

بسمہ کی بات سن کر فاطمہ نے بےیقینی سے اسے دیکھا۔آنکھوں میں پریشانی جھلکنے لگی۔

"یہ تمہیں کیسے معلوم؟"۔

"میرے ماموں پولیٹیکز میں ہیں۔ان سے یہ سب معلوم ہوا ہے۔"۔فاطمہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

"وہ میرے پاس کیوں آیا؟جب کہ میں اسے جانتی بھی نہیں؟"۔اس نے سر پکڑ لیا۔

"اسی لیے تو میں نے تمہیں یہ سب بتایا۔تمہیں محتاط رہنا ہوگا اور اپنے گھر والوں کو اس بارے میں بتادو"۔

بسمہ نے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے مشورہ دیا اور اپنی دوست کے پاس چلی گئی۔فاطمہ خالی نظروں سے سامنے دیکھتی رہی۔

"گھر والوں کو بتادوں؟وہ تو پہلے ہی موقع کی تلاش میں ہیں کہ کچھ ہاتھ لگے اور سب برباد ہو جائے"۔

دل کے اندر گھٹن بڑھنے لگی۔کلاس روم سے نکل کر وہ گرلز واش روم چلی گئی۔ٹھنڈے پانی سے چہرہ دھونے لگی،مگر دل کا بوجھ نہ ہلکا ہوا۔آخر کار ضبط ٹوٹ گیا،اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔وہ خود کو کتنا اکیلا محسوس کر رہی تھی،یہ احساس دل چیر رہا تھا۔وہ اکیلی تھی۔اور یہ بات اسے تکلیف دے رہی تھی۔

"کمال، فاطمہ کی شادی کا کیا سوچا ہے تم نے؟ ماریہ کو بھی اس کے گھر کا کرنا ہے"۔

رات کے کھانے کی میز پر سب لوگ موجود تھے۔ دادی سکینہ نے موقع دیکھ کر اپنی بات کہی، کیونکہ کمال صاحب گھر پر کم ہی ہوتے تھے۔ ہر طرف کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو پھیل رہی تھی۔ چکن کے ٹکرے، پلیٹوں میں سجے سالن کی مہک، اور ٹکروں میں تقسیم ہوتے نان کی خوشبو۔

"مجھے تو کوئی مسئلہ نہیں ہے"۔

چکن کا پیس منہ میں ڈالتے ہوئے کمال صاحب نے کہا۔ فاطمہ کی نظریں بے چینی سے ان کی طرف اُٹھیں۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ پھر اس کی نظریں عابد سے ملی جو مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔

"آئی وانٹ یو ان مائی لائف"۔

ایک بھاری، گھمبیر آواز اس کے کانوں میں گونجی، دل کی دھڑکن ایک لمحے کے لیے تھم گئی۔

"بابا، لیکن میں پڑھائی مکمل کرنا چاہتی ہوں پہلے"۔ فاطمہ کی آواز بے ساختہ نکلی۔

Clubb of Quality Content!

"بڑے باتیں کر رہے ہیں، فاطمہ۔ لڑکیاں اپنے شادی کے معاملے میں نہیں بولتی۔ آج تک خاندان کی کسی لڑکی نے اپنی شادی کے معاملے میں کچھ کہا؟"۔۔ پھوپھی ریحانہ بظاہر میٹھے دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھیں، لیکن ان کی چبھتی نگاہیں فاطمہ محسوس کر رہی تھی۔ ان کی شخصیت کے دو رخ۔ کمال مصطفیٰ کے سامنے کچھ۔ ان کے پیچھے کچھ۔ فاطمہ سر جھٹک گئی۔ ان کی بیٹی ویسٹرن لباس میں اکیلے نا جانے کہاں کہاں گھوم کر آ جائے، تب روایات یاد نہیں آتی تھی ان کو۔ ایک نظر ٹیبل پر بیٹھی علینہ زاہد پر ڈالی۔ جو گھٹنوں تک آتی ٹاپ اور جینز میں ملبوس تھی۔ ڈوپٹہ ندارد۔ فاطمہ طنزیہ مسکرائی۔ دو نظریے۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ فاطمہ کی پڑھائی مکمل ہو جائے پھر کوئی تاریخ رکھ لینگے۔ اماں ویسے بھی چھ ماہ باقی ہیں"۔۔ بیٹی کی امید بھری نگاہیں وہ محسوس کر چکے تھے۔ فاطمہ نے سکون کا سانس لیا۔

"کمال۔ فاطمہ گھر میں ہی تو رخصت ہو گی۔ شادی کے بعد بھی پڑھائی ہو جائے گی۔ میں تمہیں زور نہیں دیتی لیکن ماریہ کا اچھے خاندان سے رشتہ آیا ہے۔ عابد اور فاطمہ بڑے ہیں۔ تو

میں چاہتی ہوں ان کی شادی پہلے ہو۔ پھر ماریہ کی"۔۔فاطمہ انھیں دیکھ کر رہ گئی۔اتنا میٹھا لہجہ ؟دادی سکینہ ہی تھیں ناں ؟لیکن وہ کیوں حیران ہو رہی تھی۔ ہمیشہ ایسے ہی تو ہوتا تھا۔

"اگر ایسی بات ہے تو پھر ٹھیک ہے، آپ لوگ شادی کی تیاری شروع کریں۔ ٹھیک ایک مہینہ بعد رخصتی رکھ لیتے ہیں"۔۔

کمال صاحب کرسی سے اُٹھتے ہوئے گویا ہوئے، اور فاطمہ ان کی طرف بے یقینی سے دیکھتی رہی۔ایسی ہی بے یقینی ماریہ کی آنکھوں میں بھی تھی۔اور دونوں کی آنکھوں میں ایک خاص نوع کا خوف چھپ گیا تھا، جیسے تقدیر کے پیچیدہ دھاگے کا ایک نیا راز ان پر کھلنے والا ہو۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

محبت فاتح ٹھہری

عائشہ اصغر

قسط۳

کمرہ دھیمی روشنی میں ڈوبا ہوا تھا۔ کھڑکی سے آتی ہوا نے پردوں کو ہلکا سا سرکایا تو مدھم چاندنی کمرے کے فرش پر پھیل گئی۔ گہرے نیلے رنگ کے چیسٹر فیلڈ صوفہ پر، کمال مصطفی بیٹھے ہوئے تھے۔ لیپ ٹاپ کی اسکرین روشن تھی اور اسکرین پر جی میل کا انٹرفیس دکھائی دے رہا تھا۔

"بابا، میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی"۔ باہر درختوں کی سرسراہٹ کمرے کے سکوت میں ایک غیر مرئی ساز پیدا کر رہی تھی۔ ان میں فاطمہ کی دھیمی آواز بھی شامل ہو گئی۔

"کیوں نہیں کرنا چاہتی؟"۔ بابا نے ایک لمحے کے لیے لیپ ٹاپ کی اسکرین سے نظریں اٹھائیں۔

"مجھے اپنی ڈگری مکمل کرنی ہے"۔ فاطمہ نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ دونوں انگلیوں کو آپس میں پھنسائے وہ بے چین سی تھی۔

"پڑھائی شادی کے بعد بھی ہو سکتی ہے، فاطمہ۔ ماریہ کے لیے ایک اچھا رشتہ آیا ہے، اور وہ لوگ دو ماہ میں شادی کرنا چاہتے ہیں۔ میں اماں کو انکار نہیں کر سکتا"۔ وہ سنجیدگی اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔

"لیکن بابا...."اس کے چہرے پر عجیب سی بے بسی چھا گئی۔

"بیٹا اگر اس کے علاوہ کوئی اور بات ہے تو بتائیں؟ اور اگر صرف یہی وجہ ہے تو پریشان نہ ہوں، آپ اپنی ڈگری بھی مکمل کرینگی اور ہاسپٹل کی مینجمنٹ کو بھی ویسے ہی سنبھالیں گی جیسے اب تک کر رہی ہیں۔ کوئی آپ کو روکے گا نہیں"۔۔انہوں نے ہتھیلی اس کے سامنے کی تو فاطمہ تھام گئی۔اس کے ہاتھ کو تھامتے نرم سا دباؤ ڈالے تو فاطمہ مدھم سا مسکرا دی۔

"کھڑکی بند کرتے ہوئے جائیے گا"۔ فاطمہ سر ہلا کر کھڑکی بند کرنے کے لیے آگے بڑھی۔ پھر خاموشی سے ان کے کمرے سے نکل آئی۔ کہنے کو جیسے کچھ بچا نہیں تھا۔اب اس کا رخ ماریہ کے کمرے کی جانب تھا۔

ماریہ کے کمرے کا دروازہ دھاڑ سے کھلا۔بیڈ پر لیٹی ہوئی ماریہ چونک کر اٹھ بیٹھی۔ کمرے میں خوابیدہ ماحول تھا۔

Club of Quality Content

"ماریہ ابراہیم! تم مجھے پہلے نہیں بتا سکتی تھی؟"۔فاطمہ کے لہجے میں غصہ تھا،اور آنکھوں میں شکوہ بھی۔

"کیا بتاتی میں آپ کو؟"۔ماریہ تھکن بھرے لہجے میں سوال کی۔اس کے بیڈ کے ساتھ ایک نرم گدیلہ قالین بچھا تھا۔فاطمہ چلتی ہوئی نرم قالین پہ آکھڑی ہوئی۔

"تمہارا رشتہ آیا ہے اور تم نے مجھے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا؟"فاطمہ کا لہجہ شکایتی تھا۔

"مجھے خود نہیں معلوم تھا،تو آپ کو کیسے بتاتی؟ یہ اچانک جو بم گرا ہے،وہ صرف آپ پر نہیں، مجھ پر بھی گرا ہے"۔فاطمہ نے اسے غور سے دیکھا۔وہ بیڈ پر سمٹ کر بیٹھی ہوئی تھی۔اس کے گہرے سیاہ بال بے ترتیبی سے اس کے کندھوں پر گرے ہوئے تھے۔آنکھوں میں تھکن سی تھی۔

"کیا مطلب؟ تمہیں کوئی دیکھنے نہیں آیا؟"۔

"نہیں۔امی نے بتایا کہ پارٹی میں کسی فیملی نے پسند کیا ہے"۔ماریہ نے آہستگی سے جواب دیا۔سائیڈ ٹیبل پر ایک باسی چائے کا کپ پڑا تھا۔جس کی نیم خشک چائے کی تہہ اس بات کی گواہی دے رہی تھی کہ یہاں کچھ وقت پہلے تنہائی کے لمحات گذارے گئے تھے۔

"ماریہ، تم کچھ اپ سیٹ لگ رہی ہو، کیا بات ہے؟"۔فاطمہ اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گئی۔ماریہ نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں، خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی، لیکن پھر ایک دم اس کے آنسو بہنے لگے۔

"کچھ نہیں، پوری اپ سیٹ ہوں یار۔مجھے شادی نہیں کرنی"۔

"ادھر دیکھو، ماریہ! میری طرف۔کیا بات ہے؟"اس کا چہرہ اپنی جانب کرتے ہوئے فاطمہ سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

"فاطمہ مجھے نہیں کرنی شادی"۔اب کہ وہ زور سے روتی اس کے کندھے سے لگی۔فاطمہ اس کے ردعمل پر حیران رہ گئی۔

"ماریہ کیا ہوا ہے؟ رونا بند کرو۔بتاؤ مجھے؟"۔۔ماریہ نے بھیگی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔اوران نگاہوں میں جو تھا وہ فاطمہ کمال کو ساکت کر گیا۔

"آر یو انٹرسٹڈ ان سم ون؟"۔اس کے لبوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔ماریہ لب دانتوں تلے دباتی سر ہلا گئی۔

"اوہ مائی گاڈ! ہو از ہی؟"۔فاطمہ کمال اپنا مسئلہ یکسر بھلا بیٹھی۔ابھی وہ آنکھوں میں فکر مندی لیے ماریہ ابراہیم کو دیکھ رہی تھی۔اس کے مسئلے کو دیکھ رہی تھی۔ابھی اس کے سامنے صرف ماریہ ابراہیم تھی۔اور اس کے آنسو۔

"ارمان شاہد"۔اقرار کے بعد انکشاف کیا گیا۔دوسری جانب فاطمہ کمال کو ایک اور شاک ملا۔

"ارمان؟یو مین ارمان شاہد؟"۔۔اسے مشکل ہوئی تھی اس بات کو پروسس کرنے میں۔۔بے یقینی سے وہ ماریہ کو دیکھ رہی تھی۔

"تم جانتی ہو ناں؟اس کی فیملی کو یہاں کوئی پسند نہیں کرتا۔پتہ ہے تمہیں اس بارے میں"۔۔ماریہ کچھ نہ بولی۔بس سر جھکائے آنسو بہاتی رہی۔فاطمہ افسوس سے اسے دیکھی۔

"اسے پتہ ہے اس بارے میں؟میرا مطلب ہے کیا وہ بھی تم سے؟"۔.فاطمہ کمال بات ادھوری چھوڑ گئی۔کمرے کی فضا بوجھل ہونے لگی۔

"نہیں اسے نہیں معلوم۔ہماری کبھی ایسی کوئی بات نہیں ہوئی"۔۔

”شکر۔اسے پتہ چلنا بھی نہیں چاہیے۔ تم پیچھے ہٹ جاؤ ماریہ۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے“۔۔ گہری سانس بھرتے وہ اسے تلخ حقیقت بتا رہی تھی۔آنکھوں میں ڈھیروں افسوس لیے اسے دیکھا۔کس راستے پر چل نکلی تھی وہ؟

نہیں ہٹ سکتی فاطمہ۔اب پیچھے ہٹنے کا کوئی آپشن نہیں۔یوں بھی یہ خاموش یکطرفہ محبت مجھے اندر سے مار رہی ہے“۔۔وہ اذیت سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

”اسے حاصل کرنا ہے، تو یاد رکھو۔خود کو زخمی کرنا ہوگا۔قدم قدم پہ کانٹے بچھے ہوئے ہیں۔چل لوگی ان کانٹوں پہ؟زخمی کرلوگی خود کو؟“۔اس کی آنکھوں میں سنجیدگی سے دیکھتے وہ استفار کرنے لگی۔

”وہ محبت ہی کیا جس میں زخم نہ ملے؟“۔وہ ہنس دی اذیت سے۔”میں ساری چیزوں کے لیے تیار ہوں۔بس ابھی اس شادی کے لیے نہیں“۔۔وہ ملتجی لہجے میں کہنے لگی۔

”پریشان نہ ہو۔اس کا بھی کچھ سدباب نکالتے ہیں۔اگر ارمان شاہد تمہارا نصیب ہوا تو تمہیں ضرور ملے گا“۔۔اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے کھڑی ہوگئی۔

”تھینک یو فاطمہ۔۔تھینک یو سو مچ“۔۔فاطمہ کا ہینڈل پر رکھا ہاتھ ٹھہر گیا۔چہرہ گھما کر بیڈ کی جانب دیکھا۔ماریہ اسے ممنون نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"پاگل مت بنو۔ میں ہمیشہ تمہارے لیے موجود رہو نگی۔ کوئی بھی پریشانی ہو میرے پاس آجانا"۔۔ مسکرا کر کہتی وہ باہر نکل آئی۔

اپنے کمرے میں آکر فاطمہ نے دروازہ بند کیا۔ خاموشی میں، وہ دیوار سے ٹیک لگا کر نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"کاش! کوئی مجھے بھی تسلی دیتا، میرے دکھوں کو بھی سمجھتا"۔۔اس کی آواز سرگوشی جتنی مدھم تھی۔ کچھ وقت قبل مضبوط دکھنے والی فاطمہ کمال، اب بکھر رہی تھی۔ چاندنی کی مدھم روشنی اس کے آنسوؤں کے غم کو دیکھ رہی تھی۔ بیڈ کے قریب ایک کتاب ادھ کھلی پڑی تھی۔ مگر اس وقت فاطمہ کا دل کسی کتاب یا کہانی میں الجھنے کو تیار نہ تھا۔ اس وقت وہ اپنی ہی کہانی میں الجھی ہوئی تھی۔

سردیوں کی صبح تھی، ہوا میں ایک ہلکی سی خنکی تھی جو یونیورسٹی کے لان میں بیٹھے درختوں کی شاخوں سے سرگوشیاں کر رہی تھی۔

"تو پھر کیا سوچا آپ نے ؟"۔

خوشبو میں بسا وہ، آج پھر اس کے سامنے کھڑا تھا۔ دھوپ میں سنہری ذرات جھلملاتے ہوئے اس کے اطراف کا احاطہ کر رہے تھے۔ ارد گرد کے طلبہ کی ہنسی اور سرگوشیوں کے شور میں یہ جملہ فاطمہ کے دل پر کسی پتھر کی مانند آ گرا۔ اس نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہی پراسرار مسکراہٹ، وہی بھوری رنگ کی گہری آنکھیں جو کسی ان کہے راز سے لبریز تھیں۔

"آپ کون ہیں؟ اور کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں؟"۔

فاطمہ کی آواز سخت تھی، لیکن اس کی آنکھوں میں چھپی بے چینی اس کے ضبط کو دھندلا رہی تھی۔ وہ ایک قدم آگے بڑھا، قدموں کی چاپ گھاس پر ایک مدھم سرگم بکھیر رہی تھی۔

"میں کون ہوں؟ یہ جاننا ابھی ضروری نہیں"۔ اس کا لہجہ سنجیدہ تھا۔ "رہا دوسرا سوال... تو بس اتنا جان لیں۔۔ آئی وانٹ یو ان مائی لائف"۔۔ آج اس نے وہی جملہ دہرایا تھا۔ آخری جملے کے ساتھ اس کی گہری نظریں فاطمہ کی کلائی پر جا ٹھہریں، جہاں ایک براؤن اسٹریپ والی گھڑی بندھی تھی۔ فاطمہ نے ضبط سے اپنی سانس اندر کھینچی اور ایک قدم پیچھے ہٹی۔

"یہ آپ کی خواہش ہو سکتی ہے، میری نہیں۔ اینڈ فار یور انفارمیشن، آئی ایم انگیجڈ"۔

اس کے لہجے میں برف جیسی سرد مہری تھی، مگر الفاظ کے پیچھے چھپا خوف اس کے دل کا راز ظاہر کر رہا تھا۔ وہ مسکرایا۔

"فاطمہ، میں نے کہا تھا کہ میں آپ کے بارے میں سب جانتا ہوں۔ تو مطلب سب۔ اس منگنی کی میرے نزدیک کوئی حیثیت نہیں۔ تو بتائیے، کب آؤں آپ کو لینے؟"۔ اس کے جملے کی گونج نے ہوا میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ فاطمہ کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔

"تم! تم گھٹیا انسان! تمیز نام کی کوئی چیز ہے تم میں؟ یہ فضول باتیں مجھ سے کرنے کی ہمت کیسے ہوئی؟"۔

اس نے اپنے غصے کو الفاظ کی صورت میں باہر نکالا، آنکھوں میں نفرت کے شعلے بھڑک رہے تھے۔

"تم جیسے لوگوں کو میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ لڑکیوں کو ورغلانا تمہارا ہنر ہو سکتا ہے، لیکن یاد رکھو، میں فاطمہ کمال ہوں۔ تم جیسے کسی بھی گھٹیا شخص کے جال میں پھنسنے والی نہیں"۔۔ برداشت سے باہر ہوا تو وہ جو منہ میں آیا کہتی چلی گئی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، جیسے اس کی ہر بات اپنے اندر جذب کر رہا تھا۔

''ابھی آپ کو سب معاف ہے۔ کیونکہ آپ کچھ نہیں جانتی۔ لیکن ایک بات یاد رکھیں۔ الفاظ زخموں کی طرح ہوتے ہیں، جو وقت کے ساتھ بھر تو جاتے ہیں، مگر اپنے نشان چھوڑ جاتے ہیں۔ احتیاط کریں، کہیں یہ نشان پچھتاوے میں نہ بدل جائیں''۔ اس کے لہجے کی گہرائی اور آنکھوں کی اداسی نے لمحے بھر کو فاطمہ کو ساکت کر دیا۔

''تم جیسے غنڈے کے لیے یہی الفاظ ہیں میرے پاس''۔

اس نے اپنی آواز بلند کی، خود کو مضبوط دکھانے کی کوشش تھی۔

''یاد رکھیے گا، غنڈے اور بھی بہت کچھ کرتے ہیں''. وہ ایک لمحے کے لیے رکا، اور پھر جھک کر دھیمے گہرے لہجے میں بولا۔ یہ کہہ کر وہ پلٹ گیا۔ قدموں کی چاپ دھیرے دھیرے مدھم ہوتی گئی، یہاں تک کہ وہ مکمل طور پر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

فاطمہ نے ایک پل کے لیے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ لان کے کنارے کھڑا پرانا برگد کا درخت، اس پر بیٹھی چند چڑیاں، اور کینٹین سے اٹھتی چائے کی خوشبو... سب کچھ معمول کے مطابق تھا، مگر فاطمہ کے دل میں ایک عجیب سی ہلچل مچ چکی تھی۔

دور، لائبریری کے قریب، ایک کونے میں دو آنکھیں یہ تمام منظر دیکھ رہی تھیں۔ ان میں تجسس کی چمک تھی، اور شاید کچھ ایسا بھی، جو آنے والے وقت کی آہٹ کی پیشین گوئی کر رہا تھا۔

"سر، آپ کو فاخر کے فارم ہاؤس کو تباہ کرنا تھا"۔

مراد نے بیک ویو مرر سے اس پر ایک سرسری نظر ڈالی۔ وہ ٹکسڈو دبئ کے نئے کلیکشن کا ایک نفیس نیلا ٹکسڈو زیب تن کیے ہوئے تھا۔ اس کے کوٹ کے سیاہ کالر میں ایک الگ ہی نفاست جھلک رہی تھی۔ سفید شرٹ اور کالے بوٹائی نے اس کے اسٹائل کو مزید پرکشش بنا دیا تھا۔ بائیں کلائی میں سلور رنگ کی گھڑی اپنی چمک بکھیر رہی تھی۔ اس کے بال سلیقے سے جیل سے جمائے گئے تھے۔

گہری آنکھیں کسی انجانے راز میں کھوئی ہوئی تھیں، لیکن مراد کی بے چین آواز نے ان کے کناروں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھیر دی۔

"مراد، تمہیں لگتا ہے کہ فاز عالم کچھ بھول سکتا ہے؟"

فاز عالم نے آئینے میں جھانکتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"نہیں سر، لیکن..."

"لیکن تمہیں آج کل میں کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا ہوں؟"۔فاز عالم نے اس کی بات کاٹ کر خود مکمل کی۔

مراد نے سر میکانکی انداز میں ہلا دیا۔

"مراد، فاز عالم کی زندگی میں کچھ بھی بے مقصد نہیں ہوتا"۔اس کی آواز میں ٹھہراؤ تھا۔اور آنکھیں وہ ایک طلسماتی گہرائی کی حامل تھیں۔ایسی گہرائی کہ جو ایک بار ان میں جھانک لے، خود کو کھو بیٹھے۔

مراد نے مزید کچھ کہنے کے بجائے سر کو دھیرے سے جنبش دیتے ہوئے ڈرائیونگ جاری رکھی۔

فاز عالم آج ایم این اے شہاب کی پارٹی میں مدعو تھا۔وہ ایک ایسی دنیا کا حصہ بننے جا رہا تھا جہاں روشنیوں کا جال تھا، مصنوعی ہنسی کی گونج تھی، اور سچے دل شاید گنتی کے ہوں۔وہ گینگسٹر تھا۔یہ بات مخصوص لوگوں کو معلوم تھی۔باقی پوری دنیا اُسے ایک بزنس مین کے طور پر جانتی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"فاطمہ، یہ والا کارڈ دیکھیں، کیسا رہے گا؟"۔بے شمار کارڈز کے سیمپلز پھیلائے ہوئے تھے۔ان میں رنگوں اور ڈیزائنز کا خوبصورت امتزاج تھا۔کبھی ماریہ ابراہیم کسی کو رد کرتی، تو کبھی احسن ابراہیم۔

"ماریہ، ذرا اپنی چوائس کو بہتر بناؤ، پھر سیلیکٹ کرنے آنا۔فاطمہ، یہ گولڈن والا بیسٹ رہے گا"ماریہ کے ہاتھ میں موجود کارڈ کو اس نے پھر سے رد کر دیا۔ماریہ خونخوار نظروں سے اسے گھورنے لگی۔

"اچھا بھئی، بس کرو! کب سے تم دونوں کارڈ کے پیچھے سر کھپا رہے ہو؟ کوئی ایک سیلیکٹ کرو، بات ختم"۔فاطمہ تھک کر، ایک گھنٹے کی بحث کے بعد بالآخر بول پڑی۔

"کیا مطلب؟ فاطمہ کمال کی شادی کا بہترین کارڈ ہونا چاہیے"۔دونوں یک زبان ہو کر بولے۔فاطمہ ان کے انداز پر ہنس پڑی۔

"صرف فاطمہ نہیں، عابد کی بھی شادی ہے"۔تائی، جو کافی دیر سے صوفے پر بیٹھ کر انہیں فاطمہ فاطمہ کی گردان کرتے سن رہی تھیں، تپ کر گویا ہوئیں۔کینو چھیلتے ہوئے ہاتھ لمحے کے لیے رکے۔پھر دوبارہ سے اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

"ہاں تو تائی امی، جو کارڈ فاطمہ کے لیے پسند کر رہے ہیں، وہی عابد بھائی کا بھی ہو گا۔ اب دلہن اور دولہا کے کارڈ الگ الگ تھوڑی چھپیں گے؟ ایک ہی گھر کی شادی ہے"۔ ماریہ کارڈ ہاتھ میں اٹھاتے ہوئے ایک نظر انھیں دیکھ کر کہنے لگی۔

"یہ کیا پھیلائے بیٹھے ہو؟ اور یہ گھر کے بزرگوں کا کام ہے یا دلہن شرم و حیا بیچ کر خود ہی سارے کام کرے گی؟"۔ پھوپھی ریحانہ لاؤنج میں داخل ہوئیں، ہمیشہ کی طرح اپنی تلخ باتوں کے ساتھ۔ فاطمہ کمال کی مٹھیاں بھینچ گئیں۔ وہ تو یہاں ان کے اصرار پر بیٹھی تھی، ورنہ اندر سے اس کا دل اتنا گھبرا رہا تھا کہ کسی چیز پر دھیان نہیں دے پا رہی تھی۔

"ارے پھوپھی جان، خود کو اپ گریڈ کریں نا! انیسویں صدی تھوڑی ہے، اور صرف کارڈ ہی تو پسند کر رہی ہیں، کون سا عابد بھائی کے ساتھ شاپنگ پہ چلی گئی ہیں؟"۔ احسن ابراہیم بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوا۔ ماریہ ابراہیم سر جھکائے مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی، اور فاطمہ کمال نفی میں سر ہلاتی رہی۔

"توبہ! کتنے بے شرم ہو گئے ہو۔ بڑے چھوٹے کا لحاظ ہی نہیں رہا۔ یہ تربیت کی ہے تم نے، شمائلہ؟"۔ کانوں کو ہاتھ لگاتی، بھرپور اوور ایکٹنگ کے ساتھ، انہوں نے شمائلہ ابراہیم کو بھی گھسیٹ لیا۔ جو تائی کے ساتھ بیٹھی کینو

سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

"مجھے کیا کہہ رہی ہیں؟ میری اولاد تو خود میرے ہاتھوں میں نہیں رہی۔ پتہ نہیں کیا جادو کیا ہے اس لڑکی نے"۔ چچی حقارت سے فاطمہ کو دیکھنے لگیں۔

"امی، بات جادو کی نہیں، بات احساس اور محبت کی ہے۔ جہاں یہ دونوں چیزیں ہوں، انسان وہاں خود بخود کھینچا چلا جاتا ہے۔ آجائیں آپ دونوں سوپ پینے چلتے ہیں"۔ قدرے دھیمے اور نرم لہجے میں ماں کو جواب دیتے ہوئے، احسن نے ان دونوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"زبردست آئیڈیا! چلو فاطمہ"۔ ماریہ پرجوش سی اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔ پیچھے باقی خواتین غصے سے پیچ و تاب کھاتی رہ گئیں۔

"ارے علینہ آپی! آپ تو بہت زبردست اپ گریڈ ہو گئی ہیں"۔ علینہ کو اندر آتا دیکھ کر احسن ستائشی انداز میں اسے دیکھا۔ جینز کے اوپر ٹاپ پہنے وہ ہمیشہ کی طرح تیار تھی۔ اپنی تعریف پر وہ مسکرائی تھی۔

"تھینکس احسن"۔ ایک ادا سے بالوں کو جھٹکی۔

"پھوپھی جان کو بھی اپنی طرح اپ گریڈ کریں"۔۔وہ مسکراتا ہوا گویا ہوا۔پیچھے باقی خواتین کا چہرہ فق ہوا۔علینہ چونکہ بے خبر تھی تو وہ اسے تعریف سمجھ کر بھرپور انداز میں مسکرائی۔پھوپھی اس قدر بعزتی پر دھواں دھواں سی ہو گئیں۔لیکن وہ کچھ کہنے کے قابل نہیں تھی۔

"مت الجھا کرو تم دونوں میری وجہ سے،ماں ہیں تمہاری"۔۔فاطمہ کمال بے بسی سے ان کے ساتھ چلتے ہوئے کہہ رہی تھی۔اس کا اشارہ شمائلہ بیگم کو جواب دینے کی جانب تھا۔

"الجھنے،بتمیزی کرنے اور سہی بات کو بیان کرنے میں فرق ہوتا ہے۔میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا"۔نرم لہجے میں کہتے ہوئے وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال گیا۔۔

"تھینک یو"۔اس نے نم آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھا۔

"بہن ہیں میری،اور بھائیوں کا کام ہی بہن کو سپورٹ اور پروٹیکٹ کرنا ہوتا ہے،سو ڈونٹ سی اٹ اگین"۔پیار بھری دھمکی دی تھی۔

"ماریہ ابراہیم،آپ کی بیسٹ بڑی ہے تو مجھے کچھ نہیں کہنا"۔ماریہ نے اس کے گال کھینچتے ہوئے کہا تو تینوں ہنس دیے۔۔

''کہتے ہیں، انتظار کبھی رائیگاں نہیں جاتا، بس صبر کے ساتھ انتظار کرنا چاہیے''۔اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''تو پھر کیا پتہ چلا تمہیں؟''۔فاخر سلمان تلخ مسکراہٹ کے ساتھ پوچھے۔کمرے میں سگریٹ کی دھوئیں کی تہہ اور مشروب کی مٹھاس گھلی ہوئی تھی۔

''وہی جو میں چاہتا تھا، ایک غلطی، اور بازی ہمارے ہاتھ میں''۔اس نے ہنستے ہوئے کش لگایا، سگریٹ کا دھواں بڑی نرمی سے فضا میں مڑ کر گم ہو گیا۔

''پہلیاں بجھوانا بند کرو اور اصل بات بتاؤ''۔فاخر سلمان نے ضبط کی انتہاء کو چھوتے ہوئے اس کی ڈرامہ بازی کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی۔

''اتنی بھی کیا جلدی ہے؟ بتاتا ہوں''۔اس نے آرام سے کوٹ اتار کر صوفے پر پھینکا اور خود بھی اس پر ڈھیر ہو گیا۔ٹائی کی ناٹ کو ڈھیلا کرتے ہوئے ہنس کر گویا ہوا۔

''صرف ایک چیز ہاتھ لگی ہے، پورا وائے ڈی نہیں۔اس لیے فضول کے ڈرامے کرنا بند کرو''۔ناگواری سے اس کے انداز کو دیکھا۔شاہد عباسی اور حمید صاحب خاموشی سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔کمرے کا سکوت ایک پُراسرار سیاہی کی مانند فضا میں پھیل چکا تھا۔

”چلیں، غصہ نہ کریں، بتادیتاہوں۔صنف نازک کا معاملہ ہے، سمجھ رہے ہیں؟ محبت، اور آپ جانتے تو ہیں، محبت اچھے اچھوں کا کام تمام کر دیتی ہے“۔اس کا قہقہ کمرے میں گونجا۔

”وہ ایسا نہیں ہے۔ تم سچ کہ رہے ہو؟“تینوں کے چہروں پر شبہات کی لکیریں ابھریں،اوران کی نظریں ایک دوسرے سے سوال کر رہی تھیں۔

”کوئی شروع سے ایسا نہیں ہوتا۔بس زندگی کا ایک لمحہ کافی ہوتا ہے،اور وہ لمحہ انسان کی زندگی کو بدل کرر کھ دیتا ہے“۔اس کی آنکھوں میں ایک چمک تھی،جو روشنی بکھیرتی پر سکون ہر گز نہیں تھی۔بلکہ تباہی کی ایک نئ حقیقت کا پیش خیمہ تھی۔

مغرب کا مدھم اندھیرا چھانے لگا تھا اور فاطمہ کو آج کچھ دیر ہو گئی تھی۔چار بجے تک اُسے گھر پہنچنا تھا، مگر کام میں اتنی گم ہوئی کہ وقت کا پتا ہی نہ چلا۔آج سنڈے تھا،زیادہ تر ڈاکٹرز کا آف تھا، صرف ایمر جنسی میں کچھ ڈاکٹرز ہوتے تھے۔سامان سمیٹ کر بھورے رنگ کا لانگ کوٹ پہنی،سیاہ رنگ کا بیگ کندھے پر ڈالی اور ہاتھ میں فائل تھامے آفس سے باہر نکل آئی۔

کاریڈور میں سنسناہٹ تھی۔بس چند نرسیں اور وارڈ بوائے نظر آرہے تھے۔وہ تیز قدموں سے لفٹ کی طرف بڑھ گئی۔لفٹ میں وہ اکیلی تھی،چہرے پر تھکی ہوئی مگر پُر سکون مسکراہٹ تھی۔چند لمحوں بعد ایک لڑکا اندر داخل ہوا۔فاطمہ نے اسے نظر انداز کیا اور لفٹ کی ایک طرف کھڑی ہو گئی۔چند لمحے گزرے تھے کہ اچانک،لفٹ رک گئی۔

"یہ لفٹ کو کیا ہوا؟ یہ تو بالکل ٹھیک تھی؟"۔اچانک لفٹ کے رکنے پر فاطمہ گھبرا کر بٹن دباتی گئی۔

"یااللہ! میں کہاں پھنس گئی؟ یہ چل کیوں نہیں رہی؟"۔اس کے لہجے میں خوف در آیا۔

"کوئی ہے؟ پلیز کوئی اسے کھولو"۔فاطمہ نے دروازے کو زور زور سے بجایا۔پھر کھولنے کی ناکام کوشش کی۔

"میرے خیال سے کوئی تکنیکی خرابی ہو گئی ہے"۔لڑکے کی آواز پر فاطمہ نے اُسے دیکھا،اور ایک ہلکا سا خوف اس کے دل میں اُتر آیا۔

"مو... موبائل کہاں ہے؟"۔لڑکے کو نظر انداز کرتی وہ خود سے کہتی،کپکپاتے ہاتھوں سے بیگ میں موبائل تلاش کرنا شروع کیا۔

Clubb of Quality Content

"یہ کیا؟"۔اس کی آنکھوں میں حیرانی تھی،نو سگنلز۔اسکرین کو دیکھتے ہوئے اس کی نیلی آنکھیں بھیگنے لگی۔ لیکن اس نے آنسوؤں کو باہر گرنے نہیں دیا۔

"یااللہ ! میں مرنا نہیں چاہتی ! مجھے بچالیں ! میں اس لفٹ میں اپنی جان نہیں ہارنا چاہتی"۔وہ تیزی سے آیتہ الکرسی،چاروں قل اور درود شریف پڑھنے لگی۔

"آپ پریشان نہ ہوں،آپ اکیلی نہیں ہیں،میں آپ کے ساتھ ہوں"۔لڑکا تسلی دینے کو آگے بڑھا،لیکن فاطمہ کی سرد نگاہوں نے اسے اپنے قدم روکنے پر مجبور کردیا۔اس کے علاوہ بھی کوئی طاقت تھی،بلکہ وہی طاقت تھی جو اسے فاطمہ کی جانب قدم بڑھانے سے روک گئی تھی۔اللہ کے کلام کی طاقت۔وہ آہستہ آواز میں تلاوت کررہی تھی۔

کچھ لمحوں بعد لفٹ کا دروازہ کھلا۔فاطمہ نے نظریں سامنے کی اور پھر آہستہ سے مسکرائی،ایک نم مسکراہٹ۔وہ مدد کس سے مانگ رہی تھی؟اللہ سے۔تو کیا ایسا ہوتا اس تک مدد ناں پہنچتی؟۔

"الحمداللہ رب العالمین"۔بے اختیار اس کے لبوں سے ادا ہوا۔وہ فوراًباہر کی طرف قدم بڑھائی۔وہ لڑکا اچانک لفٹ کھل جانے پر فوراًسے فاطمہ کے قریب آیا تھا۔لیکن اندر آتے

وجود پر جیسے نظر پڑی۔ وہ تیزی سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے فوراً سے لڑکے کی گردن پر دباؤ ڈالتے ہوئے اُسے بے ہوش کر دیا۔ فاطمہ حیران سی اس منظر کو دیکھی۔

"آپ ٹھیک ہیں؟"۔ اس آواز نے فاطمہ کو چونکا دیا۔

"تم؟"۔ اس کی گہری سیاہ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ بے ساختہ بولی، آج بھی اس کا چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔

"جلدی کریں، فوراً پچھلے گیٹ سے نکلیں۔ آپ کی گاڑی وہیں ہے"۔ اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ عجلت میں گویا ہوا۔

"پچھلے گیٹ سے؟ لیکن کیوں؟" فاطمہ نے مزید حیرانگی سے اسے دیکھا۔

"فرنٹ ڈور پر رپورٹرز ہیں، وہاں سے نکلنا سیف نہیں ہے"۔ اس کے بتانے پر وہ متفکر ہو کر فوراً اِسے دیکھنے لگی۔

"رپورٹرز؟ وہ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"۔

"یہ لڑکا جس کے ساتھ آپ لفٹ میں بند ہوئی تھیں، اُس کے ساتھ ایک نئے اسکینڈل کی خبر کے لیے"۔ اُس کے انکشاف پر فاطمہ نے بے ساختہ پیچھے بے ہوش لڑکے کی طرف نظر ڈالی۔

ناولز کلب
Clubs of Quality Content

''تو لفٹ میں کئی لوگ ساتھ اُترتے ہیں، اس میں کون سی نئی بات ہے؟''۔فاطمہ نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے، کچھ ناگواری سے کہا۔

''یہ بات آپ جانتی ہیں، لوگ نہیں۔ وہ وہی دیکھیں گے جو انہیں دکھایا جائے گا۔اب آپ جلدی جائیں، میرا بندہ انہیں زیادہ دیر تک نہیں روک سکتا''۔۔اس کے نہ ہلنے پر وہ کوفت سے اسے دیکھا۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں لفٹ میں بند ہوں؟اوران رپورٹرز کا؟''۔۔

''آپ کو اپنی جان بچانی ہے یا پھر سوالوں کے جواب جاننے ہیں؟''۔اس کے غصے اور چہرے کے تاثرات کو دیکھ کر وہ بیزاری سے بولا۔

''تم بھی میرے ساتھ چلو۔میں اکیلی نہیں جاؤں گی''۔اس کے مطالبے پر اس کی سیاہ آنکھیں کچھ بڑی ہوئیں۔

''آپ ایک انجان شخص کو اپنے ساتھ چلنے کا کہہ رہی ہیں؟''۔وہ اسے اچھنبے سے دیکھنے لگا۔

”کچھ ماہ پہلے بھی تم ملے تھے،اور آج بھی تم بچانے آگئے۔میں تم سے جانے بغیر یہاں سے جانے والی نہیں،اور تم مجھے یہاں ٹھہرنے دو گے نہیں۔“فاطمہ کا لہجہ پُر سکون تھا،اس کی چالاکی پر وہ اسے دیکھ کہ رہ گیا۔

”آپ دوسرا رخ کیوں نہیں دیکھ رہی؟آپ جب کسی مشکل میں ہوتی ہیں،تو میں ہی کیوں آتا ہوں؟کیا پتہ میں ہی آپ کو نقصان پہنچانا چاہتا ہوں؟“۔اس کا لہجہ پر اسرار تھا۔اور شاید فاطمہ کمال کو خوفزدہ کرنے کی کوشش۔لیکن فاطمہ کمال ہنس پڑی،اُس کے ہنسنے پر وہ متعجب سا اُسے دیکھنے لگا۔عجیب لڑکی تھی۔

”میں نظروں کو پہچاننا جانتی ہوں“۔فاطمہ کی بات نے اُس کی آنکھوں میں مزید حیرانی بھری۔

”یہ اوور کانفیڈنس نہیں؟“۔وہ طنزیہ انداز میں سوال کرنے لگا۔

”بالکل بھی نہیں“۔فاطمہ کا جواب بے ساختہ تھا۔

”آپ کچھ دیر پہلے لفٹ میں بند ہوئی تھیں،اگر آپ کو یاد ہو؟“۔اس کے سراسر طنزیہ انداز پر فاطمہ نے آنکھوں میں غصہ لیے اُسے گھورا۔

Clubb of Quality Content

"تم کیا ہر کسی کو یونہی طنز کرتے ہو؟"۔اس کی جانب سے چہرہ پھیر کر سیدھ میں کیے چلنے لگی۔سیاہ بلاک ہیلز کی آواز پر سیاہ آنکھیں اس کے قدموں پر ٹھہر گئیں۔پھر تیزی اس نے نظروں کا زاویہ بدل لیا۔

"آپ سے پہلے ایسا کوئی عجوبہ نہیں ملا، جسے یوں کہنے کی ضرورت پڑتی"۔وہ بے نیازی سے کندھے اچکا کر اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہنے لگا۔

"تم مجھے عجوبہ کہہ رہے ہو؟لوگ مجھے میچور اور کانفیڈنٹ لڑکی کہتے ہیں"۔اس کھلی بعزتی پر غصے و خفگی سے اُسے دیکھنے لگی۔

"لوگوں نے آپ کا دماغ خراب کر دیا ہے۔آپ ایک بیوقوف لڑکی ہیں، جس نے نہ صرف ایک انجان شخص کو اپنے ساتھ چلنے کو کہا، بلکہ اب اُس کے ساتھ باتیں بھی کر رہی ہے"۔اس کے صاف اور سیدھے انداز پر فاطمہ تلملائی۔

"تم کہہ رہے تھے کہ میں ابھی کچھ دیر پہلے لفٹ میں بند ہوئی تھی؟"۔اس کے غیر متوقع جواب پر اس نے گردن موڑ کر اُسے دیکھا۔نا سمجھی سے۔

"تم یقیناً یہی پوچھنا چاہ رہے تھے کہ میں خوفزدہ کیوں نہیں ہوں؟"۔وہ مدھم سا مسکرائی۔

"تم سے بات کر کے میں اس خوف کو ہی دور کر رہی ہوں۔ میں تم سے بات اپنے لیے کر رہی ہوں۔ڈسٹر یکشن ٹیکنیک"۔اس کا اندازِ جتاتا ہوا تھا۔آخر اس نے فاطمہ کمال کو سمجھ کیا رکھا تھا؟۔

"فاطمہ کمال ہر کسی سے فری نہیں ہوتی اور نہ ہر کسی سے بات کرتی ہے۔اگر میں تم سے بات کر رہی ہوں تو صرف اپنے لیے"۔اس کی آواز بہت سنجیدہ تھی۔وہ خاموشی سے بس سر ہلا گیا۔

"کیا ہوا؟الفاظ ختم ہو گئے؟"۔اب طنز کرنے کی باری فاطمہ کمال کی تھی۔

"آپ نے مجھے ساتھ چلنے کا کیوں کہا؟"۔اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گی کہ تم مجھے بچانے کیوں آئے؟کیونکہ میں جانتی ہوں تم کبھی بتاؤ گے نہیں"۔فاطمہ کی بات پر اس کی آنکھوں میں ستائش ابھری۔

"اب میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ عقل مند ہیں"۔اس کے اس جواب پر فاطمہ ایک بار پھر سے ہنس دی۔

”لفٹ بند کیسے ہوئی؟ جب کہ وہ بالکل ٹھیک تھی؟اور رپورٹرز یوں اچانک یہاں کیسے آئے؟“۔اب وہ فکر مندی سے استفار کر رہی تھی۔

”یہ ٹیبلوئڈ رپورٹرز تھے...“۔اس کی بات پر وہ چونکی۔

”وہ صحافی جو زیادہ تر سنسنی خیز خبروں یا اسکینڈلز پر کام کرتے ہیں؟“۔فاطمہ کی بات پر وہ اثبات میں سر ہلایا۔

”ہاں، وہی۔پیسوں کے عوض یہ معلومات یا تصاویر لیک کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔یقیناًان کو کسی نے پیسے دے کر آپ کے پیچھے بھیجا ہے“۔۔

”لفٹ بھی بند اُسی شخص نے کروائی ہوگی اور اس لڑکے کو بھی اُسی نے بھیجا ہوگا۔"فاطمہ سمجھ کر سر ہلاتی ہوئی کہنے لگی۔

”آپ اتنے ہی مضبوط اعصاب کی مالک ہیں یا پھر میرے سامنے بن رہی ہیں؟“۔وہ ہر بات اتنے عام اور سنجیدہ انداز میں پوچھ رہی تھی کہ وہ چونکے بنا نہ رہ سکا۔

”مجھے تمہارے سامنے ایکٹنگ کر کے کوئی ایوارڈ نہیں ملنا۔اتنے فضول سوال کی توقع مجھے تم سے نہیں تھی“۔فاطمہ افسوس سے اُسے دیکھ کر بولی۔

''تو کیا آپ نے مجھ سے امیدیں بھی وابستہ کرلی ہیں؟''۔وہ بغیر شرمندہ ہوئے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

''تمہارا کام ختم،اب جاؤ''۔فاطمہ اپنی گاڑی نظر آتے ہی اُسے ہری جھنڈی دکھادی۔وہ اس کے انداز پر ہنس پڑا۔

''ڈرائیو سیو''۔اس کی پیچھے سے آتی آواز پر فاطمہ مڑی۔سیاہ بلاک ہیلز میں اُس کے قدم مزید حسین لگ رہے تھے۔

''اگلی دفعہ اگر ملے تو تمہارے چہرے سے یہ نقاب لازمی اتاروں گی۔سوچ سمجھ کر آنا''۔مسکراہٹ دبائے وہ بلند آواز میں بولی۔

''دیکھتے ہیں''۔وہ مسکرا کر ہاتھ ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

آج وہ گھر پر تھی۔بارہ بجے کا وقت تھا۔سردیوں کی نرم دھوپ ہر شے کو سنہری رنگت عطا کررہی تھی۔باہر لان میں رکھی لکڑی کی بھوری کرسیاں اوران کے پاس سرسبز گھاس پر بکھری ننھی سفید کلیاں منظر کو حسین تر بنا رہی تھیں۔وہ ایک کرسی پر بیٹھی تھی،دوسری کرسی پر اپنے دونوں پاؤں دراز کیے۔اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی جس کے صفحات میں

وہ یوں گم تھی جیسے دنیا سے کوئی سروکار نہ تھا۔ دھیرے دھیرے چلتی ہوا کبھی اس کے بالوں سے کھیلتی تو کبھی کتاب کے صفحات کو چھیڑ کر آگے بڑھ جاتی۔ ایک دم پاس سے ابھرتی تیز آواز نے اس کے سکون کو تہہ و بالا کر دیا۔

''تم کیا سمجھتی ہو خود کو؟''۔ وہ بیزاری سے چہرہ اٹھائے سامنے کھڑی شخصیت کو دیکھنے لگی۔

''تمہیں نظر نہیں آرہا کہ میں کتاب پڑھ رہی ہوں؟''۔ اس نے دونوں پاؤں زمین پر رکھتے ہوئے ناگواری سے کہا اور نظریں دوبارہ کتاب کی طرف موڑ لیں۔

''تم جو چاہو کر لو، لیکن یاد رکھنا، فاطمہ کمال! عابد کو تم مجھ سے چھین نہیں سکتی''۔ سامنے کھڑی لڑکی غصے سے کسی زخمی شیرنی کی طرح غرائی۔ اس کے میک اپ سے بھرے چہرے پر نفرت کی شدت نمایاں تھی۔ بلیک جینز سیاہ ٹی شرٹ اور ڈینم کی جیکٹ میں ملبوس وہ باہر جانے کے لیے تیار لگ رہی تھی۔

''رئیلی؟ میں اسے چھینوں گی؟ میں نے تو اسے مانگا تک نہیں، بلکہ مجھے تو زبردستی دیا گیا ہے، ڈیئر کزن''۔ فاطمہ کتاب کو بند کرتی آہستگی سے کھڑی ہوتی اس کے کندھے سے نادیدہ گرد جھاڑتے ہوئے طنزیہ انداز میں بولی۔ علینہ کے چہرے پر مزید غصے کی لکیریں ابھریں۔

”تم اسے مجھ سے چھین نہیں سکتی۔ عابد صرف علینہ زاہد کا ہے“۔ فاطمہ نے ایک گہری نظر اس کے غصے سے سرخ ہوتے چہرے پر ڈالی اور ہلکا سا مسکرائی۔

”ویسے سوچنے والی بات ہے ناں؟ اس گھر کی لاڈلی کو ہمیشہ سب کچھ دیا جاتا ہے۔ لیکن اس بار اسے عابد کیوں نہیں دیا گیا؟“۔

”تم کسی خوش فہمی میں مت رہو۔ وہ میرا ہے اور میرا ہی رہے گا۔ تمہاری اس سے شادی کبھی نہیں ہو گی“۔ علینہ کے چہرے کا رنگ مزید سرخ ہوا۔

”تم اس بار کچھ الٹا سیدھا کرنے کی کوشش مت کرنا۔ ورنہ اس بار فاطمہ کمال تمہیں چھوڑے گی نہیں“۔۔ سرد نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے وارننگ دی۔

”کیا کرے گی فاطمہ کمال؟“۔ ہاتھ باندھتے ہوئے طنزیہ انداز میں اسے دیکھی۔

”زیادہ کچھ نہیں، بس دادی سکینہ کی لاڈلی نواسی اور پھوپھی ریحانہ کی شہزادی بیٹی کی تین چار تصویریں اس گھر کے تمام واٹس ایپ نمبرز پر بھیج دوں گی۔ سگریٹ کے کش لگاتی ہوئی اور شباب کے جام سے لطف اندوز ہوتی ہوئی پیاری ہر دلعزیز علینہ زاہد“۔۔ آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے وہ مسکرا کر علینہ کو دیکھی۔ جس کا چہرہ فق پڑ گیا تھا۔ گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"جب میں نے ایسا کچھ کیا ہو گا تب تمہارے پاس تصویریں ہوں گی ناں"۔۔وہ مسکرائی لیکن لب مسکراہٹ کا ساتھ نہ دے سکے۔

"پانچ منٹ صبر کرو۔واٹس ایپ کرتی ہوں تمہیں۔دیکھ لینا تم کیا کیا کی ہو"۔۔ایک نظر اس کے ساکت ہوتے وجود کو دیکھی اور پھر وہاں سے چلی گئی۔کتاب پڑھنے کا سارا مزہ میک اپ والی چڑیل کی آمد نے خاک میں ملا دیا تھا۔کمرے میں آکر کتاب بیڈ پر رکھی اور سائیڈ ٹیبل سے فون اٹھالیا۔

"کیسے ہو ارمان ؟"۔موبائل کان سے لگائے،دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ،وہ نرم لہجے میں محوِ گفتگو تھی۔سورج اپنی دھیمی گرمائش کے ساتھ کمرے میں موجود ہر شے کو سنہری رنگ میں نہلا رہا تھا۔کھڑکی کے شیشے پر ہلکی دھند جمی ہوئی تھی،اور باہر لان میں سبزے پر پڑی دھوپ جیسے موتیوں کی طرح جھلک رہی تھی۔کمرے میں جلتا ہوا ہیٹر سرد ہوا کو مات دے رہا تھا۔

"ٹھیک ہوں، خیریت ؟آج آپ نے کال کی ؟"۔

ارمان کی آواز موبائل سے سنائی دی تو اس کے چہرے پر پھیلی ہلکی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی

"ہاں، ایک چھوٹا سا کام تھا۔" وہ کھڑکی کے قریب آتے ہوئے پردے کو ایک طرف ہٹا کر نیچے لان کا منظر دیکھنے لگی، جہاں علینہ زاہد کرسی پر غائب دماغی سے بیٹھی تھی۔

"کہیے، حکم کریں۔" ارمان کی شوخی بھری آواز نے اس کے لبوں پر لمحاتی مسکراہٹ لا دی، مگر فوراً ہی اس کی آنکھوں میں گہری سنجیدگی اتر آئی۔

"میں نے علینہ کی تصویریں مانگی تھیں، وہ مجھے بھیج دو۔"

"کیا اس نے پھر کچھ کیا ہے؟"۔ ارمان کی آواز میں بھی اب کی بار سنجیدگی شامل ہو گئی۔

"نہیں، کیا تو کچھ نہیں، لیکن کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اسے پہلے ہی وارن کر دوں"۔ فاطمہ نے گہری نظروں سے لان میں بیٹھی علینہ کو دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"چلیں ٹھیک ہے، میں بھیج دیتا ہوں۔ اگر کوئی مسئلہ کرے تو مجھے فوراً بتایئے گا۔" ارمان کی مخلصانہ آواز نے ایک لمحے کے لیے اس کے دل میں سکون کی لہریں دوڑا دیں۔

"شکریہ ارمان"۔ اس نے مختصر جواب دیا اور الوداعیہ کلمات کے ساتھ کال بند کر دی۔ کال ختم کرتے ہی وہ کھڑکی سے ہٹ کر بیڈ پر جا بیٹھی۔ کمرے میں ایک لمحے کے لیے

Clubb of Quality Content

مکمل خاموشی چھاگئی، صرف ہیٹر کی ہلکی گڑ گڑاہٹ اور دور کہیں سے کسی پرندے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"فاطمہ، علینہ کے ساتھ کوئی بات ہوئی ہے کیا؟"۔ ماریہ کے اچانک کمرے میں آنے پر فاطمہ چونک گئی۔ پلٹ کر دیکھا تو ماریہ فکر مند نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں، بس عابد کے متعلق وہی باتیں کر رہی تھی۔ مجھے آکر یوں کہتی ہے جیسے میں اس سے شادی کرنے کے لیے مری جا رہی ہوں۔ اگر اتنی محبت ہے تو جائے اور اپنی پیاری نانی سے بات کرے"۔ فاطمہ نے بیزاری سے جواب دیا اور تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

"یہ کبھی سدھر نہیں سکتیں۔" ماریہ نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے بیڈ پر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جانتی ہو؟ کل پھر سے ایک اسکینڈل پلان ہوا تھا۔" فاطمہ نے عام سے لہجے میں کہا، لیکن ماریہ کے چہرے پر حیرت اور تشویش کے آثار نمایاں ہو گئے۔

"کیا مطلب؟"۔

فاطمہ نے ٹھہرے ہوئے انداز میں لفٹ والے واقعے کی پوری تفصیل بیان کی۔ ماریہ کی آنکھوں میں فکر مزید گہری ہوتی گئی۔

Clubb of Quality Content

"یہ سب کون کرتا ہے؟"۔ماریہ نے پریشانی سے سوال کیا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے؟ ہر دفعہ ایک ہی اسکینڈل میں کیوں پھنستی ہوں؟"۔فاطمہ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا اور ساتھ ہی موبائل پر موصول ہونے والی تصویر پر نظر ڈالی۔

"کیونکہ لڑکیوں کو بدنام لڑکوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ان کی عزت اسی طرح خراب کی جاتی ہے"۔ماریہ نے الجھ کر کہا۔

"یہ تو ہے۔لیکن ایک بات اور ہے جسے ہم نظر انداز نہیں کر سکتے"۔۔فاطمہ کے لب استہزایہ مسکراہٹ میں ڈھلے۔

"کیا؟"۔

"میرا دشمن اگر مجھے تباہ کرنا چاہتا ہے تو وہ ہر ممکن طریقے سے وار کرے گا۔میرا نام کسی اور اسکینڈل میں ڈال دے، جیسے میں نشے کی حالت میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے پائی گئی۔یا جیسے میری ہسپتال کی ساکھ خراب کر کے ڈرگز کیس میں ملوث کر دے، سوچو اگر ہسپتال سے ڈرگز مل جائیں تو کیا ہو گا؟ میری ساری محنت، ساری ریپوٹیشن برباد ہو جائے گی۔اور مجھے کیریئر سے زیادہ عزیز کچھ نہیں"۔فاطمہ کا لہجہ گہرا اور سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

""بس بس یہ سب آپ اپنے بارے میں ہی کہہ رہی ہیں ناں؟""۔ماریہ جھرجھری لیتے ہوئے بولی۔فاطمہ ہنس دی۔

""تو پھر ہر بار ایک ہی اسکینڈل کیوں؟""۔۔فاطمہ کے سوال پر ماریہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

""اس لیے کیونکہ جو یہ سب کر رہا ہے وہ مجھ سے جیلس ہوتا ہے۔اگر کسی کو انتقام لینا ہو تو وہ ہر زاویے سے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔کسی کو تباہ کرنا ہو تو پہلے اسے فائنینشلی طور پر کمزور کرتے ہیں۔ایک اہم بات یہ بھی جو یہ پلین کرتا ہے وہ خود صرف لڑکوں کی طرف اٹریکٹ ہوتا ہے۔اسے صرف لڑکا اور لڑکی کے ریلیشن میں دلچسپی ہے۔اس لیے اس کا بیمار دماغ ہر بار ایک ہی پلین بناتا ہے۔کوئی دوسرا پلین اس کے دماغ میں سماتا ہی نہیں۔ malicious intent ہے وہ۔""۔۔فاطمہ پر سکون سی کہتے جا رہی تھی۔اور دوسری جانب ماریہ ابراہیم کی آنکھیں حیرانی سے بڑی ہو رہی تھیں۔

""آپ کا مطلب ہے۔۔یومین۔۔۔یہ سب علینہ کر رہی ہے؟""۔ماریہ نے حیرت سے سوال کیا۔

""بالکل۔""فاطمہ نے موبائل اسکرین بند کرتے ہوئے کہا اور بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''علینہ ایسا کیوں کرے گی؟''۔ماریہ نے بے یقینی سے پوچھا۔

''وہ اس لیے کہ تایا تائی ایک بدنامِ زمانہ لڑکی کو بہو نہ بنائیں، اور علینہ زاہد اُن کی چوائس بن جائے۔''فاطمہ نے بے نیازی سے کہا اور موبائل چارجنگ پر لگانے لگی۔

''اور وہ شخص؟ جس نے آپ کو بچایا؟''ماریہ نے یاد آتے ہی پوچھا۔فاطمہ کے ہاتھ لمحے بھر کو رک گئے، سیاہ گہری آنکھیں ذہن کے پردے میں نمودار ہوئیں۔

''میں نہیں جانتی وہ کون تھا، لیکن اتنا جانتی ہوں، وہ مجھے نقصان نہیں پہنچائے گا''۔اس نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔نیلی آنکھوں میں عجیب سا سکون چھا گیا۔

شادی کے دن قریب آرہے تھے۔آج وہ یونیورسٹی آئی تھی اسائنمنٹ جمع کروانے کے لیے۔اس کے بعد اسے پورا ایک ہفتہ غیر حاضر رہنا تھا۔کوریڈور میں اس کے قدم آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے، لیکن اس کا دماغ کہیں اور ہی الجھا ہوا تھا۔دل میں ایک عجیب سی بے چینی نے گھر کر رکھا تھا۔شادی قریب تھی، مگر وہ کوئی حقیقی خوشی محسوس کرنے سے قاصر تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس کے قدموں اور سوچوں کا سلسلہ پروفیسر ساجدہ کے دفتر کے قریب پہنچ کر رک گیا۔دروازے پر ہلکی دستک دی اور اندر داخل ہو گئی۔

”السلام علیکم، میم“۔

وہ اپنی کرسی پر بیٹھی تھیں۔سامنے پیپر کے پلندے رکھے تھے۔جنہیں وہ چیک کر رہی تھیں۔

”وعلیکم السلام۔سٹڈ“۔انہوں نے خیر مقدمی مسکراہٹ کے ساتھ کرسی کی جانب اشارہ کیا۔وہ ان کی پسندیدہ طالبہ تھی،اور یہ بات ان کے رویے سے بھی عیاں تھی۔

”میم،یہ اسائنمنٹ جمع کروانا تھا“۔اس نے دھیرے سے فائل میز پر رکھی۔پروفیسر ساجدہ نے عینک اتاری اور فائل کو ایک نظر دیکھا۔پھر بولیں۔

”آپ ایک ہفتے کی چھٹی پر جا رہی ہیں؟ کیوں؟“۔

ان کی آواز میں ہمیشہ کی طرح نرمی تھی۔وہ طلبہ کے ساتھ دوستانہ برتاؤ رکھنے کی قائل تھیں۔پڑھائی کے وقت رعب اپنی جگہ اور نرمی اپنی جگہ۔

”میم،میری شادی ہو رہی ہے“۔ناجانے یہ کہتے ہوئے اس کے دل میں ایک عجیب سا خلاء کیوں تھا؟ جسے وہ الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر تھی۔

""اوہ! کانگریچولیشن، فاطمہ۔ خوش رہو ہمیشہ""۔ انہوں نے خوش دلی سے دعائیں دیں۔

""تھینک یو میم""۔ وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اٹھنے ہی والی تھی کہ میم کے اگلے سوال نے اسے روک لیا۔

""آپ پریشان لگ رہی ہیں، فاطمہ؟""۔ فاطمہ کے قدم تھم گئے۔ ان کی گہری نظریں جیسے اس کے دل تک دیکھ رہی تھیں۔

""میم، آپ کو کیسے معلوم ہوا؟""۔ وہ حیرت سے بولی، جھوٹ کہنے کا حوصلہ نہ کر سکی۔

""بیٹا، ایک تو تجربہ، اور دوسرا آپ کی آنکھیں۔ کیا آپ اس شادی سے خوش نہیں ہیں""۔

""نو میم، ایسی کوئی بات نہیں""۔ اس نے جلدی سے انکار کیا۔ وائے ڈی کا وہ کسی کو کیسے بتا سکتی تھی؟۔

""میں آپ سے مزید کچھ نہیں پوچھوں گی، فاطمہ۔ بس اتنا کہوں گی کہ غم کو دل میں دبایا نہیں کرتے اور ہر کسی سے بانٹا بھی نہیں کرتے""۔ پروفیسر ساجدہ کے چہرے پر شفقت اور لہجے میں گہرائی تھی۔ فاطمہ نے ناسمجھی سے سر ہلا دیا اور سلام کر کے باہر نکل آئی۔

اب اس کے قدم داخلی دروازے کی جانب بڑھ رہے تھے، لیکن دماغ میم کی باتوں میں الجھ چکا تھا۔ وہ کوریڈور سے تیزی سے گزر رہی تھی کہ اچانک رکنا پڑا۔ ورنہ سامنے کھڑے شخص سے ٹکرا جانے کا خدشہ تھا۔ اس نے سر اٹھایا تو نگاہوں میں شناسائی اور پھر ناپسندیدگی جھلکی۔ وہ جانے کے لیے مڑی ہی تھی کہ آواز نے اسے روک لیا۔

"رک جائیں، فاطمہ"۔ آواز میں کچھ ایسا تھا کہ اسے بے اختیار رکنا پڑا۔ اس کی گھمبیر آواز میں ایک عجیب سا جادو تھا۔

"تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟"۔ اس نے برہمی سے پوچھا۔

"مسئلہ ہی تو آپ ہیں"۔ وہ اس کے قریب جھک کر سرگوشی میں بولا۔ گلابی گھٹنوں تک آتی فراک، اس کے ساتھ نیلی رنگ کی جینز پہن رکھی تھی۔ اور گلے میں حسب معمول فلورل اسکارف تھا۔ گلابی رنگ میں وہ بے حد دلکش لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں پسندیدگی واضح تھی، لیکن وہ اپنی چمک کو چھپانے میں کامیاب رہا۔

"یہ میری لاسٹ وارننگ ہے تمہیں۔ اگر آئندہ راستے میں آئے تو میرے بابا تم سے ڈیل کریں گے، سمجھیں؟"۔ اس نے حقارت سے کہا اور اپنی کلائی پر بندھی نازک سی گھڑی کی جانب دیکھا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا، اور اسے گھر پہنچنا تھا۔ دادی سکینہ نے آفت مچا

دینا تھا۔اُس کی نگاہ بھی اس کی گھڑی پر ٹھہر گئی۔ سلور رنگ کی گھڑی اس پر خوب جچ رہی تھی۔ وہ مسکرایا، لیکن اس کے دیکھنے سے پہلے ہی، مسکراہٹ فوراً غائب ہو گئی۔

"پچھلی ملاقات میں کچھ کہا تھا، کیا جواب ہے پھر؟"۔اس کی بات کا اثر کیے بغیر، وہ اپنے مخصوص انداز میں استفسار کر رہا تھا۔

"ڈھیٹ ہو تم۔ بلکہ رکو، ایک منٹ"۔ وہ بیگ سے کچھ نکالنے لگی۔ وہ نا سمجھی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ لو، اور ضرور آنا۔ میری شادی کا کارڈ ہے"۔دل جلانے والی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے کارڈ اس کے ہاتھ میں تھمایا۔ بلکہ پٹخا تھا۔

"آؤں گا، لیکن عام مہمان کی حیثیت سے نہیں"۔اس نے سرد مہری سے کہا اور کارڈ اسی انداز میں واپس اس کے ہاتھ میں رکھ دیا۔اس کے لہجے کی ٹھنڈک نے فاطمہ کے دل کو ایک لمحے کے لیے ہلا دیا۔ وہ جا چکا تھا، اور آج بھی فاطمہ وہیں کھڑی رہ گئی۔

محبت فاتح ٹھہری

از عائشہ اصغر

قسط ۴

احسن تیزی سے مال کی چمکتی روشنیوں کے بیچ چل رہا تھا۔وہ فاطمہ کو ایسا تحفہ دینا چاہتا تھا جو صرف خاص نہ ہو بلکہ اس کے دل کو چھو جائے۔ماریہ کو جان بوجھ کر ساتھ نہیں لایا تھا کہ کہیں اس کا سرپرائز خراب نہ ہو جائے۔فاطمہ کمال کو چوڑیاں اور بریسلیٹ اتنی زیادہ پسند نہیں تھیں، جتنی کے گھڑیاں۔گھڑیوں میں تو اس کی جان بستی تھی۔احسن کے ذہن میں فوراً اس کے کمرے کی ڈریسنگ کا منظر آیا جہاں نہ جانے کتنی گھڑیاں قرینے سے رکھی تھیں۔ایک مسکراہٹ ہونٹوں کو چھو گئی۔

چلتے چلتے،اس کے قدم ایک گھڑی کی دکان کے سامنے رک گئے۔شیشے کے دروازے کو دھکا دے کر اندر داخل ہوا تو روشنیوں میں جگمگاتی گھڑیاں آنکھوں کو خیرہ کرنے لگیں۔دکان کے ماحول میں ایک خاص خوشبو تھی،جو چمڑے کی پٹیاں اور دھاتی ڈائلز چھوڑ رہے تھے۔وہ ہر گھڑی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔چمکدار ڈسپلے میں ایک سنہرے رنگ کی گھڑی

نظر آئی۔ نگینوں سے مزین اور نفیس تراش کے ساتھ۔اس کا گول ڈائل رومن ہندسوں اور چمکتے پتھروں سے آراستہ تھا۔احسن کے ہاتھ بڑھتے ہی دکان کا سیلز مین مسکرا کر اس کے قریب آیا۔

"بہت عمدہ انتخاب ہے، سر"۔احسن نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گھڑی خرید لی اور شاپنگ بیگ تھام کر باہر آ گیا۔

مال کے مرکزی دروازے سے نکلتے ہی اس نے آس پاس کے فوڈ کارٹس پر نظر دوڑائی۔ بھوک محسوس ہو رہی تھی، سو وہ ایک میز پر جا بیٹھا۔ارد گرد لوگوں کی ہلچل تھی۔ خوشبوؤں کا ایک بھرا ہوا ریلا فضا میں چھایا ہوا تھا۔ گرل پر گوشت کی خوشبو،اسٹالز پر مکھن کے پراٹھے اور بریانی کی خوشبو۔۔۔سب کچھ زندگی سے بھرپور تھا۔احسن نے ایک برگر کا آرڈر دیا اور کرسی سے ٹیک لگا لی۔

اتنے میں،ایک قریب والی میز سے باتوں کی آواز آئی۔اس کی سماعت اچانک تیز ہو گئی۔ کوئی جملہ ہوا کے دوش پر تیرتا ہوا اس کے کانوں میں اترا۔اس کا دل زور سے دھڑکا۔وہ اپنی جگہ سنبھل کر بیٹھ گیا اور پوری توجہ بات کرنے والوں کی جانب مرکوز کر دی۔کچھ فاصلے پر دو افراد بیٹھے دھیمی آواز میں گفتگو کر رہے تھے۔ان کے الفاظ جیسے جیسے اس کے کانوں تک

پہنچے،اس کی مٹھیاں خود بخود بھینچ گئیں۔چہرہ سرخ ہو گیا،اور آنکھوں میں غضب کی شدت اتر آئی۔"یہ کیا کر رہے ہیں؟"۔بے یقینی کے عالم میں دھیرے سے اس کے لب ہلے۔اسی دوران ویٹر بر گر لا کر اس کے سامنے رکھ گیا،مگر اس کی بھوک جیسے مر چکی تھی۔وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا اور تیز قدموں سے ان کی طرف بڑھا۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے"۔احسن نے ان میں سے ایک شخص،جو نیلے رنگ کی ٹی شرٹ پہنا ہوا تھا،کو مخاطب کیا۔اس کے لہجے میں غصے کی شدت تھی۔وہ شخص چونک کر پلٹا،اور پھر دوسرے شخص کو رخصت کر کے احسن کی طرف مڑا۔

"کہو،کیا بات ہے؟"۔

"آپ فاطمہ کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟"۔احسن کی آواز بلند تھی،اور اس کی سرخ آنکھیں اس کے اندر اٹھتے طوفان کی گواہ تھیں۔

"کیا مطلب؟"۔نیلی ٹی شرٹ والے شخص نے نا سمجھی ظاہر کی۔

"آپ جانتے ہیں میں کیا کہہ رہا ہوں۔اتنی گری ہوئی حرکت،آپ نے سوچا بھی کیسے؟فاطمہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے"۔احسن نے انگلی اٹھا کر سخت لہجے میں کہا۔"آپ کے پاس رات تک کا وقت ہے۔جو کرنا ہے سوچ لیں۔ورنہ پھر جو میں کروں

گا،اس پر شکوہ مت کیجیے گا''۔یہ کہہ کر احسن تیز قدموں سے وہاں سے نکل گیا۔نیلی ٹی شرٹ والا شخص ایک لمحے کے لیے ساکت کھڑا رہا۔اس کی پیشانی پر گہری شکنیں تھیں اور آنکھوں میں الجھن صاف جھلک رہی تھی۔

''یہ کیا مصیبت گلے پڑ گئی؟''۔وہ خود سے بڑبڑاتا ہوا باہر کی طرف قدم بڑھا گیا۔

آج فاطمہ کمال کی مہندی تھی۔گہری شام کے سائے دھیرے دھیرے لان پر پھیل چکے تھے۔رنگین قمقموں کی روشنیوں اور گیندے کے پھولوں نے فضاء کو خوابناک بنادیا تھا،ہوا میں تازگی اور پھولوں کی مہک گھلی ہوئی تھی۔جس نے ہر دل کو ایک خوشگوار کیفیت میں مبتلا کر دیا تھا۔مہمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا،قہقہوں اور گپ شپ کی آوازیں ماحول میں گھلی ہوئی تھیں۔کمال صاحب،جو حال ہی میں یورپ سے بزنس کے سلسلے میں واپس لوٹے تھے،سفید کاٹن کے لباس کے اوپر بھوری واسکٹ پہنے اپنی باوقار شخصیت کے ساتھ سب کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ان کی بلند قامت،گہری آواز اور شاندار شخصیت نے ہر کسی کو متاثر کر رکھا تھا۔

''فاطمہ،آپ نظر لگ جانے کی حد تک حسین لگ رہی ہیں''۔ماریہ مسکراہٹ لیے اسے دیکھی۔فاطمہ آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔پیلے اور سنہری رنگ کے فراک میں وہ جگمگا رہی

تھی، جیسے صبح کا سورج طلوع ہوتے وقت دھیرے دھیرے اپنے نور سے زمین کو روشن کر رہا ہو۔ ہلکے میک اپ کے ساتھ وہ کسی شہزادی کی مانند لگ رہی تھی۔ ماریہ کے تعریف کرنے پر اس نے ایک بار پھر آئینے میں خود کو دیکھا۔ وہ واقعی حسین لگ رہی تھی۔ مگر دل کی بے چینی اسے سکون لینے نہیں دے رہی تھی۔

"ماریہ، پانی لا دو، پلیز"۔ وہ بے چینی سے ڈوپٹہ سنبھالتے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ ڈوپٹے کے کنارے موتیوں سے مزین تھے۔

"فاطمہ، آپ ٹھیک تو ہیں؟"۔ ماریہ نے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلتے ہوئے فکر مندی سے پوچھا۔

"ہاں، بس طبیعت کچھ عجیب محسوس ہو رہی ہے"۔ فاطمہ نے گلاس لے کر ایک ہی سانس میں پانی پی لیا۔

"تھکن کی وجہ سے۔ بس رسم کے لیے تھوڑی دیر نیچے بیٹھ جایئے گا۔ پھر واپس روم میں آکر آرام کر لیے گا۔ کل بارات بھی ہے"۔ ماریہ اس کے ماتھے پر ہلتے جھومر کو ٹھیک کرتے ہوئے نرمی سے بولی۔ اسی دوران علیشبہ کمرے میں داخل ہوئی۔ علیشبہ زاہد، علینہ زاہد کی چھوٹی بہن۔ اور اس سے بالکل مختلف۔

"مامی کہہ رہی ہیں، فاطمہ آپی کو نیچے لے آئیں"۔

"چلیں، چلتے ہیں"۔ماریہ نے فاطمہ کا دوپٹہ سنوارا اور اس کے ساتھ چل دی۔دائیں طرف ماریہ تھی۔بائیں طرف علیشبہ۔لان میں روشنیوں اور خوشبوؤں کا حسین امتزاج تھا۔ان چمکتی روشنیوں کے درمیان وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی۔اس کا لباس اور زیور روشنیوں میں جھلملا رہے تھے۔سہج سہج کر چلتی وہ کوئی اپسرا لگ رہی تھی۔اسٹیج پر عابد پہلے ہی موجود تھا۔عابد نے آگے بڑھ کر فاطمہ کا ہاتھ تھاما اور اسے اسٹیج پر چڑھنے میں مدد دی۔رسم کا آغاز ہو گیا تھا۔مہمانوں کی آنکھیں خوبصورت سی دلہن سے ہٹنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔سب باری باری آکر رسم کرنے لگے تھے۔

"فاطمہ تم ابھی تک اتنی پتلی ہو؟موٹی نہیں ہونا؟ کھانا نہیں کھاتی ہو کیا؟"۔دادی سکینہ کی بھانجی جو گاؤں میں رہتی تھیں،وہ رسم کرنے آئی تو ہمیشہ کی طرح شروع ہو گئیں۔فاطمہ نے زبردستی کی مسکراہٹ سجائے انھیں دیکھا۔دلہن نا بنی ہوتی تو ضرور کہتی اسپیشل پاور ہے فاطمہ کمال کے پاس،بنا کھائے زندہ رہتی ہے۔عجیب سوال کرتے ہیں یہ لوگ بھی۔ارے بھئی کھاتی ہوں تو زندہ ہوں ناں۔فاطمہ کمال سر جھٹک گئی۔

''منیبہ بھابھی آپ کی بہو تو بہت پتلی دبلی ہے اب آپ ہی اسے کھلا پلا کر موٹا کر یے گا''۔۔اب وہ ہنستے ہوئے تائی (عابد کی ماں) سے مخاطب تھی۔

''اماں ہی کو عابد کے لیے یہ اتنی پسند آئی تھی، اب کیا کر سکتے ہیں''۔۔ان کی مسکراہٹ ان کے لہجے کی کرواہٹ نہیں چھپا سکی۔فاطمہ ضبط سے مٹھیاں بھینچی۔

''اسی وجہ سے تو ہم بدنام ہیں، سب تو یہی سمجھیں گے بن ماں کی بچی کے ساتھ زیادتی ہو رہی''۔۔دادی سکینہ نخوت سے گفتگو میں حصہ لی۔

''اچھا خالہ یہ تو وہی سیٹ ہے ناں جو کمال بھائی علینہ کے لیے لائے تھے؟''۔۔فاطمہ جو زیور پہنی ہوئی تھی اس کی طرف اشارہ کرتی وہ سوالیہ انداز میں بولی۔

''ہاں ہاں وہی ہے، رو دھو کر اس نے لے لیا۔کمال کوئی چیز لائے اور یہ ہم میں سے کسی کو لینے دے دے۔۔ کبھی نہیں''۔۔دادی سکینہ کا جواب سن کر فاطمہ سن رہ گئی۔یہ سیٹ تو بابا اس کے لیے ہی لائے تھے۔تب دادی نے کہا تھا اتنا قیمتی زیور ہے میرے پاس رکھوا دو۔جب پہننا ہو مجھ سے لے لینا۔تو بھلا اب یہ کیا سین تھا؟علینہ کا ذکر کیوں؟ لیکن پھر وہ جلد ہی سمجھ گئی۔ جھوٹی کہانی سنا کر گاؤں کے رشتے داروں کو تصویریں بھیجی گئی ہو نگی۔وہ لب بھینچ کر نظریں جھکالی۔ گفتگو اب بھی جاری تھی۔

ماریہ نے نظر دوڑائی تو اچانک اس کا دل زور سے دھڑکا۔ ارمان شاہد، سیاہ کرتا شلوار میں، اپنی تمام تر خوبصورتی کے ساتھ کسی مہمان کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا۔ اس کی وجاہت نے ماریہ ابراہیم کو پل بھر کے لیے ساکت کر دیا۔ دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں تھی۔ دل پہ قابو پاتے اسنے نظریں پھیری۔ لیکن شاید ان نظروں کا پیغام پڑھ لیا گیا تھا۔ محبت ہمیشہ الفاظ کی محتاج نہیں ہوتی۔ یہ کبھی ایک نظر، کبھی ایک لمس، اور کبھی ایک خاموش دعا میں جھلکتی ہوئی نظر آتی ہے۔

"اچھی لگ رہی ہیں آپ"۔ ارمان کی گہری آواز نے ماریہ کو چونکا دیا۔ وہ بے ساختہ پلٹی۔

"جی؟"۔ وہ اپنے گھیر دار گرارے سے الجھتے ہوئے خود بھی الجھی ہوئی تھی۔ لیکن اسے سامنے دیکھ کر جیسے سب کچھ رک گیا تھا۔ شاید سانسیں بھی۔

"تعریف دوبارہ سننا چاہتی ہیں؟"۔ ارمان کے لب مسکرائے اور آنکھوں کی چمک مزید بڑھ گئی۔

"نن... نہیں، شکریہ"۔ وہ خجل ہو گئی۔ بے مقصد بالوں کو ٹھیک کرتی ہوئی وہ ارمان شاہد کو کنفیوز سی لیکن پیاری لگی۔

"آپ تعریف نہیں کرتیں؟"۔اس کی آنکھوں میں موجود چمک اسے گھبراہٹ میں مبتلا کر رہی تھی۔

"ایکسکیوز می"۔جلدی سے کہتے ہوئے وہ اسٹیج پہ فاطمہ کے پاس چلے گئی۔اس کے جائے فرار پہ وہ ہنس دیا۔محبت کی یہ خاموش کہانی اس مہندی کی چمک اور چہل پہل میں گم ہو گئی، مگر دل کی دھڑکنوں میں ایک نیا باب لکھ چکی تھی۔

"سر، آج فاطمہ کمال کی مہندی ہے"۔مراد دھیمے لہجے میں اطلاع دے رہا تھا۔کمرے میں شام کے ڈھلتے سائے دھیرے دھیرے پھیل رہے تھے،اور فاز عالم،اپنی کرسی پر جھکا، کتاب کو بہت احتیاط سے پکڑا ہوا تھا۔نرمی سے کچھ لمحے بعد ورق پلٹتا۔

"مجھے معلوم ہے، مراد"۔فاز نے آنکھیں کتاب سے اٹھائے بغیر کہا۔اس کی آواز میں ٹھہراؤ تھا۔مراد ٹھٹک گیا۔

"تو سر، آپ کو کوئی مسئلہ نہیں؟"۔مراد نے بے اختیار حیرانی سے پوچھا۔حیرت اور تجسس اس کے لہجے سے صاف جھلک رہے تھے۔وہ فاز عالم کو بخوبی جانتا تھا، مگر آج یہ شخص، جس کی شخصیت ایک بند کتاب کی مانند تھی، اسے مکمل انجان سا لگ رہا تھا۔

"مسئلہ ؟"۔ فاز نے کتاب کو احتیاط سے بند کر کے مراد کی طرف دیکھا۔ "مجھے مسئلہ کیوں ہو گا؟"۔ اس کی نظریں، مراد پر ٹکی تھیں۔ وہ نظریں گہری تھیں، جیسے ان میں کئی سمندروں کے راز چھپے ہوں۔

"آپ ان سے محبت ...؟"۔ جملہ ادھورا چھوڑ دیا گیا، جیسے الفاظ مراد کے لبوں سے پھسل کر کہیں کھو گئے تھے۔

"پوری بات کیا کرو، مراد۔ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔ رائٹ؟"۔ اس نے مراد کی بات مکمل کی۔ "اگر وہ مجھے ملنی ہوں گی، تو ضرور ملیں گی۔ چاہے ان کی بارات ہی کیوں نہ ہو۔ اور رہی بات محبت کی تو یہ تم جلد ہی سمجھ جاؤ گے"۔

یہ کہتے ہوئے اس نے کتاب کو نہایت آہستگی سے ریک پر رکھا، جیسے کوئی مقدس چیز ہو، اور پھر اپنے مخصوص سکون سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کی چال میں ایک ایسی خاموش طاقت تھی جو دیکھنے والے کو بے اختیار سحر میں مبتلا کر دیتی تھی۔

مراد وہیں کھڑا رہ گیا، حیرت زدہ۔ کمرے میں شام کے سائے گہرے ہو چکے تھے۔ ہوا پردوں کو آہستگی سے ہلا رہی تھی، اور کہیں دور اذان کی آواز اس خاموشی کو اپنے اندر سمیٹ رہی تھی۔ مراد نے اپنے کندھے اچکائے، اور اس کمرے سے نکل گیا۔

"ماریہ! کہاں تھیں تم؟"۔فاطمہ نے دھیمی مگر تشویش بھری میں پوچھا۔چہرہ گلاب کی طرح دمک رہا تھا، مگر آنکھوں میں ایسی اداسی جھلک رہی تھی۔کسی اندیشے کی غمازی کرتی ہوئیں،اداس آنکھیں۔

"میں...میں یہیں مہمانوں سے مل رہی تھی"۔ماریہ ہچکچا سی گئی۔اسے لگا فاطمہ نے ارمان اور اسے دیکھ لیا ہے۔

"احسن کہاں ہے؟"۔فاطمہ نے سوال کرتے ہوئے آس پاس نگاہ دوڑائی۔اس کی آواز میں اب ایک واضح اضطراب شامل ہو چکا تھا۔"مجھے کب سے نظر نہیں آ رہا"۔۔ماریہ نے بھی بے اختیار چاروں طرف دیکھا۔محفل میں ہر طرف روشنیوں کا جھرمٹ تھا،خوشبوئیں ہواؤں میں تیر رہی تھیں،اور ہلکی موسیقی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے مہمان۔لیکن احسن کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔

"یہیں ہو گا،یا شاید کسی کام سے گیا ہو۔رکو،میں بابا سے پوچھتی ہوں"۔ماریہ نے اسے تسلی دی اور تیز قدموں سے اسٹیج سے اتر کر عالم ابراہیم کے پاس پہنچی۔

"بابا،احسن کہاں ہے؟"۔

"احسن؟"۔عالم ابراہیم چونک سے گئے۔"کیا مطلب،وہ ابھی تک نہیں آیا؟"۔۔

"بابا، وہ کہیں گیا تھا؟"۔ماریہ کے سوال میں اب ایک گہری تشویش جھلکنے لگی۔

"ہاں، وہ اپنے دوست شایان کو لینے نکلا تھا۔ لیکن یہ تو گھنٹہ پہلے کی بات ہے۔ میں مہمانوں میں مصروف ہو کر بھول ہی گیا"۔عالم ابراہیم کی آواز میں فکر مندی شامل ہو چکی تھی۔

"کال کرو اسے"۔ بابا کے کہنے پر ماریہ نے عجلت اپنا موبائل نکال کر احسن کا نمبر ڈائل کیا۔ فون کان سے لگاتے ہی اس کے دل کی دھڑکنیں جیسے بے قابو ہو گئیں۔

"نمبر بند جا رہا ہے، بابا"۔

"شایان کا نمبر ہے تمہارے پاس؟"۔ابراہیم صاحب نے جلدی سے پوچھا۔

"ایک منٹ، دیکھتی ہوں... ہاں، ہے"۔ماریہ نے کانٹیکٹ لسٹ میں جلدی سے نمبر تلاش کیا اور شایان کو کال ملائی۔

"السلام علیکم، شایان بھائی، احسن سے بات کروائیں"

ماریہ نے تیزی سے کہا، مگر شایان کی بات سن کر اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ "کیا؟ آپ کہہ رہے ہیں وہ آیا ہی نہیں؟ لیکن وہ تو گھنٹہ پہلے آپ کو لینے نکلا تھا"۔

"کیا کہہ رہا تھا وہ؟"۔۔کال بند ہوتے ہی ابراہیم صاحب بولے.

"بابا، وہ تو شایان بھائی کے پاس پہنچا ہی نہیں۔اس کا فون بھی بند جا رہا ہے"۔فون بند کرتے ہی ماریہ نے بے چینی سے عالم ابراہیم کی طرف دیکھا۔"پلیز بابا معلوم کروائیں"۔۔ماریہ ابراہیم کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ابراہیم صاحب پریشانی کے عالم میں بڑے دونوں بھائی کے پاس پہنچے۔

یہ خبر لمحوں میں گھر کے ہر گوشے میں پھیل گئی۔جو چند لمحے پہلے ہنسی اور خوشبوؤں سے مہکتا ہوا تھا، وہ اب خاموشی کی گہری چادر اوڑھ چکا تھا۔ہر چہرے پر فکر اور بے یقینی کے سائے گہرے ہو چکے تھے۔پروگرام کا اختتام کر کے مہمانوں کو رخصت کر دیا گیا۔

"کہاں چلا گیا میرا بچہ ؟ میرا احسن"۔چچی کی ہچکیاں لاؤنج کی خاموشی کو چیر رہی تھیں۔ان کے آنسو بے اختیار بہہ رہے تھے، اور ان کی نظریں دروازے پر جیسے کسی معجزے کی منتظر تھیں۔

"چچی، حوصلہ کریں۔ہم سب اسے ڈھونڈ لینگے"۔عابد نے تسلی دینے کی ناکام کوشش کی۔روتے ہوئے ان کے ہاتھ بے اختیار دل پہ جا رہے تھے۔تائی انھیں سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

کمال صاحب، اچانک لاؤنج میں تیز قدموں سے داخل ہوئے، غصے اور پریشانی کے آثار سے بھرے ہوئے تھے۔

"یہ سب کیا بکواس ہے؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے"۔ان کی گرجدار آواز نے سب کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔

"اماں، ابھی جو بزنس ڈیل کر کے آیا تھا، پارٹی واپس لے رہی ہے۔ نہیں گیا تو کروڑوں کا نقصان ہو جائے گا"۔ فکرمندی سے سکینہ بیگم کے آگے رکتے ہوئے اطلاع دی۔ پھر عابد کی جانب مڑے۔

"عابد، احسن کو ڈھونڈنے کی ہر ممکن کوشش کرو۔ میں تم سے رابطے میں رہوں گا"۔عابد نے سر ہلایا۔ پھر کمال مصطفی مہندی کے جوڑے میں ملبوس فاطمہ کمال کے پاس آئے۔اسے خود سے لگا کر سر پر بوسا دیا۔ کچھ تسلی بھرے جملے۔اور پھر الوداعیہ کلمات کہتے ہوئے چلے گئے۔

گھر میں جو روشنیوں کی جھلکیاں تھیں، وہ اب جیسے غم کی گہری دھند میں بدل چکی تھیں۔ ہر کوئی اپنی جگہ دم بخود تھا۔

"شادی ہوتی ہے تو خوشیاں آتی ہیں۔ یہ ہم پر کیسا غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ کیسی نحوست ہے"۔ دادی سکینہ اور پھوپھی ریحانہ نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے فاطمہ کو نشانہ بنایا۔ان کی طنزیہ نظروں نے فاطمہ کو اندر تک زخمی کر دیا۔

رات کا گہرا سکوت پورے بنگلے پر دبیز کمبل کی مانند چھا چکا تھا۔ گھڑی کی سوئیاں موت کے پروں کی طرح خاموشی سے حرکت میں تھیں۔ رات کا ایک بج چکا تھا، اور احسن کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ گھر کی فضاء پر ایک غیر مرئی خوف کے سائے منڈلا رہے تھے، جیسے کسی نادیدہ بلاء نے سب کے دلوں میں وسوسے بھر دیے ہوں۔

کمال صاحب بارہ بجے ہی پولیس کو ابتدائی اطلاع دے کر جا چکے تھے، مگر قانون کی اپنی چالیں تھیں۔ چوبیس گھنٹے کی شرط سب پر مثلِ کوہِ گراں تھی، لیکن کمال صاحب کی حیثیت اور معاملے کی نزاکت کے باعث پولیس نے ابتدائی تحقیقات شروع کر دی تھیں۔ پھر ایک ایک کر کے سب لوگ اپنے کمروں میں دبے قدموں لوٹ گئے۔

"تم نے ایسا کیوں کیا؟"۔ خود کلامی کی گئی۔ چوڑیوں کی کھنک ایک لمحے کو فضا میں گونجی۔ اور پھر دوسرے ہی لمحے، فاطمہ کمال نے غصے سے انھیں اتار کر پھینک دیں۔ اس کے

ہاتھ، جن میں چند لمحے پہلے زیورات چمک رہے تھے، اب اس کے کنگن اور چوڑیاں زمین پر بے ترتیبی سے بکھری پڑی تھیں۔

"میں جانتی ہوں۔ تم مجھے نہیں حاصل کر سکے تو میرے بھائی کو اغوا کر لیا۔ گھٹیا انسان، نفرت ہے مجھے تم سے"۔

یہ الفاظ نہیں، بلکہ آتشیں شعلے تھے جو اس کے دل کی گہرائیوں سے نکل کر فضا میں بھڑک رہے تھے۔ وہ وائے ڈی کے تصور سے مخاطب تھی۔ اس کی مٹھیاں بھینچی ہوئی تھیں، آنکھوں میں آنسو اور دل میں آگ تھی۔۔ اس نے زرتاج ڈوپٹے کو جھٹکے سے کھینچ کر پھینک دیا۔ بال کھینچائے، لیکن اُسے پرواہ نہیں تھی۔

زمین پر گرتی ہوئی بے حال سی وہ دیوار سے ٹیک لگا گئی۔ اس کے آنسو تیز بارش کے قطروں کی طرح بہہ رہے تھے اور اس کے ساتھ ہی اس کی گھٹی ہوئی سسکیاں کمرے کی خاموشی کو چیر رہی تھیں۔

"احسن! میرے بھائی، مجھے معاف کر دینا۔ یہ سب میری ہی وجہ سے ہوا۔ میری وجہ سے تم اس شخص کے ہاتھ لگے"۔

وہ زمین پر بے بس پڑی، اپنی بے گناہی کے باوجود خود کو قصوروار ٹھہراتی رہی۔اچانک کل رات کا واقعہ اس کی آنکھوں میں ایک دھندلے خواب کی طرح صاف نظر آنے لگا۔

گزشتہ رات۔فلیش بیک۔

فاطمہ کمال شام کی گہری ہوتی روشنیوں کے بیچ لان میں ٹہل رہی تھی۔سرد ہوا کے جھونکے اس کے بالوں سے الجھ رہے تھے اور چاندنی روشنی میں ہر چیز کسی خواب جیسی لگ رہی تھی۔مگر اس کے دل کے اندر شور مچا ہوا تھا۔بے چینی کے عالم میں وہ گھاس پر دھیرے دھیرے قدم رکھتی رہی۔ہر قدم اس کے دل میں ایک سوال جگا رہا تھا، ہر جھونکا اسے کسی ان دیکھے خوف کی یاد دلا رہا تھا۔اچانک گیٹ کے کُھلنے کی آواز نے اس کی سوچوں کا تسلسل توڑ دیا۔احسن ابراہیم کی گاڑی اندر داخل ہو رہی تھی۔ہیڈلائٹس کی روشنی نے لان کے گھنے درختوں پر سایہ ڈال دیا۔

"احسن! کیا ہوا تمہیں؟"۔اسے پکارتی ہوئی قریب آئی، اور پھر اس کے پریشان چہرے کو دیکھ کر وہ فکرمندی سے پوچھی۔

''مجھے کیا ہونا ہے؟''۔وہ ہنس کر بولا۔اس کی ہنسی میں اندر تک اتر جانے والا خالی پن تھا۔

''یہ کیا ہے تمہارے ہاتھ میں؟''. فاطمہ کی نظریں اس کے ہاتھ میں موجود شاپنگ بیگ پر تھیں۔

''یہ؟''.احسن نے شاپر کو ہوا میں بلند کیا۔''یہ آپ کے لیے خریدا ہوں۔آپ کی شادی پر تحفہ دوں گا''۔وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھا

''تو ابھی دے دوناں''۔فاطمہ نے ہاتھ بڑھایا، مگر احسن نے جلدی سے شاپر پیچھے کر لیا۔

''آں ہاں ابھی نہیں۔آپ کی رخصتی پر دوں گا۔آپ کا بھائی اپنی بہن کو ایک یادگار تحفہ کے ساتھ رخصت کرنا چاہتا ہے''۔احسن ابرہیم کا لہجہ پر خلوص محبت میں ڈوبا ہوا تھا۔

''تم مجھے جذباتی کر رہے ہو احسن''۔ بھیگتی آنکھوں کو بمشکل روکتی ہوئی بولی۔

''ارے یار آپ رو رہی ہیں؟آپ روتے ہوئے اچھی نہیں لگتیں''۔وہ شرارتی مسکراہٹ لیے کہنے لگا تو فاطمہ دھیرے سے ہنس دی۔''اور ایک بات یاد رکھیے گا۔کوئی بھی مسئلہ ہو مجھے لازمی بتائیے گا۔دو سال آپ سے چھوٹا ہوں، لیکن ہوں تو آپ کا بھائی ناں؟اور بھائی تو محافظ ہوتے ہیں۔کوئی اگر آپکو رلائے تو آپ اپنی آنکھوں میں آنسو لانے سے پہلے

مجھے بتائیے گا میں اس کا منہ توڑ دوں گا‘‘۔احسن ابراہیم فرطِ جذبات سے کہہ رہا تھا۔اس وسیع وعریض بنگلے میں اپنوں کا احساس صرف ماریہ اور احسن ابراہیم کے وجود سے ہی تو ہوتا تھا۔

’’تم جذباتی ہو رہے ہو؟‘‘۔نم نگاہوں سے اسے دیکھتی وہ مسکرائی.

’’ہاں شاید،بہن کو رخصت کرنے کے خیال سے‘‘۔اس نے سر ہلاتے اعتراف کیا۔

’’میری رخصتی پہ اتنا اداس ہو رہے ہو۔تو سگی بہن کی رخصتی پر کیا دریا بہاؤ گے؟‘‘۔۔وہ مسکراتے ہوئے اسے چھیڑی۔ماریہ ابراہیم پر اسے رشک ہوا۔

’’آئندہ یہ بات نہیں کریے گا۔یو بوتھ آر ایکول فار می‘‘۔وہ خفگی سے کہتا ہوا اس کے ساتھ اندرونی حصے کی جانب آیا۔

’’اچھا ناں اداس کیوں ہوتے ہو؟میں کون سا سات سمندر پار جا رہی ہوں؟اسی گھر میں اپنے پورشن سے اس پورشن میں شفٹ ہونا ہے‘‘۔۔اس کے ساتھ چلتی ہوئی اس کا موڈ بحال کرنے لگی۔

’’احسن‘‘۔اس کے لب ہلے۔رات کے دو بج رہے تھے۔کمرے میں گھڑی کی ٹک ٹک کے علاوہ ہر چیز خاموش تھی،لیکن فاطمہ کی آنکھوں میں نیند کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔وہ چپ

چاپ چھوٹی چچی کے پورشن میں گئی اور احسن کے کمرے کا دروازہ دھیرے سے کھول دیا۔ اندر قدم رکھتے ہی وہ رک گئی۔ کمرے کی ہر چیز ترتیب سے رکھی ہوئی تھی۔ احسن کی نفاست پسند طبیعت کمرے کی ہر دیوار، ہر گوشے میں جھلک رہی تھی۔ کتابوں کی الماری، میز پر رکھی ہوئی قلم دان، اور بیڈ پر سیدھی پڑی چادر، سب اس کی شخصیت کا آئینہ تھیں۔ لیکن اس کی نظر ڈریسنگ پر رکھے شاپر پر جا ٹھہری۔ وہ جلدی سے وہاں گئی، شاپر کو اٹھایا اور اسے کھولنے لگی۔ گفٹ ریپر کے نیچے ایک نفیس باکس چھپا ہوا تھا۔ باکس کھولتے ہی ایک خوبصورت گھڑی اس کی آنکھوں کے سامنے تھی۔ گھڑی کی چمک جیسے وقت کے ہر لمحے کی یاد دہانی کرا رہی تھی، اور ہر سیکنڈ کی ٹک ٹک فاطمہ کے دل کے اندر کے درد کو بڑھا رہی تھی۔ وہ وہیں فرش پر بیٹھ گئی، اور گھڑی کو گود میں رکھ کر زار و قطار رونے لگی۔ کوئی فاطمہ کمال کی وجہ سے تکلیف میں تھا۔ یہ احساس ہی کتنا تکلیف دہ تھا۔ اور وہ بھی وہ شخص جو اسے عزیز تھا۔

"احسن، تم نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا۔ ہمیشہ میرے لیے کھڑے رہے۔ لیکن آج نا جانے تم میری وجہ سے کہاں ہو؟ جب تمہیں معلوم ہو گا تم میری وجہ سے کڈنیپ ہوئے ہو، تو کیا تم تب بھی مجھے اپنی بہن مانو گے؟"۔ رات کی سیاہی اور گہری ہو گئی، اور کمرے میں اس کی سسکیاں گونجنے لگیں۔ یو لگتا تھا کہ چاندنی رات بھی اس کے غم میں شامل ہو گئی تھی۔ ماحول

کا ہر ذرہ اس کے دکھ کا گواہ بن گیا تھا، اور گھڑی کی ٹک ٹک گویا وقت کے بے رحم تسلسل کا نوحہ پڑھ رہی تھی۔

عمر اداس صدیوں سے کیا کاٹتی رہی
پیہم سفر، سفر سے سوا کاٹتی رہی
میری بصیرتیں تو مرے دل میں تھیں نہاں
اشکوں کی دھار تو بھی کیا کاٹتی رہی
اظہار کے جنوں نے نہ جینے کبھی دیا
اک پھانس تھی الگ، جو گلا کاٹتی رہی
آتے ہوئے زمانوں سے جب گفتگو ہوئی
میری ہر اک بات ہوا کاٹتی رہی
آنسو مرے نے کتنے گگن رنگ سے بھرے
اک بوند ہر کرن کا گلہ کاٹتی رہی
صدیوں سے میں نہ کاٹ سکا عمر ناتمام

Clubb of Quality Content

اک پل کی عمر مجھ کو سدا کاٹتی رہی

تکمیل کی طلب نے ادھورا کیا مجھے

لکھا ہر اک شعر مرا کاٹتی رہی

(یاور ماجد)

صبح کا اجالا ہر سمت پھیل چکا تھا۔ لیکن روشنی کے اس بہاؤ میں ماحول کے سوگوار سائے برقرار تھے۔ ناشتہ کی میز آج ویران پڑی تھی۔ ان سب کے چہروں پر گزری رات کے واقع کی تھکن اور دل گرفتگی کی پرچھائیاں تھیں۔ چچا اور تایا ہر طرف دوڑ بھاگ کر رہے تھے، کسی سراغ، کسی امید کی تلاش میں، جو احسن تک لے جائے۔ ہر گلی، ہر دروازہ کھٹکھٹایا، مگر ہر کوشش ناکام دکھائی دی۔ ان کے چہرے پر مایوسی اور بے بسی گہری ہوتی جا رہی تھی۔ صبح دوپہر میں ڈھل چکی تھی۔ گھر میں چند رشتے دار جمع ہونے لگے تھے۔ دادی اور پھوپھی کے پاس بیٹھ کر افسوس کرتے ہوئے۔ فاطمہ کمال نیچے نہیں گئی۔ وہ جانتی تھی نیچے جائے گی تو بدمزگی لازمی ہے۔ آنکھوں میں ڈھیروں اداسی لیے وہ اوپر راہداری میں کھڑی لاؤنج کا منظر

دیکھ رہی تھی۔تب ہی اس کی نگاہیں چھت کی جانب جاتی علینہ زاہد پر پڑی۔اس کی آنکھوں میں سختی اتر آئی، تیز قدموں سے اس کے پیچھے گئی۔

دوپہر کی دھندلی ٹیرسٹ پر اتر رہی تھی، لیکن سردی کی شدت ایسی تھی کہ دھوپ کی گرماہٹ بھی بے بس نظر آتی تھی۔ ٹیرسٹ کے اطراف نفیس ماربل کی ریلنگ اور کونے میں مہنگے گملے رکھے ہوئے تھے۔دور سامنے باغیچے کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔فاطمہ، گرم چادر میں لپٹی، ریلنگ کے قریب کھڑی علینہ زاہد کے پاس آئی تھی۔

””تم نے کیا ہے نا یہ سب ؟““۔فاطمہ کی سرد آواز پر وہ چونک کر اسے دیکھی۔ پھر مسکرائی۔ کہیں دور کسی کبوتر کی ہلکی سی گٹ گٹ فضا میں گونج رہی تھی۔

””۔میں ؟““۔علینہ نے حیرانی کا مصنوعی مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی طرف اشارہ کیا اور ہنس دی۔دھوپ اور سردی کی کشمکش نے ہر چیز پر ایک مدھم سا سایہ ڈال دیا تھا۔””میں تو خود سوچ رہی ہوں، مجھے تو کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ تم نے تو میرا کام خود ہی آسان کر دیا““۔فاطمہ کی آنکھیں ایک پل کے لیے مزید سخت ہو گئیں۔ ””یار، تم پہلے بتا دیتیں کہ تم عابد میں انٹرسٹڈ نہیں ہو۔ ہم خواہ مخواہ کے

جھگڑوں میں اپنا وقت ضائع کر رہے تھے۔ خیر، اب بھی وقت ہے، ہم دوست بن سکتے ہیں"۔ اس کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ تھی۔ فاطمہ نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ اس کے چہرے پر ایک تمسخرانہ ہنسی نمودار ہوئی۔

"دوست؟"۔ اس نے ایک سرد نگاہ علینہ پر ڈالی۔ "دوستی کا مطلب بھی تم جانتی ہو؟ دوست مفاد پرست نہیں ہوتے، علینہ زاہد۔ اور تم، تم ایک مفاد پرست عورت ہو۔ تم کبھی بھی کسی کی بھی دوست نہیں بن سکتی"۔ علینہ کی مسکراہٹ دھیرے دھیرے غائب ہو گئی، اور اس کی آنکھوں میں غصے کی جھلک نظر آنے لگی۔ وہ کچھ بولنے ہی والی تھی کہ فاطمہ نے سختی سے بات جاری رکھی۔

"یہ جو تم جن لڑکوں اور لڑکیوں کے ساتھ گھومتی ہو، وہ تمہارے دوست نہیں ہیں، صرف وقت گزاری کے ساتھی ہیں، جو وقت اور ضرورت کے ساتھ ہر تھوڑے دن میں بدلتے رہتے ہیں۔ جن سے جب تمہاری ضرورت ختم ہوتی ہے، اس کے دوسرے دن تم ان سے رابطہ ختم کر دیتی ہو"۔ فاطمہ کمال اسے آئینہ دکھا رہی تھی۔ حقیقت کا وہ آئینہ جس میں دیکھنے کی وہ تاب نہیں لا پا رہی تھی۔ علینہ کے چہرے پر سرخی چھا گئی۔ "شر اور محبت کبھی ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ محبت کے ہزاروں روپ ہوتے ہیں، اور ان میں سے ایک

روپ دوستی کا بھی ہے۔ جب تک تمہارے دل میں یہ شر اور خود غرضی رہے گی، محبت داخل نہیں ہوسکے گی۔ محبت کا کوئی بھی روپ نہیں"۔ علینہ نے غصے سے فاطمہ کی طرف دیکھا۔

"اتنی بدنامی کے بعد بھی تمہاری یہ اکڑ ختم نہیں ہوئی، فاطمہ؟ تم کیا ہو؟ سب کے لیے ذلت کا باعث"۔ وہ تلملاتی ہوئی بولی۔

"ذلت کا باعث کون ہے، تم یا میں؟ یہ بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ اور یاد رکھو، اگر تم اس معاملے میں انوالو ہوئی تو تمہیں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑوں گی۔ جب تک بات میری تھی میں تمہیں نظر انداز کرتی رہی، لیکن تمہاری وجہ سے اگر ماریہ اور احسن کو کوئی نقصان پہنچا پھر میں چھوڑوں گی نہیں"۔ فاطمہ کی آنکھوں میں خطرناک حد تک ٹھہراؤ آگیا۔ یہ کہہ کر فاطمہ نے ایک آخری نظر اس پر ڈالی اور باہر نکل گئی۔

دو دن گزر چکا تھا، لیکن احسن کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ گھر کی فضا بوجھل اور بے سکون تھی۔ چچی کے طعنے، پھوپھی کے طنز، اور دادی کے تیکھے جملے ہر کونے میں گونج رہے تھے۔ ایک ایسا دباؤ تھا جو فاطمہ کے وجود کو اندر سے کھائے جا رہا تھا۔ وہ پہلے ہی احسن کی

گمشدگی کے صدمے سے نڈھال تھی، اور اوپر سے یہ بے رحم رویے اس کے دل پر مزید بوجھ ڈال رہے تھے۔

آج وہ گلابی جوڑے میں تیار ہوئی، لیکن اس کے زرد چہرے اور مرجھائی آنکھوں نے لباس کی خوبصورتی کو بھی مدھم کر دیا تھا۔ وہ آہستہ قدموں سے دروازے کی طرف بڑھی۔

"کہاں جا رہی ہو تم؟"۔ دادی سکینہ کی تیز اور گہری نگاہیں فوراً اس پر جمی تھیں۔ فاطمہ رک گئی، پلٹ کر انھیں دیکھی۔

"باہر جا رہی ہوں، آدھے گھنٹے تک واپس آ جاؤں گی"۔ دھیمی آواز میں وہ بتائی۔ دادی نے اسے شک بھری نظروں سے دیکھا، لیکن پھر سر ہلاتے ہوئے جانے کی اجازت دے دی۔ جیسے ہی گاڑی مین گیٹ سے نکلی اور سڑک پر آئی، فاطمہ نے ڈرائیور کو ایک پتہ بتایا۔ وہ مسلسل راستہ سمجھا رہی تھی، لیکن پتہ سنتے ہی ڈرائیور نے حیرت سے مڑ کر اسے دیکھا۔

"بی بی، آپ کو معلوم ہے یہ پتہ کس کا ہے؟ کیا گھر میں آپ نے کسی کو بتایا بھی ہے؟ میں آپ کو وہاں نہیں لے جا سکتا"۔ اس کی آواز میں ہچکچاہٹ اور پریشانی تھی۔ فاطمہ نے ایک لمحے کو اسے گھورا۔

"تمہیں جو کہا ہے، وہ کرو۔ زیادہ سوال مت کرو"۔ اور پھر ٹھہرے ہوئے مگر سخت لہجے میں بولی۔ ڈرائیور اب اور زیادہ بے چین ہو گیا۔

"بی بی، اگر گھر والوں کو پتہ چل گیا، تو مجھے نوکری سے نکال دیں گے۔ آپ کا جو ہو، ہو، لیکن میری جاب کا کیا ہو گا؟"۔ اس بیچارے کو صرف اپنی نوکری کی فکر تھی۔ وہ بیچارگی سے فاطمہ کو دیکھ رہا تھا۔

"میں تو نہیں بتاؤں گی، تو کیا تم بتاؤ گے؟"۔ ڈرائیور نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا۔ "تو پھر؟ جب نہ میں اور نہ تم بتاؤ گے، تو کیا جنات انہیں خبر دیں گے؟ اب چلو! ورنہ وہ تمہیں نکالیں یا نہ نکالیں، میں ضرور نکال دوں گی"۔ فاطمہ کمال کے یہ تیور ڈرائیور نے پہلی بار ملاحظہ کیے تھے۔ مجبوراً اس نے گاڑی اس سمت موڑ لی۔

اسٹڈی کے اندر ایک ہلکی سی خاموشی طاری تھی۔ دیواروں پر سجی سنہری فریم میں قید پینٹنگز، جن پر ہلکی روشنی پڑ رہی تھی، ماحول کو پراثر بنائے ہوئے تھیں۔ لکڑی کا بھاری میز، جس پر نقشے، طمار کر اور کچھ فائلیں بکھری ہوئی تھیں، کمرے کے مرکز میں تھا۔ ایک کونے میں رکھے جاپانی طرز کے بنسائی درخت نے جگہ کو خوبصورتی کے ساتھ بھر دیا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

''سر، آپ سے ملنے فاطمہ کمال آئی ہیں''۔ مراد کی آواز نے کمرے کی سکون کو توڑا۔ فاز عالم، جو نقشے پر سرخ مارکر سے دائرہ کھینچ رہا تھا، چونک کر سیدھا ہوا۔ اس کے چہرے پر لمحاتی حیرت نمودار ہوئی۔

''فاطمہ؟ لیکن کیوں؟ یہاں کیسے؟''۔ اس کے لہجے میں تعجب واضح تھا۔ مشہور زمانہ گینگسٹر کے مینشن پر ایک لڑکی کا یوں آنا واقعی غیر معمولی بات تھی۔ کسی کے پاس بھی پکے ثبوت نہیں تھے کہ وہ غیر قانونی کاموں میں ملوث ہے، لیکن افواہیں ہر جگہ تھیں۔

''پتہ نہیں، سر''۔ مراد نے لاعلمی سے کندھے اچکائے۔

''بٹھاؤ انھیں، میں آتا ہوں''۔ فاز نے ایک ہلکی سی سنجیدگی سے کہا۔ مراد سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گیا۔ فاز نے نقشے کو رول کیا اور نہایت احتیاط سے دراز میں رکھ دیا۔ اپنے گہرے کالے کوٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے، وہ مضبوط اور پر سکون قدموں کے ساتھ سیڑھیاں اترنے لگا۔ سیڑھیاں نیم دائرے کی شکل میں نیچے ہال تک جاتی تھیں، جن کی دونوں طرف لکڑی کی باریک کندہ کاری کی گئی ریلنگ تھی۔ ان پر ہلکی مدھم روشنی پڑ رہی تھی، جو ماحول کو پراسرار بنائے ہوئے تھی۔

نیچے، فاطمہ کمال صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ کمرے کی نرم اور خاموش روشنی اس کے چہرے کو واضح کر رہی تھی۔ وہ سیاہ شال میں لپٹی، کچھ الجھی اور تھکی تھکی سی لگ رہی تھی، لیکن اس کی آنکھوں میں غصے کی چمک تھی۔ جیسے ہی فاز قریب آیا، اس نے لمحے بھر کو نظریں اٹھائیں۔ وہ بلاشبہ خوبصورت تھا۔ کشادہ ماتھا، گہری آنکھیں، اور مضبوط جبڑا، جیسے کسی قدیم مجسمے کو جان بخش دی گئی ہو۔ لیکن اگلے ہی لمحے، اس کی آنکھوں میں نفرت چھلکنے لگی اور وہ تیزی سے نظریں پھیر گئی۔

"تو میرے غریب خانے میں کیسے آنا ہوا؟" وہ بے فکری سے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں مجھ سے مسئلہ تھا نا؟ تو میرے گھر والوں کو کیوں بیچ میں گھسیٹ رہے ہو؟"۔ فاطمہ یکدم اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی آواز غصے اور بے بسی کا ملا جلا اظہار کر رہی تھی۔

"دھیمی آواز میں بات کریں"۔ اسپاٹ لہجے میں اسے ٹوکتا ہوا وہ خود بھی کھڑا ہو گیا۔

"دھیمی آواز میں بات مہذب لوگوں سے کی جاتی ہے۔ تم جیسے گھٹیا شخص سے نہیں"۔ فاطمہ کا غصہ اب مزید بڑھ چکا تھا، اور وہ چیخنے لگی۔

"تماشہ مت بنائیں"۔ دھیمے مگر سخت لہجے میں اسے پھر ٹوک گیا۔

"تماشہ میں بنا رہی ہوں؟ سیریسلی؟ تماشہ تو تم نے میرا بنا دیا ہے۔ تم مجھے حاصل نہ کر سکے تو میرے بھائی کو اغوا کر لیا؟"۔ آنسو روکنے کے چکر میں اس کی نیلی آنکھوں کے گوشے سرخ ہو رہے تھے۔

"میں کیوں اغوا کروں گا؟ آپ کو یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے"۔ اس نے جلدی سے مراد کو اشارہ کیا، جو تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

"تو کیا تم اس قسم کے برے کام کرنے کے بجائے مصلّے پہ بیٹھ کر دعا مانگتے؟ میرے سامنے یوں مہذب انداز میں بات کرنے سے تم مہذب ہرگز نہیں بن جاؤ گے۔ تم وہی غنڈہ، بدمعاش اور اوباش رہو گے"۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی، مگر غصہ واضح تھا۔ ایک بے نام آنسو، ناجانے کیوں اتنے ضبط کے باوجود بھی باہر آ گرا تھا۔

"رونا بند کریں۔ یوں چیخنے چلانے سے آپ کو آپ کا بھائی نہیں مل جائے گا۔ اور میں تو ایک بدمعاش اور اوباش شخص ہوں، تو آپ کو یہاں بالکل نہیں آنا چاہیے تھا۔ بقول آپ کے، اگر میں آپ کے بھائی کو اٹھا سکتا ہوں، تو یقیناً آپ کو بھی"۔ وہ قدم بہ قدم آگے بڑھتا ہوا، پراسرار انداز میں اسکے قریب آ کر بولا۔ فاطمہ پیچھے ہٹی۔ اس کی آنکھوں میں خوف جھلکنے لگا۔

"دور ہٹو"۔اس کی آنکھوں میں خوف واضح تھا۔مگر وہ اسے دبانے کی کوشش کر کے خود کو مضبوط ظاہر کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

"اتنی بہادری اچھی نہیں، مس کمال۔اب جائیں،اور جا کر پولیس میں رپورٹ درج کروائیں"۔وہ پیچھے ہٹتے ہوئے صوفے پر دوبارہ بیٹھ گیا۔

"تم جیسوں کو پولیس پکڑتی نہیں، جبھی تم غنڈہ گردی پہ اترے ہوئے ہو"۔فاطمہ نے نفرت بھری نگاہ اس پر ڈالی۔

"آپ جاسکتی ہیں"۔اس نے موبائل پر نظریں جما کر اسے مکمل طور پر نظرانداز کیا۔فاطمہ نے غصے سے پیر پٹختے ہوئے اپنا بیگ اٹھایا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔فاز کی نظریں دروازے تک اس کا تعاقب کرتی رہیں،جب تک کہ وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔

فاطمہ کمال وائے ڈی کے مینشن سے نکل کر سیدھا اپنے فارم ہاؤس آ گئی تھی۔صاف ستھرے اصطبل میں برک موجود تھا۔خاموش اور سکونت بھرا ماحول تھا۔جہاں سبزہ اور کھیتوں کی خوشبو ہر طرف پھیل رہی تھی۔چار بجے کا وقت تھا اور دن کا اجالا دھندلا پڑنے لگا تھا۔اس کے قدموں کی چاپ سرد ہوا میں مدھم گونج رہی تھی۔وہ برک کے پاس آ گئی

تھی۔ خوبصورت بھورے رنگ کا مضبوط گھوڑا آنکھوں میں انس لیے اس سے لاڈ کرنے لگا۔

فاطمہ نے آہستگی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"کیسے ہو، برک؟"۔ اس کی آواز میں تھکن اور محبت کا حسین امتزاج تھا۔ برک نے سر ہلایا، پھر ہنہنیایا۔

"تم جانتے ہو، احسن دو دن سے لاپتہ ہے، اور اس کی وجہ میں ہوں"۔ فاطمہ کی آواز کانپ رہی تھی۔ "میں کیا کروں، برک؟ مجھے سکون نہیں آ رہا۔ کیوں ہوا یہ سب؟ احسن کیسا ہو گا؟ کہاں ہو گا؟"۔ اس کی نیلی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں، جو بنار کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔ سرد ہوا میں اس کی اداسی مزید گہری لگ رہی تھی۔ برک نے اپنی گردن کو فاطمہ کے کندھے سے رگڑا، جیسے اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے بھورے رنگ کی چمک میں قدرتی نرمی تھی، جو کسی مہربان دوست کی مانند فاطمہ کے غم کو بانٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تم جانتے ہو، برک؟ محبت کے ہزاروں روپ ہوتے ہیں، اور فاطمہ کمال تو محبت نبھانا جانتی ہے"۔ وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "احسن اور ماریہ ابراہیم میرے دوست ہیں، اور دوستی بھی محبت کا ہی ایک روپ ہے۔ اس لیے میں احسن کے لیے ہر ممکن کوشش

کروں گی"۔وہ اب مضبوط لہجے میں کہہ رہی تھی۔برک کے ماتھے پر محبت سے لب رکھ دی۔اسے اصطبل سے نکالتی میدان میں لاتی وہ کچھ دیر کے لیے اپنے غموں کو بھلا گئی تھی۔اس کی پشت پر سوار ہو کر وہ خود کو ہواؤں کے سپرد کر چکی تھی۔پندرہ منٹ کی گھڑ سواری کے بعد وہ واپسی کی راہ لی۔

"السلام علیکم! فارحہ کیسی ہیں آپ؟"۔گاڑی کے شیشے سے باہر دیکھتی ہوئی وہ فون کان سے لگائی ہوئی تھی۔

"والسلام! تم ٹھیک ہو فاطمہ؟"۔ان کی آواز میں فکرمندی تھی۔

"ٹھیک ہوں میں۔آپ سے کہنا تھا میں کچھ دنوں تک ہاسپٹل نہیں آؤنگی تو میرے پیچھے ساری چیزیں دیکھ لیے گا"۔۔وہ سنجیدگی سے باہر دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"تم بے فکر رہو۔میں دیکھ لونگی۔احسن کا کچھ معلوم ہو؟"۔سب کو شادی پوسٹ پونڈ ہونے کی خبر مل چکی تھی۔

"نہیں کچھ نہیں معلوم ہوا"۔اس کے لہجے میں تکان سی اتر آئی۔

"پریشان مت ہو۔ فاطمہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اللہ سے مدد مانگو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ مدد اللہ سے مانگنی چاہیے کیونکہ مدد صرف اُسی کی ذات کر سکتی ہے، باقی انسان تو ذریعہ بنتے ہیں"۔۔ان کی آواز کی نرمی ہمیشہ کی طرح فاطمہ کو پر سکون کر گئی۔

"تھینک یو فارحہ"۔۔وہ مدھم سا کہتی فون بند کر گئی۔

"کہاں سے آرہی ہو تم؟"۔ وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوئی، لاؤنج کا منظر اسے روکنے پر مجبور کر گیا۔ ایک گہری خاموشی، دیواروں پر آویزاں گھڑی کی ٹِک ٹِک، اور سب کے چہرے سختی سے کسی ناقابل معافی گناہ کے گواہ لگ رہے تھے۔ وہ حیران و پریشان، آنکھوں میں سوال لیے، اپنی جگہ ٹھہر گئی۔ مگر عابد کی کڑک دار آواز نے اس سکوت کو چیر دیا۔

"یہ تم کس لہجے میں پوچھ رہے ہو؟"۔ اس نے بیگ کی اسٹریپ پر گرفت مضبوط کر لی اور سرد نگاہوں سے عابد کو دیکھا۔

"جو پوچھا ہے وہ بتاؤ۔ کہاں گئی تھی تم؟"۔ عابد کا تیز دھار لہجہ اسے ناگوار گزرا۔ وہ ایک پل کو رک گئی۔ گہری سانس بھری۔

"میں دادی کو بتا کر گئی تھی"۔۔دادی سکینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے دھیمی آواز میں بتایا، مگر اگلے ہی لمحے دادی کے لفظوں نے اس کے وجود کو زمین میں گاڑ دیا۔

"تم نے کہا تھا تم باہر جا رہی ہو، یہ نہیں بتایا تھا کہ تم اپنے عاشق سے ملنے جا رہی ہو"۔ دادی کے یہ الفاظ کسی بجلی کی کوندسے کم نہ تھے۔لاؤنج کا ماحول اب گویا شعلہ بن گیا۔ اس کے گال ایک لمحے کو زرد پڑ گئے۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔اور دل، دل گویا دھڑکنا بھول گیا۔

"نن... نہیں! آپ لوگ غلط سمجھ رہے ہیں"۔ وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے وضاحت دینے لگی۔ آنکھوں میں ابلتے آنسوں کو زبردستی روک لیا۔ آج پہلی بار تھا جو وہ لڑکھڑائی تھی کیونکہ آج وہ خود وائے ڈی کے گھر گئی تھی۔

"بند کرو اپنی بکواس! تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔یو آر آ چیٹر"۔عابد کی آواز کی گھن گرج نے اسے ساکت کر دیا۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو"۔ پلکوں کی جھیل پر نمی جم رہی تھی۔ مگر وہ مضبوطی سے کھڑی رہی۔اس نے امید بھری نظروں سے عابد کی طرف دیکھا، مگر وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ایک سرد بے اعتنائی، ایک سخت ٹھوکر، جو کسی کو ختم کرنے کے لیے کافی ہو۔

کیا وہ واقعی اس کا لائف پارٹنر بننے جا رہا تھا؟ جو اس پہ اعتبار ہی نہیں کر رہا تھا؟ جو اسے سمجھنا ہی نہیں چاہ رہا تھا؟ کیا وہ واقعی فاطمہ کمال کے قابل تھا؟۔سوال کی گونج نے اس کے

دل ودماغ کو بھر دیا۔ دیواروں پر آویزاں تصاویر اس کے کردار پر گویا گواہی دے رہی تھیں۔ فانوس کی روشنی اس کی آنکھوں میں چبھ رہی تھی، اور ہر چہرہ کٹہرے میں کھڑے ایک مجرم کو سزا سنانے کے لیے بے چین نظر آرہا تھا۔

"تو پھر وہاں تم کیا کرنے گئی تھی؟"۔ عابد کے لہجے میں نفرت کی برف جمی ہوئی تھی۔ وہ اپنے ارد گرد دیکھنے لگی۔ تایا کی نظروں میں بے رحم تفتیش، چچی کے چہرے پر جلن اور شک، اور ماریہ کی نظریں جو کہیں اور جھکائے کھڑی تھیں۔

"مجھے... اس نے یونیورسٹی میں روکا تھا۔ میں نے اس کی بات سے انکار کیا تھا۔ پھر وہ دوبارہ نہیں آیا، مگر مہندی کی رات... احسن کا غائب ہونا... مجھے لگا کہ وہی ہے۔ اس لیے میں گئی تھی کہ وہ احسن کو چھوڑ دے"۔ اس نے دھیمی آواز میں بات مکمل کی۔ ہر لفظ جیسے پتھر بن کر اس کے اندر گر رہا تھا۔ نیلی آنکھیں نم تھیں، مگر آنسو اب تک پلکوں کے اس پار قید تھے۔

"کہانی مت بناؤ۔ سیدھی طرح کہو کہ تم عابد کے بجائے اس سے شادی کرنا چاہتی تھیں۔ اور شادی رکوانے کے لیے تم نے میرے بھتیجے کو غائب کروا دیا"۔ پھوپھی ریحانہ نے آگے بڑھ کر زہر میں بجھے الفاظ کہے۔

"تمہیں شرم نہیں آئی؟ وہ تمہیں بہنوں کی طرح چاہتا تھا اور تم؟"۔ چچی اس پر چیخی تھی۔ لاؤنج کی فضا اور گھٹن زدہ ہو گئی۔ اس کی سانسیں بھاری ہونے لگیں، اور دل میں بے بسی کا بوجھ بڑھتا گیا۔

"ماریہ، اپنی ماں کو کمرے میں لے جاؤ"۔ ابراہیم مصطفیٰ کے حکم پر وہ سر ہلاتی حکم بجا لائی۔

"بھائی ہی کریں گے تمہارا فیصلہ۔ پہلے ہی کم کیا اسکینڈل بنے تھے اب یہ؟ خاندان بھر میں ذلیل کرواتی رہو"۔ تایا نے غصے میں کہا پھر چچا کو لیے باہر چلے گئے۔ باقی سب ایک ایک کر کے لاونج سے نکلنے لگے، سوائے دادی سکینہ کے، جواب تک خاموش کھڑی تھیں، آگے بڑھیں اور اس کے چہرے پر ایک زوردار تھپڑ رسید کیا۔

"دا... دی"۔ وہ بے یقینی کے عالم میں دادی کو دیکھنے لگی۔ ہاتھ بے اختیار گال پر گیا، لاؤنج دھندلا ہو گیا۔ ایک پل کے لیے وہ لمحے کو سمجھ نہ پائی۔

"کمرے سے باہر ایک قدم بھی مت نکالنا، جاؤ"۔ دادی کی گرجدار آواز نے اس کی باقی ہمت بھی چھین لی۔ وہ شاک تھی۔ بے یقین تھی۔ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف لپکی۔

دروازے بند کرتے ہی وہ زمین پر گر پڑی۔ کمرے میں اندھیرا تھا، مگر یہ اندھیرا اس کے اندر

کی ٹوٹ پھوٹ کے آگے کچھ بھی نہ تھا۔وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی،اپنے آنسوؤں کو روکنے کی ہمت نہ رہی۔آنکھوں میں قید آنسو بے اختیار بہنے لگے۔اتنی ذلت،اتنی بعزتی؟۔

"مر جاؤ تم،مر جاؤ وائے ڈی"۔وہ ہاتھ زمین پر مارتی،وائے ڈی کو کوستی،اپنی بے بسی کی گہرائی میں ڈوبتی جارہی تھی۔دیواروں نے سب دیکھا۔مگر تسلی دینے والا کوئی نہیں تھا۔صرف ایک زخمی دل اور بہتے آنسو،جو اس کے دکھ کی گواہی دے رہے تھے۔

دکھ کی شب ہے طویل اور خواب سہانے دھندلے ہیں،
دل کے زخم پر مرہم لگے،پر بھر نہ سکے،
آنکھیں کہتی ہیں خاموش قصے،پر الفاظ تھم گئے،
یہ درد وہ تحفہ ہے جو محبت دے کر بھی چھین لے۔

"فاطمہ،مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی"۔اس جملے کا درد فاطمہ کے دل میں گہرائی سے جا کر اُتر گیا تھا۔غم واندوہ میں غرق،روتے روتے اسے یہ بھی اندازہ نہیں ہوا کہ ایک گھنٹہ اس کی اس حالت میں گزر چکا تھا۔فون کی بیل بجی،اور جیسے ہی اس کی آواز سنائی دی،وہ ہوش میں آئی۔"بابا کالنگ" دیکھ کر فوراً اس نے فون اٹھایا۔

""با.. با؟""۔اس نے بے یقینی سے کہا، حقیقت سے ٹوٹا ہوا سوال تھا۔"آ...پ کو مجھ پہ یقین نہیں؟""۔اس کا دل جیسے ٹوٹ کر باہر آ گیا۔

"یقین تھا، جب ہی آپ کو ہر قسم کی آزادی دی تھی، لیکن مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ آپ میرے یقین کو اس طرح توڑیں گی""۔وہ افسوس سے گویا ہوئے، اور فاطمہ کی آنکھوں میں گہرا دکھ اتر آیا۔ آج سے پہلے جو اسکینڈل بنیں، بابا نے اس کا ساتھ دیا تھا۔ لیکن کیا وائے ڈی کے گھر جانا اس کی اتنی بڑی غلطی تھی کہ بابا پوری بات سنیں بغیر اسے سزا سنا رہے تھے؟۔

"آپ کو مجھ پہ یقین نہیں، بلکہ اپنی ماں، بہن اور بھائی کی باتوں پہ یقین ہے، بابا"۔وہ تیز آواز میں، روتے ہوئے بولی۔

"فاطمہ، اپنا لہجہ درست رکھیے""۔انھوں نے سختی سے کہا، جیسے یہ الفاظ اس کے دل پر تیز چھری کی طرح لگے۔

"آپ نے صرف ان کی بات سنی اور یقین کر لیا، آپ کو مجھ سے بھی پوچھنا چاہیے تھا۔ لیکن ٹھیک ہے، میں اپنے کردار کی صفائی اب مزید کسی کو نہیں دوں گی""۔آنسو صاف کرتی وہ مضبوط دو ٹوک لہجے میں بولی۔

”فاطمہ...“۔انھوں نے کچھ اور کہنے کی کوشش کی، لیکن اس نے بیچ میں ہی بات کاٹ دی۔”آپ چاہتے ہیں کہ میں ویسا ہی کروں جیسا آپ کی اماں چاہتی ہیں؟ تو بے فکر ہو جائیں، اب میں وہی کروں گی“۔اپنی بات مکمل کرتے ہوئے،اس نے کال کاٹ دی۔

”محبت کے ہزاروں روپ ہوتے ہیں“۔اس کے لب دھیرے سے ہلے،خود کلامی کے انداز میں۔”ایک روپ کو پہلے بھی نبھایا تھا،آج بھی نبھاؤں گی،قربانی کی محبت...“۔خالی نگاہوں سے وہ زمین کو تک رہی تھی۔یہ وہ محبت تھی جو کسی دوسرے کی خوشی کے لیے اپنی خوشی قربان کرنے پر مبنی تھی۔وہ بابا کی خوشی کے لیے اپنی خوشی قربان کر دے گی۔

اس کی آنکھیں پھر سے بھیگی تھیں۔احسن کا اغواء، بابا کا رویہ، وائے ڈی کا اس کی زندگی میں آنا،عابد کی اونچی آوازیں،دادی کا تھپڑ،ہر لمحہ اس کے دل پر گہرا اثر چھوڑ رہا تھا۔کوئی بھی نہیں تھا جو اس کے دکھ میں شریک ہوتا،کوئی بھی نہیں تھا جو اس کا یقین کرتا۔

”غم کو دل میں دبایا نہیں کرتے،اور ہر کسی سے بانٹا بھی نہیں کرتے“۔اچانک ہی مس کا کہا ہوا جملہ اس کے کانوں میں گونجا۔اس لمحے میں اس جملے کا تازہ ہونا،وہ الجھ گئی۔اور پھر ساری توجہ اس جملے پر مرکوز ہو گئی۔

"میں غم میں مبتلا ہوں، چھپاؤں بھی نہیں، بتاؤں بھی نہیں"۔ وہ یہی اخذ کر پائی۔ دور کہیں مسجد سے آتی مغرب کی اذانیں اس کے کانوں میں اترنے لگی۔ اذان کے ساتھ ساتھ اپنے لبوں سے جواب دینے لگی۔ اسے سمجھ میں آنے لگا تھا۔

"غم کو چھپانا بھی نہیں ہے اور ہر کسی سے بانٹنا بھی نہیں ہے"۔ وہ سمجھ رہی تھی۔ وہ نمازیں یوں بھی ادا کرتی تھی۔ لیکن فرض سمجھ کر۔ کبھی خود کا دل ہلکا کرنے کی نیت سے وہ جائے نماز میں کھڑی نہیں ہوئی تھی۔ وہ واشروم سے وضو بنا کر نکلی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک نئی روشنی کی لہر دوڑ گئی، جیسے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو رہا تھا۔ نماز ادا کرنے کے بعد، وہ اپنے رب سے محو گفتگو تھی۔ اس کا وجود، جو پہلے ہچکولے کھاتا، رب سے ہر بات کر رہا تھا۔ دل جو بوجھ سے بھرا تھا، اب خالی ہونے لگا تھا۔ آج، اسے مس کی باتوں کا مفہوم سمجھ آ رہا تھا۔ وہ اب اپنے غم کا بوجھ کسی سے نہیں بلکہ اپنے رب سے بانٹ رہی تھی۔ فاطمہ کمال اکیلی نہیں تھی۔ اس کا رب اس کے ساتھ تھا۔ وہ ان سب لوگوں کو شکایتیں اپنے رب سے کر رہی تھی۔ جنہوں نے اس کا دل دکھایا تھا۔ کسی کو اس مقام پر نہیں لانا، جب وہ رو رو کر، اپنے رب سے تمہاری شکایتیں لگائے۔ کیونکہ پھر اس کا بدلہ اس کا رب لے گا۔ وہ اپنے بے قصور بندوں کو اکیلا نہیں چھوڑتا۔ بے شک وہ بہترین انصاف کرنے والا ہے۔

دنیا کے رشتہ میں جہاں محبت، انتظار اور توقعات کا تانا بانا ہوتا ہے، وہاں رب کے ساتھ کی گفتگو بے غرض اور بے تکلف ہوتی ہے۔

محبت کے ہزاروں روپ میں سے سب سے پیارا سب سے خوبصورت روپ اللہ کی محبت کا ہوتا ہے۔ان کے دل نور سے روشن ہو جاتے ہیں، جو اللہ کی محبت میں مبتلا ہوتے ہیں۔

"ماریہ، تم مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہی؟"۔۔۔۔ صبح کے دھندلے منظر میں فاطمہ ماریہ کے کمرے میں پہنچی۔ماریہ آئینے کے سامنے کھڑی، بال سنوار رہی تھی، اور فاطمہ کی موجودگی کو نظر انداز کر رہی تھی۔کمرے کا ماحول خاموش تھا، ان دونوں کے درمیان ایک غمگیں خلا تھا۔

"ماریہ، کچھ تو بولو، کیا تمہیں بھی میرا یقین نہیں؟"۔فاطمہ کے لہجے میں اضطراب تھا، اس کی آنکھیں سوگوار تھیں اور چہرہ ایک عجیب سی بے چینی کی غماز تھا۔اس نے ماریہ کا بازو پکڑ کر اپنی طرف گھمایا۔

"یقین ہے"۔۔ماریہ کی آواز مدھم اور ٹوٹ کر آئی۔وہ فاطمہ سے بازو چھڑاتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

تو پھر...؟"۔۔۔فاطمہ بے صبری سے گویا ہوئی، اور اس کے الفاظ میں مایوسی کی ایک گہری گونج تھی۔

"فاطمہ، جو اغواء ہوا وہ میرا بھائی ہے۔ میں چاہ کر بھی اپنا دل بڑا نہیں کر پا رہی ہوں"۔۔۔ماریہ نے سر جھکاتے ہوئے کہا، اس کی آواز میں ادھورے جذبات کی شدت تھی، دل کی ہر دھڑکن میں کوئی بوجھ تھا۔ احسن اور وہ جڑواں تھے۔

"میں جانتی ہوں آپ نے اسے اغواء نہیں کروایا، لیکن وہ شخص تو آپ کی وجہ سے ہی آیا تھا، آپ ہی وجہ سے اس نے احسن کو اغوا کیا؟"۔۔۔ماریہ کی آواز میں غم اور بے بسی کی لہر تھی۔ فاطمہ کی آنکھوں میں نمی تھی، لیکن اس کے چہرے پر ایک سکون کی لہر دوڑ گئی۔

"تم پریشان نہ ہو، ماریہ۔ میں اب تمہارے سامنے نہیں آؤں گی"۔۔۔اس نے گہری سانس لیتے ہوئے خود پر قابو پایا اور ایک پختہ فیصلہ کیا۔ وہ اس کے کمرے سے باہر نکل گئی، لیکن جب اپنے کمرے کی کھڑکی کے سامنے کھڑی ہوئی، اس کے دل میں اپنے سگے بہن بھائیوں کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ کمرے کی خاموشی میں کچھ لمحے گزارنے کے بعد، نیچے سے شور سن کر فاطمہ کا دل ہل کر رہ گیا۔

"یااللہ! اب کیا ہو گیا؟"۔۔اس نے گھبرا کر نیچے دوڑتے ہوئے قدم اٹھائے۔نیچے پہنچتے ہی،دادی سکینہ کی آواز جو نفرت سے بھری ہوئی تھی،اس کے کانوں میں گونجی۔

"اور کتنا ذلیل کرواؤ گی تم ہمیں؟"۔۔۔دادی کی نفرت میں ڈوبی آواز نے اس کے جسم میں ایک سرد لہر دوڑا دی۔

"میں؟ میں نے کیا کیا؟"۔۔۔اس کی آواز میں حیرانی تھی۔

"اب یہ بھی ہم بتائے؟ خدا غارت کرے تمہیں لڑکی"۔۔پھوپھی ریحانہ کی باتوں میں تلخی تھی،ان کے لفظ بھی زہر بن کر اس پر برس رہے تھے۔تائی کا رو رو کر برا حال تھا،اور اس کے رونے کی آواز نے پورے گھر میں ایک عجیب سی فضا پیدا کر دی تھی۔

"میں نے کچھ نہیں کیا"۔۔۔فاطمہ نے صفائی دینے کی کوشش کی،وائے ڈی کو دل ہی دل کوس چکی تھی۔ جس کی وجہ سے اسے صفائی دینی پڑ رہی تھی۔

"میرا فرمانبردار بچہ آج تھانے میں ہے، صرف تمہاری وجہ سے"۔۔۔۔تائی کی آواز میں شدت تھی،وہ اسے مکمل طور پر موردالزام ٹھہرا رہی تھی۔۔

"عابد؟ کیا ہوا ہے عابد کو؟ خدارا بتائیں، کہاں ہے وہ؟"۔۔۔فاطمہ بے تابی سے پوچھتی گئی۔جو بھی تھا اس کا رشتہ عابد کے ساتھ اس کے باپ نے طے کیا تھا۔

"بند کرو اپنے یہ ڈرامے"۔۔۔پھوپھی کی آواز غصے میں گونجی۔"پہلے اس گھر کے ایک بیٹے کو اپنی آوارہ عاشق کے ساتھ مل کر غائب کروا دیا،اور اب عابد کو تھانے بھجوا دیا۔چاہتی کیا ہو تم؟ایک بار بتادو؟کیوں برباد کر رہی ہو؟"۔۔چاروں طرف سے لعن طعن کی آوازیں اس کے ذہن میں گونج رہی تھیں۔

"میں برباد کر رہی ہوں؟"۔۔۔فاطمہ کے لب ہلے۔"میں تو خود برباد ہو رہی ہوں"۔۔۔اس کے الفاظ کی بے بسی اور بے گناہی کا احساس دل کو چھو رہا تھا۔

"اور کوئی نہیں ملا تھا تمہیں؟"۔۔۔ابراہیم عالم کی آواز میں نفرت اور غصہ تھا۔"جانتی ہو کس طرح کا شخص ہے وہ؟کیا کیا اس کے بارے میں مشہور ہے؟"۔

"ایسے کردار کی لڑکی کو،ایسا ہی قاتل اسمگلر بھا سکتا تھا"۔پھوپھی ریحانہ طنزیہ انداز میں بولی۔

"کیسا ہے کردار میرا؟"۔۔فاطمہ نے غصے سے پوچھا۔"آج مجھے آپ بتا ہی دیں"۔۔غصے کی شدت سے اس کی آواز کپکپا گئی۔"اتنا ہی بولیں جتنا بعد میں سہہ پائیں۔الفاظ پلٹ کر آتے ہیں یاد رکھیے گا"۔۔۔اس کی یہ بات سن کر وہ لوگ یکدم خاموش ہو گئے۔اس نے غصے میں بھرے قدم اٹھائے اور اوپر اپنے پورشن کی طرف روانہ ہو گئی۔۔

"اماں دیکھ رہی ہیں اس کی زبان کے جوہر، جلدی کچھ کریں اس کا۔ کہیں اب میرے بچوں کو کوئی نقصان نہ پہنچادے"۔۔

"قبول ہے"۔۔۔یہ الفاظ نہایت دقت سے ادا ہوئے تھے۔اس کی سماعت میں وائے ڈی کی آواز مسلسل گونج رہی تھی۔

"آؤں گا ضرور، لیکن عام مہمان کی حیثیت سے نہیں۔"

اور وہ آیا تھا،اپنے وعدے کے مطابق، لیکن عام مہمان کی حیثیت سے نہیں،دولہے کی حیثیت سے۔

دو دن تک وہ بے تحاشہ روئی تھی، لیکن اس وقت اس کی آنکھوں میں خشک بیابانی تھی۔اس کے احساسات جیسے برف میں بدل گئے تھے، کسی گہرے دکھ کا عکس اب ان میں نہیں تھا۔سفید رنگ کا فراک، جس پر سنہری گوٹا جڑا تھا،اس کی شان میں مزید اضافہ کر رہا تھا۔سر پر سرخ آنچل سجا کر وہ اپنے نکاح نامے پر دستخط کر رہی تھی۔دل میں تکلیف کی ایک لہر اٹھی تھی۔کتنے ارمان تھے اس کے اپنے نکاح کے بارے میں،اور آج،آج تو اس کے اپنے بابا بھی اس کے قریب نہیں تھے۔نکاح کے بعد دعا کے لیے سب نے ہاتھ اٹھائے، لیکن کسی

نے بھی اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ نہیں رکھا تھا، نہ ہی کسی نے اسے گلے لگایا تھا۔ عام طور پر نکاح کے بعد لوگوں میں خوشی کا ہنگامہ ہوتا ہے، لیکن یہاں ہر طرف موت کی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ یہ کیسا نکاح تھا؟

"فاطمہ ابھی میرے ساتھ جائیں گی"۔ کمرے کی خاموشی کو مردانہ آواز نے توڑا۔ اس نے آنکھیں میچ لیں۔

"ہاں، ہاں لے جاؤ"۔۔۔ دادی سکینہ کا غصہ ابھی بھی ختم نہیں ہوا تھا۔ "اس بدکردار لڑکی کو اب مزید برداشت نہیں کریں گے ہم"۔۔۔ فاطمہ کی آنکھوں میں بے بسی اور خوف کی شدت تھی، وہ اٹھی پھر اپنے تایا کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"میں نہیں جاؤں گی"۔۔۔ فاطمہ نے گیلی ہوتی سانس کو اندر کھینچا۔ "تایا، بابا کو آنے دیں پہلے"۔۔۔ اس کی اس آواز میں مضبوط ہونے کے باجود لڑکھڑا گئی۔

"تمہیں اس گھر میں ایک منٹ بھی برداشت نہیں کر سکتا میں"۔۔ تایا نے اسے بری طرح جھڑک دیا۔

"مراد، میڈم کو گاڑی میں بٹھاؤ"۔۔۔ مراد کو حکم دیا گیا۔ فاطمہ کمال نے لاونج سے باہر نکلتے ہوئے اپنا حوصلہ مجتمع کیا۔ لیکن اس کے دل میں ایک گہرا درد تھا۔

''الفاظ کا انتخاب سوچ سمجھ کر کریں۔اب فاطمہ کمال صرف کمال مصطفیٰ کی بیٹی نہیں، میری بیوی بھی ہیں''۔ سرد لہجے میں وارننگ دیتے انداز میں کہتا ہوا لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

مراد نے اسے ایک کمرے کے دروازے کے پاس چھوڑ کر چلا گیا تھا۔کمرے کے وسط میں ایک بیڈ رکھا ہوا تھا، سامنے ہی ایک ڈریسنگ ٹیبل تھا، اور ایک طرف صوفہ سجا تھا۔بیڈ کے سامنے ایک شاندار ڈریسنگ ٹیبل تھا جس کی سطح پر پر سنہری چمکتا آئینہ تھا۔آئینہ کی جھلک میں کمرے کا ہر زاویہ واضح ہو رہا تھا۔کمرے کے بائیں جانب دو دروازے تھے، ایک واشروم کا اور دوسرا ڈریسنگ روم کا۔اس نے ڈوپٹہ کھینچ کر سر سے اُتارا اور ماریہ کی پہنائی ہوئی سرخ چوڑیاں کلائی سے اُتار کر پھینک دیں۔ہذیانی انداز میں سر پکڑے وہ روتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ مختصر یہ کہ مضبوط دل والے بھی تھک جاتے ہیں۔دو دن میں کیا سے کیا ہو چکا تھا۔احسن کا اغوا، عابد کا تھانے جانا، اور پھر اس کا غیر متوقع نکاح اس شخص سے جسے وہ دل و جان سے ناپسند کرتی تھی۔

اسے دو گھنٹے پہلے کا منظر یاد آیا۔

"یہ کپڑے بدل کر آؤ"۔ پھوپھی نے اسے ایک گھیر ادار فراک پکڑائی۔ فاطمہ نے انھیں اُلجھے ہوئے انداز میں دیکھا۔

"یہ کپڑے ابھی کیوں؟"۔

"نکاح ہے تمہارا"۔

"میرا؟ کیا حسن اور عابد واپس آ گئے؟"۔۔ خوشگوار حیرانی سے وہ کھڑی ہو گئی۔

"ڈرامے بند کرو، بی بی۔ جس کے لیے تم نے ان دونوں کو پھنسایا، وہ ہوئے بغیر کیسے چھوٹ سکتے ہیں؟ اس بدمعاش کے ساتھ نکاح ہے تمہارا"۔۔۔ پھوپھی نے بیڈ پر زیور پھینکتے ہوئے نفرت سے کہا۔

"نن... نہیں۔ میں نہیں کروں گی، میرا رشتہ عابد سے طے ہے۔ آپ بابا کو آنے دیں"۔۔ اس کی آنکھوں میں خوف جھلکا۔ وہ کیسے کسی انجان شخص سے نکاح کر سکتی تھی؟۔

"بات ہو چکی ہے بھائی صاحب سے۔ اب تمہارا نکاح اسی سے ہو گا۔ وقت ضائع کیے بغیر تیار ہو جاؤ"۔ انھوں نے نفرت سے اسے دیکھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

''آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی ہیں؟ آپ تو میری پھوپھی ہیں۔اتنی نفرت کیوں کرتی ہیں مجھ سے؟ میرے ساتھ یہ ظلم نہ کریں، میں مر جاؤں گی''۔۔۔فاطمہ کی آواز بھرا گئی۔اس کا انداز التجائیہ تھا۔

''تو مر جاؤ، اچھا ہے، جان چھوٹے گی ہماری''۔۔۔پھوپھی نے اس کے ہاتھ جھٹکتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔فاطمہ خالی ہاتھ رہ گئی۔

''یااللہ، مجھ پر رحم فرمائیں!''۔۔۔گھٹنوں میں سر دیئے، وہ رونے لگی۔ابھی کل ہی تو عابد نے اسے امید کی کرن دکھائی تھی۔

اسے کل رات کا منظر یاد آیا، جب وہ کچن میں پانی لینے آئی تھی، اور عابد اپنے لیے کافی بنانے آیا تھا۔

''تم رکو، میں بنا دیتی ہوں''۔۔فاطمہ نے اس کے ہاتھ سے کپ لیا اور کافی بنانے لگی۔عابد کاؤنٹر پر کہنی ٹکائے اسے دیکھ رہا تھا۔چہرہ زردی مائل، اور آنکھیں روئی روئی اور سوجی ہوئی تھیں۔کرسی کھینچ کر وہ کاؤنٹر کے پاس بیٹھ گیا۔

''تم پریشان مت ہو''۔گلہ کھنکھارتے ہوئے عابد نے بات شروع کی۔

''کیا تم مجھ سے ناراض نہیں ہو؟''۔۔فاطمہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔۔

”نہیں، مجھے اس وقت غصہ تھا، بعد میں احساس ہوا کہ میں نے تم سے کتنی باتیں کہہ دی ہیں“۔۔۔وہ سر جھکائے، ماربل پر انگلیوں سے نشان بناتا ہوا بولا۔فاطمہ نے گہری سانس لے کر کافی کپ اس کے آگے رکھ دیا۔

"کوئی بات نہیں، تمہارا اس میں کوئی قصور نہیں"۔۔۔تھکن زدہ سی مسکراہٹ چہرے پر پھیل گئی۔وہ نرم دل کی مالک تھی۔اور اس بار خود کی غلطی سمجھ رہی تھی وائے ڈی کے گھر جانا۔

”فاطمہ، لیکن تمہیں وہاں نہیں جانا چاہیے تھا۔ایک شریف لڑکی کو اس شخص کے گھر نہیں جانا چاہیے تھا“۔عابد کی آواز میں بے بسی محسوس ہو رہی تھی۔

”میں جانتی ہوں، میری غلطی ہے، لیکن میں احسن کی محبت میں گئی تھی“۔اس نے گہری سانس بھری، یہی تو اس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔لیکن اگر غور کرتی تو یہ اتنی بھی کوئی بڑی غلطی نہ تھی۔جتنا برا ان لوگوں نے اس کے ساتھ کیا تھا۔

”یہاں بیٹھو“۔۔۔عابد نے ایک اور کرسی کھینچتے ہوئے اسے بٹھایا۔”اب جو ہو چکا سو ہو چکا، لیکن اب تم احتیاط کرو گی۔فکر نہ کرو، احسن مل جائے گا“۔

فاطمہ نے نم نگاہوں سے اسے دیکھا،اس کے الفاظ مرہم بن کر اس کے دل پر گر رہے تھے۔لیکن ہر مرہم اثر نہیں کرتا۔

"تمہیں مجھ پر یقین ہے؟"۔فاطمہ نے سوال کیا۔عابد نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تو تم دادی تائی سے بھی کہونا"۔

"یہ مشکل ہے ابھی، تم اس معاملے کو رہنے دو"۔عابد نے اس کے پاس سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"وہ میرے کردار پر بات کر رہی ہیں،عابد۔مجھے اس سے تکلیف ہو رہی ہے۔کم از کم تم میرے حق میں تو بولو"۔فاطمہ کی آواز میں مایوسی جھلک رہی تھی۔

"جو کچھ بھی ہوا ہے، تمہیں سننا پڑے گا۔وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا"۔۔۔عابد نے سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔"ڈونٹ وری"۔ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ، کپ اٹھاتے ہوئے وہ کچن سے باہر نکل گیا۔

پیچھے اس کے کانوں میں "ڈونٹ وری" کی بازگشت سنائی دیتی رہی۔بات اس کے کردار کی تھی،اور وہ کہہ رہا تھا'ڈونٹ وری'۔"میں یونہی بدگمان ہو رہی ہوں۔وہ بھی کیا کر سکتا

ہے؟"۔اس نے دھیان بٹایا اور نظر انداز کر دیا۔انھی سوچوں میں اس کی رات گزرنی تھی شاید۔

"افسوس ہوا"۔ارمان نے دھیرے سے کہا۔احسن کی گمشدگی کی بات ہر جگہ پھیل گئی تھی۔وہ اپنی ماں کے ساتھ ہسپتال آئی ہوئی تھی،جہاں اتفاقاً اُسے ارمان شاہد مل گیا۔اُس کی نظریں ماریہ کے چہرے پر ٹھہر سی گئیں۔"آنٹی کی طبیعت کیسی ہے؟"۔کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد اُس نے آہستگی سے پوچھا۔وہ دونوں ڈسپنسری کے قریب ہلکے سایہ دار پیڑ کے نیچے کھڑے تھے۔

"بہتر ہیں۔دوائیاں لینے آئی تھی"۔ماریہ نے اپنی آنکھیں جھکاتے ہوئے سر ہلایا اور شاپر کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ہسپتال کا ماحول اپنی مخصوص اداسی میں ڈوبا ہوا تھا۔ڈسپنسری کے قریب ایک بینچ پر بیٹھے مریض اور تیماردار اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ارد گرد کے درختوں کے پتوں پر ہلکی ہوا نے لرزش پیدا کر دی تھی،اور کہیں دور سے اسٹریچر کی کھڑکھڑاہٹ سنائی دے رہی تھی۔فضا میں جراثیم کش دواؤں کی ہلکی خوشبو رچی ہوئی تھی، جو ہسپتال کی ہر دیوار اور کونے میں موجود تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"فاطمہ کیسی ہے؟""۔ارمان نے اپنی نظروں میں تجسس اور دکھ سموئے ہوئے سوال کیا۔ماریہ کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا۔

"شادی ہو گئی ہے اُس کی...اُسی شخص کے ساتھ""۔اُس نے گہری سانس لی تھی۔جیسے کوئی بھاری بوجھ ہو سینے پہ۔یہ سن کر ارمان کے ماتھے پر شکنیں ابھریں۔

"یہ کیا کیا آپ لوگوں لوگوں نے؟فاطمہ ایسی نہیں تھی""۔اُس کی آواز میں حیرانی اور افسوس گھل گیا۔ماریہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"جانتی ہوں،یہ نکاح گھر والوں نے زبردستی کروایا ہے۔جانتی ہوں،اُس کے ساتھ ظلم ہوا ہے...یہی دکھ مجھے اندر سے بے چین کیے جا رہا ہے""۔وہ بے بسی سے بول رہی تھی۔

"آیئے،وہاں بیٹھتے ہیں""۔اس نے لکڑی کی بینچ کے جانب اشارہ کیا۔وہ سر ہلاتی چھوٹے قدم لیتی بینچ تک آئی۔

"پریشان ہیں؟مجھ سے شیئر کر سکتی ہیں""۔اس کی آواز میں نرمی،اعتماد اور گہرائی تھی،جو ماریہ کے دل کو تھوڑا قرار دے گئی۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہا... احسن ناجانے کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ میں جانتی ہوں، فاطمہ کا کوئی قصور نہیں۔ اُنہیں میری ضرورت تھی، لیکن میں اُن سے بات تک نہ کر سکی۔ یہ سب کیوں ہوا؟"۔ اُس کی آواز بھرا گئی اور وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی۔

"ماریہ، روئیں مت۔ سب ٹھیک ہو جائے گا"۔ اُس کی تسلی بھری آواز میں ایک سکون تھا۔ ماریہ نے اچانک اپنے ارد گرد دیکھا۔ لوگ آجا رہے تھے، کچھ بیمار، کچھ پریشان۔ وہ اپنی حالت پر شرمندہ سی ہو گئی اور جلدی سے آنسو صاف کرنے لگی۔

"سوری"۔ تیزی سے آنسو صاف کرتی، وہ شرمندگی سے گویا ہوئی۔

"یہاں دیکھیں، رونے سے منع اس لیے نہیں کیا کہ لوگ دیکھ کے کیا سوچیں گے۔ مجھے لوگوں کی پرواہ نہیں۔ آپ رو کر خود کو تکلیف دے رہی ہیں، اس لیے"۔ ماریہ نے اُسے حیرت سے دیکھا۔ اُس کی براؤن ٹی شرٹ اور جینز میں ملبوس صاف ستھری شخصیت، ہلکی داڑھی، اور پر سکون انداز اُسے بہت باوقار بنا رہا تھا۔

"کیا آپ احسن کو ڈھونڈ نہیں سکتے؟"۔ اُس نے بے حد امید بھری نظروں سے پوچھا۔

''اگر آپکی آنکھوں میں نہیں دیکھتا، تو میرا جواب نہیں ہوتا۔ لیکن اب، مجھے اُسے ڈھونڈنا ہوگا، ہر حال میں''۔۔اس کی آواز میں بہت سے جذبات اُمڈ آئے۔ ماریہ ابراہیم نظریں چرا گئی۔ وہ سر جھکاتے ہنس دیا۔

''کیوں ہنس رہے ہیں؟''۔ بال کو کان کے پیچھے کرتی، وہ کچھ خفگی سے پوچھی۔

''بس ایسے ہی''۔ وہ مسکرایا۔ اُس کی بے نیازی میں ایک عجیب کشش تھی۔ ''کچھ اور بھی کہنا ہے؟''۔ اسے اپنی جانب تذبذب کے عالم میں دیکھتا پا کر، خود ہی پوچھ کر اسکی مشکل آسان کر دی۔

''فاطمہ کی خیریت معلوم کر کے بتا دیں گے؟ وہ ٹھیک تو ہے؟''۔ وہ ہچکچاتے ہوئے انگلیوں کو آپس میں مروڑنے لگی۔

''معلوم کرتا ہوں۔ اور کچھ؟''۔ ارمان نے تابعداری سے پوچھا۔

''آپ کسی بات سے انکار کیوں نہیں کر رہے ہے؟''۔ وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

''کیونکہ مجھے یہ مشکل لگ رہا ہے''۔ ارمان نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

''کیا؟''۔ بے ساختہ انداز تھا۔

''انکار کرنا''۔ وہ لمحے بھر کے لیے رکا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

''بہت شکریہ۔اب میں چلتی ہوں''۔وہ تیزی سے کھڑی ہوگئی تھی۔

''شکریہ کی ضرورت نہیں۔ہاں،اگر نمبر دے دینگی تو آسانی ہوگی اطلاع دینے میں''۔اس کے ساتھ وہ بھی کھڑا ہوگیا۔وہ اس کے کندھوں تک آتی تھی۔ماریہ نے نمبر لکھوادیا۔اُن کی بات ہمیشہ رسمی رہی تھی،لیکن آج کی ملاقات مختلف تھی۔

''کوئی بھی مسئلہ ہو مجھے بتایئے گا''۔ارمان نے سنجیدگی سے کہا،ماریہ ممنون نگاہوں سے اسے دیکھتی سر ہلاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔پیچھے کھڑا وہ اسے دیکھتے رہ گیا۔

گھڑی کی سوئیاں دوپہر کے دو بجا رہی تھیں۔کمرے میں خاموشی اس طرح گونج رہی تھی جیسے کسی ویران میدان میں ہوا کی سرسراہٹ سنائی دے۔فاطمہ کمال،مہرون رنگ کے جوڑے میں ملبوس،بیڈ کے کنارے پر بیٹھی ہوئی تھی۔وہ دبیز قالین پر جھکے ہوئے اپنے نازک ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی،جو بے چینی سے اپنی انگلیوں کو مروڑ رہے تھے۔سر پر مہرون شیفون کا ڈوپٹہ بڑی بے ترتیبی سے رکھا ہوا تھا،اور اس کی چند بھورے بالوں کی لٹیں ڈوپٹے کی قید سے آزاد ہوکر اس کے رخساروں سے کھیل رہی تھیں۔بائیں کلائی میں براؤن اسٹریپ والی گھڑی وقت کی گواہ بنی ہوئی تھی۔

کل رات سے لے کر اب تک وہ اس بند کمرے میں تنہائی کے گھنے سائے میں گھری ہوئی تھی۔نہ کچھ کھایا تھا،نہ کوئی بات کی تھی۔ صبح ملازمہ ناشتے کی ٹرے لے کر آئی تھی، مگر اس نے اسے واپس بھجوادیا۔ بھوک سے اس کے معدے میں ہلچل ہو رہی تھی، لیکن نا جانے کیوں وہ ضد کی زنجیروں میں خود کو جکڑے بیٹھی تھی۔

کمرے کی کھڑکی کے پار، گہرے نیلے آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے ہوا کے دوش پر تیر رہے تھے۔ باغ کے سرسبز درختوں کی شاخیں ہوا کے نرم جھونکوں میں جھول رہی تھیں۔

اچانک دروازے کے کھلنے کی آواز نے فاطمہ کو چونکا دیا۔وہ تیزی سے پلٹی اور چند لمحوں کے لیے اس کی دھڑکن جیسے رک گئی۔دروازے کے درمیان فاز عالم کھڑا تھا،ہاتھ میں کھانے کی ٹرے لیے ہوئے۔وہ دروازہ اپنے پیر سے بند کرتے ہوئے اندر داخل ہوا۔ کل رات سے،اب وہ سامنے آیا تھا۔

"کھانا کھالیں"۔اس نے ٹرے کو سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔اس کی آواز میں ایک عجیب سی سنجیدگی تھی۔

''میں تمہارے حرام کے پیسوں کا کھانا نہیں کھاؤں گی''۔فاطمہ نے ایک نگاہ اس پر ڈالی اور پھنکارتے ہوئے کہا۔

اس کی بات پر فاز عالم ہنس دیا۔

''سیریسلی؟ یہ جس بیڈ پر آپ بیٹھی ہیں، یہ بھی میرے حرام کے پیسوں سے آیا ہے''۔اپنی گہری مسکراہٹ کے ساتھ وہ اسے دیکھنے لگا۔

فاطمہ کمال کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔وہ فوراً بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اسے ناگواری سے دیکھتے ہوئے کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔سورج کی روشنی کھڑکی کے شیشے سے چھن کر اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی،اور وہ روشنی اس کی بے بسی کو مزید نمایاں کر رہی تھی۔

''یہ جس فرش پر آپ کھڑی ہیں،اس پر لگا ماربل بھی میرے حرام کے پیسوں کا ہے''۔فاز عالم نے اس کے زچ چہرے کو دیکھتے ہوئے مزید کہا۔وہ اپنی بات کو دہرانے میں خاص لطف محسوس کر رہا تھا،جبکہ فاطمہ بے چینی سے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

''یہاں بیٹھنا اور کھڑے ہونا میری مجبوری ہے۔اللہ پاک مجھے معاف کر دیں گے''۔اس کی آواز دھیمی مگر دکھ سے بھری ہوئی تھی۔

"تو کھانا کھانا بھی آپ کی مجبوری ہے۔ یقین مانیں، اللہ آپ کو معاف کر دیں گے۔ کھا لیجیے، کیونکہ اب آپ کو یہی رہنا ہے"۔ فاز عالم نے ایک لمحے کے لیے اس کی بات کو نظرانداز کیا اور کھانے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ کہتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے مڑا اور کمرے سے باہر نکل گیا، دروازہ بند ہونے کی آواز کمرے میں دیر تک گونجتی رہی۔

فاطمہ نے پلٹ کر ٹرے کی طرف دیکھا، مگر اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ اس نے اپنی نظریں آسمان پر ڈال دیں۔

"کہاں ہو، احسن؟ میرے بھائی؟ دیکھو، میری آنکھیں بار بار بھیگ رہی ہیں"۔

اس کے ذہن کے پردوں پر احسن کی وہ آخری بات گونجنے لگی۔

"جب بھی کوئی آپ کو رلانا چاہے گا، تو آپ اپنی آنکھوں میں آنسو لانے سے پہلے مجھے بتائیے گا۔ میں اس کا منہ توڑ دوں گا"۔

یہ یاد، یہ الفاظ، اس کے دل میں کسی زخم کی طرح تیر رہے تھے۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی، جہاں سورج کی روشنی رفتہ رفتہ مدھم ہو رہی تھی۔ اس لمحے، کمرے کی ہر چیز جیسے اس کے دکھ کو خاموشی سے محسوس کر رہی تھی۔

دن کسی ادھورے افسانے کی طرح گزر رہے تھے، اور گزرتے جا رہے تھے۔ ہر گزرتا لمحہ احسن کی گمشدگی کی کہانی کو مزید تاریک کر رہا تھا۔ عابد کی رہائی کے بعد گویا سب کچھ معمول پر آنے لگا تھا، مگر حقیقت یہ تھی کہ کچھ بھی معمول پر نہیں تھا۔ تائی دوبارہ اپنی پرانی زندگی میں مصروف ہو گئی تھیں، لیکن چچی کے لیے کمرے کی دیواریں ہی دنیا بن گئی تھیں۔ ان کے چہرے پر گمشدہ جوان بیٹے کا غم ایک دائمی سایہ بن گیا تھا، جو انہیں وقت سے پہلے بوڑھا کر رہا تھا۔

ماریہ، جو کبھی زندگی سے بھرپور اور خوابوں سے مزین تھی، اب خاموشی کی چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔ بھائی کی جدائی اور فاطمہ کی دوری نے اس کی روح کو جیسے پژمردہ کر دیا تھا۔ پڑھائی کا وہ شوق، جو کبھی اس کی پہچان تھا، اب دم توڑ چکا تھا۔ اس کی زندگی کا محور اب صرف ماں کی خدمت بن چکا تھا۔ دوائی دینا، کھانے کا خیال رکھنا، اور ان کی صحت کی دعائیں کرنا۔

لیکن انہی اندھیروں میں، ایک روشنی کا جھونکا اس کی زندگی میں داخل ہو رہا تھا۔ ارمان شاہد، جو اس کے دکھوں کا ساتھی بن گیا تھا، اس کی زندگی میں امید کا چراغ روشن کر رہا تھا۔ وہ جو پہلے ہی دل کو بھاتا تھا، اب جیسے دل کی دھڑکن بن چکا تھا۔ وہ ماریہ کے ہر درد میں اس کے ساتھ تھا، ہر گرتے آنسو کو سنبھالنے والا، ہر مایوسی کو امید میں بدلنے والا۔

کمرے میں سورج کی نرم دھوپ بکھری ہوئی تھی، جو کھڑکی کے راستے اندر آکر ہر چیز کو سنہری روشنی سے منور کر رہی تھی۔ کمرے میں موجود ہلکی ہوا کے جھونکے پردوں کو ہلکے ہلکے لہرا رہے تھے، جیسے کسی نادیدہ گیت کا حصہ ہوں۔ ماریہ بیڈ کی چادر بدل رہی تھی، اور بیڈ شیٹ کی تہوں میں الجھتے ہوئے وہ تکیے کا غلاف پہناتی جا رہی تھی۔ اچانک موبائل کی گھنٹی بجی تو وہ چونک گئی۔ جلدی سے تکیہ بیڈ پر رکھ کر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف لپکی۔ ''السلام علیکم''۔ اس نے کال اٹھاتے ہی نرمی سے کہا۔

''وعلیکم السلام! کیا کر رہی تھیں؟''۔ دوسری طرف سے آنے والی آواز میں ایک دھیما سا تبسم چھپا ہوا تھا، جو سننے والے کے دل کو بے اختیار سکون دیتا تھا۔

ارمان کی بات سنتے ہی ماریہ کو دو دن پہلے کی گفتگو یاد آگئی۔ وہ گفتگو جب ارمان نے پوچھا تھا، "اس دور میں خصوصاً ہائی کلاس میں جہاں سلام کی جگہ ہیلو نے لے لی تھی۔ تب بھی وہ گفتگو کا آغاز سلام سے کیسے کرتی تھی۔ اور اس نے کہا تھا فاطمہ کی صحبت کا اثر ہے"۔ اس بات پر دونوں مسکرائے تھے۔ فاطمہ کمال خاص تھی۔ بہت خاص۔

''کہاں کھو گئی ہیں؟''۔ارمان کی آواز نے اسے خیالات کے سمندر سے نکالا۔

''جی؟ بولیے، کیا کہہ رہے تھے؟''۔ماریہ نے ہڑبڑاتے ہوئے پوچھا۔

''پہلے یہ بتائیں، کیا سوچ رہی تھیں؟''۔ارمان نے نرمی سے کریدا۔

ماریہ نے لمحے بھر کے لیے چپ رہ کر کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہ۔''فاطمہ کی یاد آ گئی۔میری ہر بات، ہر سوچ اس سے جڑی ہے۔میں کیسے بھول سکتی ہوں اسے؟''۔اس کی آواز لرز گئی تھی۔دوسری طرف ارمان بے چین ہو گیا۔

''آپ اسے کیوں بھولیں گی؟''۔اس کا لہجہ مضبوط اور پراعتماد تھا۔''یہ جدائی عارضی ہے، ہمیشہ کی نہیں۔یقین مانیں، آپ دونوں جلد ملیں گی۔ٹرسٹ می''۔

ماریہ نے ایک لمحے کے لیے بند دروازے کو دیکھا اور دھیمی آواز میں کہا۔''ان شاء اللہ''۔ارمان کی مسکراہٹ اس کے الفاظ میں جھلکنے لگی۔

''آپ کو ایک بات بتانی تھی''۔اس نے بات کو آگے بڑھایا۔

''جی کہیے''۔ماریہ بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔

''فاطمہ بالکل ٹھیک ہیں۔اس کی طرف سے بالکل پریشان نہ ہوں۔اور وہ ٹھیک ہی رہے گی، پہلے سے زیادہ ٹھیک''۔ارمان کے لہجے میں اطمینان جھلک رہا تھا۔ماریہ الجھ گئی۔

''کیا مطلب؟''۔اس نے بے چینی سے پوچھا۔

''ابھی آپ صرف یہ یاد رکھیں کہ وہ ٹھیک ہے۔اچھا، یہ بتائیں، آنٹی کی طبیعت کیسی ہے؟''۔ارمان نے نرمی سے موضوع بدل دیا۔

''ٹھیک ہیں امی''۔ماریہ کچھ لمحے خاموش رہی، جیسے اس کی باتوں میں معنی تلاش کر رہی ہو۔پھر وہ مسکرادی، ایک ایسی مسکراہٹ جو اس کے اندر امید کا دیا جلا گئی تھی۔کمرے میں موجود سنہری روشنی اب پہلے سے زیادہ روشن محسوس ہو رہی تھی، جیسے ارمان کی باتوں نے ماحول کو بھی سکون بخش دیا ہو۔

اسے ایک ہفتے ہو گیا تھا مینشن آئے۔دن کے آخری پہر کا سکوت مینشن کی وسیع دیواروں میں ٹھہرا ہوا تھا، جیسے وقت نے تھوڑی دیر کے لیے سانس روک لی ہو۔فاطمہ کمال بڑے ہال میں کھڑی تھی، جہاں دیواروں پر لگی بھاری پینٹنگز اور چھت سے جھولتا خوبصورت فانوس اپنی موجودگی کا احساس دلا رہے تھے۔مگر فاطمہ کے چہرے پر جو بے چینی تھی، وہ اس سجے سنورے ماحول کو بھی بے جان بنا رہی تھی۔

"تمہارے سر کدھر ہیں؟"۔ فاطمہ کا لہجہ کڑا تھا، اس کی آنکھوں میں عجیب سی تپش تھی جو اندر ہی اندر بھڑک رہی تھی۔ فاطمہ کمال اس مینشن کے لیے پہلے کی طرح کی نرم گو، معصوم لڑکی نہیں تھی۔ اس کا تلخ رویہ ملازموں کو کھٹک رہا تھا، مگر وہ کہنے کی جرات نہ رکھتے تھے۔

"میم، وہ سر میٹنگ میں بزی ہیں"۔ ملازمہ نے ہوئے جواب دیا۔ فاطمہ کی ہونٹوں پر ایک تلخ ہنسی بکھری۔

"میٹنگ؟ یہ کہو کہ حرام کاموں کی پلیننگ میں مصروف ہے"۔ اس کے الفاظ تیر کی طرح نکلے اور ماحول میں گونجنے لگے۔

"آپ تو حلال کاموں کی پلیننگ کرتی ہیں نا، فاطمہ کمال۔ بس یہی دھیان رکھیے کہ کہیں کوئی حرام کام سرزد نہ ہو جائے"۔ پیچھے سے برف سی ٹھنڈی آواز آئی۔

اس آواز نے فاطمہ کو ساکت کر دیا۔ وہ ٹھٹک گئی، جیسے ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر دوڑ گئی ہو۔ اگلے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھالا اور گردن موڑ کر دیکھا۔ ملازمہ جا چکی تھی، اور دروازے پر فاز عالم کھڑا تھا، اپنی مخصوص پراسرار سنجیدگی کے ساتھ۔

"میں تمہاری جیسی نہیں ہوں۔نہ کبھی حرام کاموں کو چھوا ہے،نہ آئندہ کبھی ایسا ہوگا"۔فاطمہ نے تنی ہوئی گردن اور ناگواری سے کہا۔اس کی آنکھوں میں اپنے اصولوں کا غرور تھا۔فاز عالم کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

"ہاں،آپ تو صوم وصلوٰۃ کی پابند،پرہیزگار فاطمہ کمال ہیں،اور کہاں میں،جو گناہوں کے دلدل میں ڈوبا ہوا ہوں"۔۔

"بالکل،تمہارا اور میرا کوئی مقابلہ ہی نہیں"۔۔فاطمہ نے گردن اور بھی اونچی کرلی.فاز عالم کو اٹھی ہوئی گردن اچھی نہیں لگی۔اس کی مغروریت کو نظرانداز کرتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف قدم بڑھائے۔

"بالکل ٹھیک کہا۔آپ کا اور میرا کوئی لیول نہیں"۔وہ طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہتا ہوا اوپر چڑھنے لگا۔

"رکو!مجھے تم سے بات کرنی ہے"۔فاطمہ نے بلند آواز میں کہا اور اس کے پیچھے لپکی۔فاز عالم سیڑھیوں کے درمیانی حصے میں رک گیا۔دونوں کے درمیان صرف ایک سیڑھی کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

"جو بھی کہنا ہے، کمرے میں آکر کہیے"۔اس نے اپنی مخصوص ٹھنڈی سنجیدگی کے ساتھ کہااور باقی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔فاطمہ نے غصے سے پیر پٹخااور اس کے پیچھے چل پڑی۔کمرے میں داخل ہو کر اس نے زور سے دروازہ بند کیا، جس کی آواز کمرے میں گونج اٹھی۔فاز عالم، جو دراز سے ایک فائل نکال رہا تھا، اس شور پر رک کر اسے دیکھنے لگا۔پھر دوبارہ گردن جھکالی۔

"مجھے اپنے گھر جانا ہے"۔فاطمہ نے اپنی جگہ پر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔اس کے لہجے میں ہٹ دھرمی اور آنکھوں میں ضد تھی۔

"آپ اپنے گھر میں ہی ہیں"۔اس نے بنا سر اٹھائے آرام سے کہا۔فاطمہ نے دانت بھینچ لیے۔

"مصطفیٰ ہاؤس جانا ہے مجھے"۔اس نے لفظوں کو چبا چبا کر کہا۔فاز عالم نے اپنی مسکراہٹ چھپائی، جو اس کے لبوں تک آتے آتے رک گئی۔

"تو جائیں، کس نے منع کیا ہے؟"۔وہ اب بھی فائل پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔

"تم کچھ کرو گے نہیں؟ کسی کو نقصان نہیں پہنچاؤ گے؟"۔فاطمہ نے خوف اور شک میں ڈوبی آواز میں کہا۔

Clubb of Quality Content

"اس صورت میں، جب آپ شام تک واپس لوٹ آئیں گی"۔ فائل بند کرتے ہوئے پوری طرح سے اس کی طرف متوجہ ہوا۔ فاطمہ کے ہاتھ مٹھیاں بن گئے۔ پچھلے ایک ہفتے میں وہ کئی بار فرار کی کوشش کر چکی تھی، اور ہر بار ناکامی کا سامنا کیا تھا۔ آج، اس نے سیدھا فاز عالم سے بات کرنا بہتر سمجھا تھا۔

"تم دنیا کے سب سے برے مرد ہو۔ تم قاتل ہو، صرف انسانوں کے نہیں، بلکہ ان کے سکون اور خوشیوں کے بھی"۔ وہ آنکھوں میں آنسو لیے چلائی۔

"کیا آپ جانتی ہیں کسی گینگسٹر کی تحویل میں رہنا کیسا ہوتا ہے؟ ایک ایک لمحہ خوف میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ سانس رک رک کر آتی ہے، نیند خواب بن جاتی ہے۔ مگر آپ؟ کیا آپ نے غور کیا ہے کہ آپ کو کوئی خوف لاحق نہیں۔ آپ ہر قسم کے خوف سے آزاد، یہاں کھڑے ہو کر مجھ سے اونچی آواز میں بدتمیزی کر رہی ہیں۔ نہیں سوچی ہو نگی نہ تو سوچیے گا۔ ورنہ میں آپ کو سوچنے پر مجبور کر دوں گا"۔ فاز عالم نے اس کی طرف قدم بڑھایا اور برف سی ٹھنڈی آواز میں گویا ہوا۔ فاطمہ کے قدم جیسے زمین میں جم گئے۔ وہ اپنی بات ختم کر کے کمرے سے نکل گیا۔ کمرے کی بھاری خاموشی میں صرف فاطمہ کی تیز سانسیں سنائی

دے رہی تھیں۔ وہ اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی، اور اس لمحے، پہلی بار، اس نے خوف کا وہ سایہ اپنے دل میں سرسراتے ہوئے محسوس کیا۔

لاؤنج کی خاموش فضا میں اچانک ہلکی ہلکی چاپ گونجنے لگی۔ مضبوط قدموں کی چاپ، جیسے کسی نے اپنے ارادوں کو زمین پر نقش کر دیا ہو۔ فاطمہ کمال، پستہ رنگ کی فراک اور ہم رنگ ٹراؤزر پہنے، کندھے پر گلابی اور پستہ رنگ کا ہلکا سا دوپٹہ ڈالے، دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ اس کے لمبے بھورے بال کھلے تھے، حسب معمول بولگا یا ہوا تھا۔ اور ہونٹوں پر گلابی لپ اسٹک کی چمک نمایاں تھی۔ اس کے قدموں میں خود اعتمادی تھی۔

لاؤنج میں موجود ہر آنکھ اسے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ وہ فاطمہ کو اس روپ میں دیکھنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ لمحوں میں حیرانی غصے میں بدل گئی۔

"تم... تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"۔ دادی سکینہ کی کرخت آواز لاؤنج کی خاموشی کو چیر گئی۔

"میکے آئی ہوں، دادی۔ کیا مجھے بیٹھنے کا نہیں کہیں گی؟ بلکہ کہیں گی بھی کیوں؟ اپنے ہی گھر میں کیا کوئی دوسرا بیٹھنے کا کہے گا؟"۔ اس کے لہجے میں ایک معصوم طنز چھپا تھا، اور وہ آرام سے صوفے پر بیٹھ گئی۔

””تمہاری جرات کیسے ہوئی؟ ابھی اسی وقت کھڑی ہو اور دفع ہو جاؤ اپنی منحوس شکل لے کر“۔ چچی ہانپتے ہوئے غصے سے چلائیں۔ ماریہ نے فوراً آگے بڑھ کر انہیں سہارا دیا اور بیٹھایا۔ چچی کے چہرے پر کمزوری کے آثار نمایاں تھے، لیکن غصہ اب بھی ان کی آنکھوں میں دہک رہا تھا۔

””کیوں آئی ہو؟ چاہتی کیا ہو تم؟ تم جیسی بد کردار لڑکی کی اس گھر میں کوئی جگہ نہیں۔ کر لی ہے اپنی پسند کی شادی؟ اب رہو وہیں، کیوں ہماری جان عذاب میں ڈالنے آگئی ہو؟“۔ پھوپھی ریحانہ کا زہر بھرا لہجہ کمرے کی فضا کو مزید بوجھل کر گیا۔ یہ لفظ "بد کردار" فاطمہ کے دل میں تیر کی طرح پیوست ہوا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا، اور وہ صوفے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

””میں نے کی ہے اپنی پسند سے شادی؟ یا آپ لوگوں نے زبردستی کروائی ہے؟“ اس کی آواز کانپ رہی تھی، لیکن اس میں جو طاقت تھی، وہ سب کو چپ کرا گئی۔

””مام سے تمیز سے بات کرو فاطمہ“۔ علینہ تیز لہجے میں بولی۔

"تم مجھے تمیز نہ سکھاؤ تو بہتر ہے"۔ایک کاٹ دار نگاہ اس پر ڈالی تو وہ اچانک ہی پیچھے ہو گئی۔احسن کی کڈنیپنگ میں علینہ کا ہاتھ نہیں تھا۔اس لیے فاطمہ کمال فلوقت اسے چھوڑ دی تھی۔

"ہم پر الزام لگاتی ہو، لڑکی؟خود نا جانے کیا کیا کرتی رہی ہو،اور اب ہمیں قصوروار ٹھہرا رہی ہو؟اس گھر کو عذاب میں ڈال دیا۔احسن ابھی تک لا پتہ ہے،اور اپنے بابا کے سامنے اچھی بننے کے لیے ڈرامے کیے جا رہی ہو"۔دادی سکینہ برہمی سے بولی۔

فاطمہ نے ایک گہری سانس لی،اپنی آنکھوں میں موجود نمی کو روکنے کی کوشش کی،اور دادی کے قریب جا کر ان کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"اچھے لوگوں کو اچھا بننے کی اداکاری نہیں کرنی پڑتی۔جیسے آپ لوگوں کو کرنی پڑتی ہے،میرے بابا کے سامنے۔آج بتا ہی دیں،کیوں کرتی ہیں مجھ سے اتنی نفرت؟"۔

"جاننا چاہتی ہو؟تو سنو۔سوتیلی ہو تم۔اس گھر میں تمہارے باپ کے علاوہ تمہارا کوئی سگا رشتہ نہیں ہے۔ماریہ اور احسن بھی نہیں۔یہی وجہ ہے۔اب یہ بات جان گئی ہو،تو یہاں سے چلی جاؤ،اور پلٹ کر کبھی مت آنا"۔دادی سکینہ نے ایک لمحے کے لیے اسے گھورا،پھر تلخ لہجے میں تلخ داستان سنا دی۔دادی کے الفاظ کسی زہر کی طرح فاطمہ کی رگوں میں اتر

گئے۔اس کے قدم لڑکھڑائے، آنکھیں دھندلا گئیں،اور لگا کہ لاؤنج کی چھت اس پر آ گری ہو۔یوں لگا اب وہ اس ملبے سے خود کو نکال نہیں پائے گی۔

"آپ؟ آپ لوگ؟ ماریہ، تم..."۔اس کے ہونٹوں سے بے ربط الفاظ نکلے۔آواز لرز رہی تھی، جیسے دل کی گہرائیوں سے چیخ رہی ہو۔ماریہ قریب آتے اسے اپنے ساتھ لگائی تھی۔کئی آنسو اس کے کندھے بھیگو گئے۔لاؤنج میں موجود ہر دل سخت تھا۔کوئی بھی ان کے آنسوؤں سے متاثر نہ ہوا۔

"یہ ڈرامہ بند کرو اور جتنی جلدی ممکن ہو، یہاں سے نکل جاؤ"۔تائی کی کرخت آواز گونجی۔فاطمہ نے آنکھوں سے آنسو صاف کیے اور اپنے چہرے پر سنجیدگی طاری کی۔مگر اس کے دل میں طوفان برپا تھا۔

"بس کردیں آپ لوگ۔کس مٹی کے بنے ہیں؟ اتنے بے رحم، اتنے ظالم؟ آپ لوگوں سے تو اللہ حساب لے گا"۔۔وہ خود بھی اس حقیقت سے انجان تھی۔برداشت سے باہر ہوا تو چیخ پڑی۔

"ماریہ، درمیان میں مت بولو"۔چچی نے اسے گھوری، لیکن ماریہ نے ان کی بات کو نظرانداز کردیا۔

''آپ لوگ چاہتے ہیں نا کہ یہ یہاں سے چلی جائے؟ یہ چلی جائیں گی۔ آدھا گھنٹہ دیں، صرف آدھا گھنٹہ''۔ ماریہ نے سرد لہجے میں کہا اور فاطمہ کا ہاتھ تھام کر اسے اس کے پورشن کی طرف لے گئی۔

کمرے میں ہلکی روشنی ایک زرد لیمپ سے پھوٹ رہی تھی، اور چار افراد اپنے اپنے خیالات میں ڈوبے خاموش بیٹھے تھے۔ اچانک فاخر کی استہزائیہ آواز نے اس سکوت کو توڑ دیا۔

''بہت پر اعتمادی سے کہہ رہے تھے کہ ہم اسے اس بار ہرا دیں گے۔ تو بتاؤ، کیا ہوا پھر؟''۔ اس کی آواز میں چھپا طنز زوہیب کو جھنجھوڑنے کے لیے کافی تھا۔ سامنے بیٹھے شخص کا سر جھکا ہوا تھا۔

''تم نے اسے ہرایا یا پھر اس نے تمہیں؟''۔ فاخر نے ہنستے ہوئے پھر وار کیا۔ یہ جملہ تیر کی طرح لگا۔

''میں اسے اس دنیا سے بھیج کر ہی رہوں گا''۔ وہ شخص یکدم سر اٹھا کر بولا، اس کے لہجے میں انتقام کی آگ تھی۔

''خواب دیکھنے پر پابندی نہیں ہے، دیکھ لو جتنے دیکھ سکتے ہو''۔ فاخر ہنس پڑا۔

"ہوا کیا تھا؟ ساری تفصیل بتاؤ؟"۔ شاہد عباسی، جواب تک خاموشی سے سب دیکھ رہے تھے، سیدھے ہو کر بیٹھے۔ ان کی آنکھوں میں سنجیدگی تھی۔

اس سوال کے ساتھ ہی وہ شخص ماضی کی گہرائیوں میں چلا گیا۔ کچھ دن پہلے کا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرانے لگا

سورج ڈھلنے کے قریب تھا۔ وہ اپنے دوست سے ملاقات کے بعد گاڑی میں واپس آ رہا تھا۔ سڑک سنسان تھی۔ اچانک ایک پولیس موبائل نے اسے روکا۔ گاڑی کے ٹائروں کی چیخ کے ساتھ ہی سب کچھ رکا۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟ میرا قصور کیا ہے؟"۔ وہ چیختا رہا، سوال کرتا رہا، لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ اسے گھسیٹ کر پولیس موبائل میں بٹھایا گیا، اور وہ بے بسی سے دیکھتا رہ گیا۔

کئی گھنٹوں بعد وہ ایک تاریک حوالات میں بند تھا۔ چھت پر لگا ہوا ایک زرد بلب مدھم روشنی دے رہا تھا۔ سرد ہوا دیواروں سے ٹکرا کر اس کے جسم کو چھو رہی تھی۔ وہ کرسی پر بیٹھا اپنے ہی خیالات میں الجھا ہوا تھا کہ دروازہ کھلا، اور ایک سایہ اندر داخل ہوا۔

وہ شخص خوبصورت، دراز قد، اور کسرتی جسم کا مالک تھا۔اس نے سیاہ ہائی نیک، سیاہ ہی رنگ کی جینز، اور کیمل کلر کا کوٹ پہن رکھا تھا۔اس کے قدم مضبوط اور فاتحانہ تھے۔ وہ سکون سے چلتا ہوا اس کے سامنے رک گیا اور پھر کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ وہ ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ماحول کی خاموشی اور اس شخص کی موجودگی نے اس کے دل میں خوف بھر دیا۔

"تت... تم؟" اس کی آواز لرزی تھی۔

"تم نے مجھ سے ملنا چاہا، تو میں آگیا۔ حیران ہونے کی کیا بات ہے؟". شخص ہلکا سا ہنسا

"تم نے مجھے بند کروایا ہے؟ تمہاری جرات کیسے ہوئی؟"۔اس نے غصے میں آکر چیخا۔

"جرات کی بات مجھ سے مت کرو۔ تمہیں لگتا تھا کہ تم میرا پیچھا کرو گے؟ میری حرکات پر نظر رکھو گے، اور مجھے معلوم نہیں ہو گا؟"۔ وہ شخص خاموش ہوا اور اپنی کرسی سے جھکا۔اس کی چمکتی ہوئی پراسرار آنکھیں اندھیرے میں مزید چمک رہی تھیں۔

"فاطمہ کمال سے پہلی ملاقات تو میں نے اپنے لیے کی تھی، لیکن باقی کی تمہارے لیے۔ ہر بار جب میں اس سے ملا، میرا مقصد تمہیں ہی دکھانا تھا تاکہ تم اس بات پر یقین کر لو

جو تم سوچ رہے ہو، وہ سچ ہے"۔ سامنے والا شخص دم بخود رہ گیا۔اس کے ذہن میں الجھنوں کا طوفان تھا۔

"تو تم جان بوجھ کر یہ سب کر رہے تھے؟"۔اس نے بے ربط جملے ادا کیے۔

"ہاں، اور تم نے میرا کام مزید آسان کر دیا۔ یہ سب تم میری مرضی سے کر رہے تھے، اور اب، تم خود کو بے بس محسوس کر رہے ہو"۔ پھر وہ شخص کھڑا ہوا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"تمہیں شاید کسی نے بتایا نہیں کہ میں ہر پلان کو ناکام کرنے میں ماہر ہوں"۔اس کی آواز میں سکون تھا۔

فاخر کی آواز نے اسے جیل کے کمرے سے حال میں لا پٹخا۔

"اب تمہیں یقین ہو گیا ہو گا کہ وہ کوئی آسان ہدف نہیں ہے؟"۔ فاخر نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"وہ اس لڑکی کو حاصل کرنا چاہتا تھا، کسی اور مقصد کے لیے، لیکن وہ اس کی کمزوری نہیں تھی۔ ہم نے تمہارے کہنے پر یقین کر لیا کہ وہ اس عورت کی محبت میں مبتلا ہے"۔۔شاہد عباسی سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"اب کی بار سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا۔ یہ تمہارے بس کی بات نہیں"۔۔

"انسان کبھی نہ کبھی تو مات کھاتا ہے، اور وہ بھی کھائے گا"۔۔زوہیب انتقام کی آگ میں جل رہا تھا۔

"کر لو شوق پورا، لیکن یاد رکھو، اب کی بار ہم تمہیں بچانے نہیں آئیں گے"۔۔فاخر سلمان طنزیہ اسے دیکھے۔

فاطمہ کا دل ایک گہرے سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔ماریہ اس کے قریب بیٹھی، اس کی حالت دیکھ کر بے چینی سے سوال کر رہی تھی۔

"فاطمہ، آپ ٹھیک ہیں نا؟"۔اس کی آواز میں محبت اور فکر تھی۔

"میں ٹھیک ہو سکتی ہوں کیا؟"۔یہ سوال خود میں ایک کرب تھا۔اس کی آنکھوں میں نمی اور گہری تھکن تھی

"میں پھوپھی دادی کے رویے کے بارے میں نہیں پوچھ رہی، آپ اُس گھر میں ٹھیک ہیں؟ وہ آپ پہ ظلم تو نہیں کرتا نا؟"۔ ماریہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے، پوری حساسیت سے کہہ رہی تھی۔

"ظلم؟"۔ وہ ایک لمحے کے لیے گم ہو گئی۔ "ایک ہفتہ گزر گیا ہے لیکن اسنے کچھ کہا ہی نہیں۔ سمجھ ہی نہیں آتا وہ مجھے کیوں حاصل کرنا چاہتا تھا؟ اُس گھر میں مجھے ہر چیز میسر ہے، اگر کچھ نہیں تو وہ رشتے ہیں"۔۔اس کی آواز میں ایک غمگیں سرگوشی تھی

"وہ کون سا یہاں آپ کو میسر ہیں؟ یہ سب آپ کو اس گھر میں دیکھنا ہی نہیں چاہتے۔ آپ جو کچھ بتائی ہیں، اس سے تو یہی لگتا ہے کہ وہ آپ کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ آپ کچھ دن وہی رہیں فاطمہ۔ مجھے لگتا ہے آپ وہاں محفوظ رہیں گی"۔۔ماریہ کی آنکھوں میں غم اور اضطراب تھا۔

"محفوظ؟"۔ فاطمہ کی آواز میں ایک دلخراش درد تھا۔ "کیا میں ایک گینگسٹر کے ساتھ محفوظ ہو سکتی ہوں؟ کیا پوری دنیا میں وہ شخص ہی میرا نصیب تھا؟"۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے تھے، وہ ایک ادھورے خواب کی طرح بیٹھی تھی۔

''آپ کے پاس ابھی کوئی آپشن نہیں ہے سوائے وہاں رہنے کے۔جب تک تایا ابو نہیں آ جاتے،آپ وہاں رہیں۔پھر ہم کچھ کریں گے''۔۔وہ سمجھداری سے کہہ رہی تھی

''بابا؟ان کی مرضی سے تو ہوا ہے سب۔میں بے قصور تھی۔اگر قصوروار بھی ہوتی تو میرا گناہ اتنا بڑا نہیں تھا کہ انھوں نے میری زندگی ایک گینگسٹر کے ساتھ جوڑ دی''۔اس کے لہجے میں شکایت اور مایوسی کی کرچیاں تھیں۔

''تایا ابو سے بدگمان مت ہو فاطمہ۔کیا آپ کی اور ان کی اب تک بات ہوئی ہے؟نہیں ناں؟تو پہلے بات کریں ان سے،پھر کوئی رائے قائم کرنا۔آپ یہاں سے اپنی ضروری چیزیں لے لیں،تب تک میں آتی ہوں''۔۔اس کی آواز میں نرمی تھی۔

Clubb of Quality Content

ماریہ نے اس کی حالت کو نظرانداز نہ کرتے ہوئے،اسے گلے لگا لیا۔''پریشان مت ہوں،سب ٹھیک ہو جائے گا''۔اس کی باتوں میں ایک حوصلہ تھا جس نے فاطمہ کی بے بسی کو کم کرنے کی کوشش کی تھی۔لفاطمہ کا دل ان الفاظ کے زیراثر تھا،اور وہ دھیمی چال سے اٹھ کر کمرے میں چلنے لگی۔اس کے قدم خودبخود الماری کے پاس جا کر رکے۔وہاں رکھی ہر چیز، ہر لباس جیسے ایک غمگین یاد کی گواہی دے رہا تھا۔

فاطمہ نے الماری کے دروازے کھولے،اور اندر لٹکے ہوئے بے شمار کپڑوں کو چھو کر ایک ایک یاد کو زندہ کر لیا۔اس کی آنکھوں سے آنسو بے آواز بہنے لگے تھے۔

"بابا آئی ایم مسنگ یو۔آئی نیڈ یو بابا۔جلدی آ جائیں"۔اس کی بلو میکسی میں ساری محبت کا عکس تھا۔وہ مزید اندر بڑھتی گئی اور ڈریسنگ ٹیبل کی طرف آئی۔ہر رنگ کی گھڑی،ہر ڈیزائن کی گھڑی،اور ان سب گھڑیوں میں وہ دو لال رنگ کی بیلٹ والی گھڑیاں عابد کی دی ہوئی تھیں۔ان گھڑیوں کے ساتھ وہ لمحے جڑے ہوئے تھے جو ایک یاد بن چکے تھے۔

"اتنی ساری گھڑیوں کے ہوتے ہوئے بھی میری زندگی کی گھڑی رک گئی ہے۔یہ ساری چل رہی ہیں لیکن میں رک گئی ہوں۔فاطمہ کمال رک گئی ہے"۔اس نے آئینے میں اپنی بھیگی ہوئی آنکھوں کو دیکھا۔"میرے ساتھ ہی کیوں ہوا یہ؟"۔آئینے میں نظر آتے اپنے عکس سے پوچھا۔اس نے دونوں ہاتھ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے،اور پھر ایک دم اپنی طاقت سے ساری چیزوں کو دھکیل دیا۔شیشے کا شو پیز ٹوٹ کر زمین پر بکھر گیا،اور فاطمہ کے ہاتھ زخمی ہو گئے۔۔

"فاطمہ !آپ...." ماریہ تیزی سے کمرے میں داخل ہوئی، ہاتھ میں پکڑا باکس بیڈ پر اچھالا پھر تیزی سے اس کے پاس آئی، اور اس کے ہاتھ کو صاف کرنے لگی۔ لیکن پھر اچانک رکی اور فاطمہ کی طرف دیکھا، جو بے تاثراتی کے ساتھ بیٹھی تھی۔

"یار کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ کیوں کر رہی ہیں ایسا؟"۔ماریہ بے بسی سے بھیگی آنکھیں لیے اسے دیکھی

"ماریہ پریشان مت ہو۔ آئی ایم اوکے"۔ فاطمہ کی آواز میں ایک کمزوری تھی، لیکن اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ اس کی آنکھوں میں ماریہ کے لیے شکر گزاری تھی۔

"اپنی حالت دیکھ رہی ہیں؟ کیسے پریشان نہ ہوں؟ ادھر دکھائیں اسے"۔ غصے سے اس کا تھامتی وہ پائیوڈین لگاتی جا رہی تھی۔

"تھینک یو ماریہ"۔ بینڈیج ہوتے ہی فاطمہ نے تشکر سے اسے دیکھا۔ "مجھے اب جانا چاہیے۔ کافی وقت ہو گیا ہے"۔ وہ اپنے کپڑے سیدھے کرتے ہوئے کھڑی ہوئی۔ ماریہ سر ہلا گئی۔

Clubb of Quality Content

"اپنا بہت خیال رکھیے گا اور آئندہ اس طرح کی حرکت مت کریے گا۔۔اور ہاں یہ اپنے ساتھ لے کے جائیں"۔ماریہ نے ایک سنہری رنگ کے ڈبے کا حوالہ دیتے ہوئے اسے پکڑایا۔

"میں یہ کیسے؟"۔فاطمہ کی آنکھوں میں نمی چمکی تھی۔

"احسن یہ آپ کی شادی پہ دینے والا تھا نا؟اور اب آپ کی شادی ہو گئی ہے۔وہ ہوتا تو آپ کو دیتا، خیر وہ نہیں، میں تو ہوں نا"۔ماریہ کی آواز میں گہری اداسی تھی۔

"میری وجہ سے نہیں جانے کہاں ہے وہ؟"۔ڈھیروں ملال لیے وہ آنکھیں بند کر گئیں۔

"مجھے یقین ہے فاطمہ، وہ واپس آئے گا ہمارے پاس"۔ماریہ نے اس کے ہاتھ کو تھامتے ہوئے کہا۔

"خدا حافظ ماریہ"۔فاطمہ نے ماریہ کو گلے لگایا، پھر کمرے کی طرف دیکھتے ہوئے اپنا پرس اٹھایا اور چپ چاپ باہر نکل گئی۔

اس کے قدم لاؤنج کی طرف بڑھتے گئے، پھر پورچ کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے کسی کی طرف نہیں دیکھا، بس تیز تیز قدم اٹھاتی چلی گئی۔اس کے دل کی دھڑکن ایک پر اسرار سکوت میں بدل چکی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

محبت فاتح ٹھہری

از عائشہ اصغر

قسط ۵

آسمان پر نارنجی اور سرمئی بادلوں کی تہیں بکھری ہوئی تھیں۔ گھر کے لان میں لگی روشنیاں جلنا شروع ہو گئی تھیں۔ فاطمہ کمال تیز قدموں سے اندر داخل ہوئی۔ قدموں کی چاپ پر فاز نے سر اٹھایا۔ اسے سامنے دیکھ کر ایک انجانی سی خوشی محسوس ہوئی تھی۔ موڈ خوشگوار ہوا تھا۔ لیکن نگاہیں جیسے ہی اس کے ہاتھ پہ بندھی بینڈیج پر گئیں، رگیں تن سی گئیں۔

"کیسے لگی یہ چوٹ؟"۔ وہ بظاہر نرم لہجے میں پوچھ رہا تھا، مگر اس کے لہجے کی گہرائی اس کے اندر اٹھنے والے طوفان کی عکاسی کر رہی تھی۔

"کیا کرو گے جان کے؟"۔ فاطمہ نے اس کی طرف سپاٹ چہرے کے ساتھ دیکھا اور لاپروائی سے کہا۔ ٹشو کا ڈوپٹہ کندھے پر پھیلایا ہوا تھا۔ بیگ کی اسٹریپ تھامے، اس کی نظریں سیدھی فاز کی آنکھوں میں جمی تھیں۔

Clubb of Quality Content

''فاطمہ، آپ مجھے اس کا نام بتائیں، جس نے آپ کو تکلیف پہنچائی ہے''۔وہ بپھر گیا تھا۔اس کے لہجے میں ایک عجیب وحشت اور بے بسی تھی۔دل کی گہرائیوں میں اٹھتی اذیت نے اسے کمزور کر دیا تھا۔

''کیا کرو گے اس کے ساتھ؟بتاؤ؟''۔فاطمہ نے ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اس کی بات سنی اور ایک قدم اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔اگر کوئی اور لڑکی ہوتی،تو فاز عالم کے خوبصورت چہرے اور اس کی بے پناہ شخصیت کے سحر میں مبتلا ہو جاتی، مگر مقابل فاطمہ کمال تھی، جو نہ اس کی خوبصورتی سے متاثر تھی اور نہ اس کے غصے سے خوفزدہ۔

''میں اسے جان سے مار دوں گا، ہر اس شخص کو جو آپ کو تکلیف دینے کی وجہ بنے گا''۔فاز عالم کی آنکھیں غصے سے دہک رہی تھیں۔ماضی کے کچھ دھندلے سایے اس کے دماغ میں ہلچل مچا رہے تھے۔اس کے اندر کہیں دو کہانیاں مل رہی تھیں۔حال اور ماضی کی کہانیاں ایک دوسرے سے گڈمڈ ہو رہی تھیں۔

''پکا جان سے مارو گے نا؟''۔فاطمہ کی ہنسی لاؤنج کی خاموش فضا میں گونجی، مگر اس ہنسی میں درد اور تلخی چھپی ہوئی تھی۔فاز کے اثبات میں سر ہلانے پر فاطمہ نے جھکتے ہوئے سینٹرل ٹیبل سے گن اٹھائی اور اس کے ہاتھ میں تھما دی۔

"یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟"۔ فاز الجھ گیا۔

"لو، پکڑ واسے اور مار دو مجھے، کیونکہ اب خود کو زخم دینا میرا پسندیدہ مشغلہ بن گیا ہے"۔ فاطمہ تلخ لہجے میں کہتی سلگتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

اس کے الفاظ کی سفاکیت نے فاز کے اندر اٹھتے طوفان کو جیسے لمحوں میں خاموش کر دیا۔ وہ بے دم ہو کر صوفے پر گر گیا۔ پہلے جو ایک بپھرا ہوا شیر تھا، اب وہ شکستہ حال اور تھکا ہوا نظر آرہا تھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا یہ وہی فاطمہ کمال ہے جو بڑی نرم گو سی ہوتی تھی۔ سمجھدار سی فاطمہ کمال اس لمحے کہیں کھوئی ہوئی معلوم ہوئی۔

"کیا ہوا؟ بیٹھ کیوں گئے؟ کہاں گیا تمہارا غصہ، تمہارے بڑے بڑے الفاظ؟ مارو مجھے"۔ فاطمہ اب چیخ رہی تھی، اس کی بھیگی سوجی آنکھیں اس کے اندر چھپے دکھ کا آئینہ تھیں۔ وہ اپنا سارا غصہ، ساری فرسٹریشن اس پہ نکال رہی تھی۔

"فاطمہ"۔ فاز کی بے بسی اس کے چہرے پر نمایاں تھی۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"نام مت لیا کرو میرا اپنی زبان سے"۔ فاطمہ نے نفرت بھرے لہجے میں ٹوکا۔ اس کے ہر لفظ نے فاز کے دل میں نا جانے کتنے زخم لگا دیے۔

''آپ خود کو تکلیف مت دیا کریں، پلیز فاطمہ''۔ فاز نے تھکے ہوئے انداز میں التجا کی۔ وہ کسی سے التجا نہیں کرتا تھا۔ وہ کام کے علاوہ کسی سے زیادہ گفتگو نہیں کرتا تھا۔ لیکن آج وہ مختلف نظر آرہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ منظر ابھرے تھے۔ نیلی آنکھوں والی گڑیا خون میں لت پت تھی۔ اس کی گود میں سر رکھے وہ دم توڑ گئی تھی۔

''تم میرا پیچھا چھوڑ دو، میں خود کو تکلیف دینا چھوڑ دوں گی''۔ سرد لہجے میں وہ حل پیش کی، یا یوں کہ لیں موت کا پروانہ۔

''آپ سے دستبرداری یعنی موت؟''۔ اس کی آنکھیں بے تاثر ہو گئیں۔ اس کے کانوں میں کوئی آواز گونج رہی تھی۔ کوئی اس سے وعدہ لے رہا تھا۔ اور وہ نبھانے کا وعدہ کر رہا تھا۔

''مرنا تمہاری اپنی چوائس ہو گی، تم مجھ سے دور ہو جاؤ، مجھے اس کے علاوہ تم سے کوئی مطلب نہیں''۔ فاز عالم مدھم سا مسکرایا۔ ہاں یہ وہی نرم دل فاطمہ کمال تھی، جسے وہ جانتا تھا۔ جس نے غصے میں اس سے یہ نہیں کہا تھا 'ہاں مر جاؤ'۔ کیونکہ فاطمہ کمال کسی کو ایسا کہہ نہیں سکتی تھی۔

''آپ سے دور ہونے کی تو ایک ہی راہ ہے... موت''۔ اس نے گہرے لہجے میں کہا۔

''راہیں تو بہت ساری ہیں، وہ الگ بات ہے کہ تم خود مرنا چاہتے ہو''۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں۔راہیں تو بہت ساری ہیں، تو پھر آپ میرے ساتھ شامل کیوں نہیں ہو جاتیں؟"۔ڈھلتی شام رات میں بدل رہی تھی۔کھڑکی سے نظر آتا چاند چپکے سے ان کی تکرار سن رہا تھا۔

"فاطمہ کمال مر تو سکتی ہے، فاز عالم، لیکن تمہاری زندگی میں شامل ہرگز نہیں"۔ایک نفرت بھری نگاہ اس پہ ڈالی اور تیزی سے واک آؤٹ کر گئی۔

فاز عالم وہیں کھڑا رہ گیا،اس کی نظریں اس کے جاتے ہوئے وجود کو دیکھتی رہیں۔اس نے بے بسی سے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"کبھی کبھی ہم اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرتے، یہ حالات ہوتے ہیں جو ہم سے سب کچھ کروا دیتے ہیں۔کاش، آپ سمجھ سکتیں"۔

رات کے گہرے سناٹے میں مینشن میں ہر سوں گہری خاموشی تھی۔دور کہیں گونجتی ہوا کی سرسراہٹ اور درختوں کی سرہلانے کی ہلکی آواز ماحول کو مزید پراسرار بنا رہی تھی۔بلیو کوٹ ہاتھ میں لیے، سفید ہائی نیک اور بلیو ڈریس پینٹ میں ملبوس فاز عالم تھکے ہوئے قدموں سے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔بارہ بجے کا وقت تھا۔اس کے بکھرے بال اور تھکے ہوئے چہرے

Clubb of Quality Content

سے واضح تھا کہ وہ ایک طویل دن گزار کر لوٹا ہے۔ سیڑھیوں پر چلتے ہوئے اس کی نظریں اچانک کھلے دروازے پر جا ٹھہریں، جو ٹیرس کی طرف کھلتا تھا۔

''یہ دروازہ کھلا کیوں ہے؟''۔اس نے خود سے بڑبڑاتے ہوئے اپنا ارادہ کمرے کی بجائے ٹیرس کی طرف موڑ لیا۔

ٹیرس پر پہنچ کر منظر نے اسے ٹھہر جانے پر مجبور کر دیا۔چاندنی رات میں فاطمہ دیوار کے ساتھ گھٹنوں کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھی تھی۔اس کے کندھوں پر گرتی بھوری زلفیں ہوا کے نرم جھونکوں سے چہرے کے گرد کھیل رہی تھیں۔وہ سر جھکائے، آنسو بہاتی ہوئی، اپنے دکھ میں گم تھی۔فاز کی نظر اس پر ٹک گئیں۔اس کے نیلی آنکھوں کے آنسو چمکتی چاندنی میں موتیوں کی مانند لگ رہے تھے۔ایک لمحے کے لیے وہ اس کی حالت دیکھ کر الجھ گیا، لیکن اگلے ہی لمحے وہ اس کے قریب آیا اور ایک گھٹنا زمین پر رکھ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''رو کیوں رہی ہیں؟''۔اس نے دھیرے سے پوچھا۔اس کی آواز میں نرمی تھی۔فاطمہ نے چونک کر سر اٹھایا، نیلی آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر جھلک رہا تھا۔

"تت... تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"۔ وہ جلدی سے اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔ سیاہ رنگ کے لباس میں وہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کا ترکش اور پاکستانی نقوش اسے اور بھی منفرد بناتا تھا۔

"ٹیرس کا دروازہ کھلا دیکھ کر آیا تھا۔ آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا"۔ فاز نے اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔

"کیونکہ میں نہیں دینا چاہتی"۔ غصے سے کہتی وہ اٹھنے لگی تھی، لیکن فاز نے نرمی سے اس کی کلائی تھام لی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟ ہاتھ چھوڑو میرا"۔ ڈوپٹے کو کندھے پہ ٹھیک کرتی وہ طیش کے عالم میں ہاتھ چھڑانے لگی۔

"جب تک مجھے میرے سوال کا جواب نہیں ملے گا، میں آپ کو جانے نہیں دوں گا"۔ اس نے نرمی سے اس کی دوسری کلائی بھی پکڑ لی۔ اس ہاتھ میں ہوئی پٹی کو نرمی سے چھوا۔ فاز کے لہجے میں سنجیدگی اور نرمی دونوں کا امتزاج تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تمہاری وجہ سے۔ سنا تم نے؟ تم ہو میرے رونے کی وجہ۔ میری زندگی برباد کردی ہے تم نے"۔ وہ جو پہلے ہی بھری بیٹھی تھی، پھٹ پڑی۔ آنسو تیزی سے بہنے لگے۔ فاز خاموشی سے اس کی بات سنتا رہا۔ چاند کی روشنی میں اس کا چہرہ نرم اور متفکر دکھائی دے رہا تھا۔

"تم نہ آتے میری زندگی میں، تو احسن ہم سے دور نہیں ہوتا۔ کاش تم نہ آتے، تو میں یہ کبھی جان نہیں پاتی کہ اُس گھر میں بابا کے علاوہ میرا کوئی سگا رشتہ نہیں ہے"۔ اونچی آواز میں بولنے اور رونے کی وجہ سے اس کی سانسیں پھولنے لگی تھیں۔

"فاطمہ، ریلکس۔ یہاں دیکھیں، کچھ نہیں ہوا یار"۔ اس کا ہاتھ تھام کر اسے جھولے کی طرف لے گیا۔ "یہاں بیٹھیں۔ میں سب سن رہا ہوں"۔

"کچھ نہیں ہوا؟"۔ فاطمہ کی آواز غصے کی شدت سے کانپ گئی۔ "میری زندگی برباد ہوگئی ہے، اور تم کہہ رہے ہو کچھ نہیں ہوا؟ تمہاری وجہ سے سب رشتے ختم ہوگئے۔ میرا سگا رشتہ تو کوئی تھا ہی نہیں"۔ متورم آنکھوں میں نفرت لیے وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ ہاتھ چھڑانے کی کوشش مسلسل جاری تھی۔

"یہ برا نہیں، اچھا ہوا ہے۔ کب تک دھوکے میں رہتیں؟ کیا یہ اچھا نہیں کہ آپ کو حقیقت معلوم ہوگئی؟ آپ جان گئی وہ آپ کے سگے رشتے نہیں۔ کب تک حقیقت سے

آنکھیں بندرکھنا چاہتی تھیں آپ؟ حقیقت جان لیناہی بہترہوتاہے، چاہے وہ کتنی بھی کڑوی ہو۔ کیاملاآپ کوان لوگوں سے؟''۔وہ جھولے پر بیٹھی تھی،اوروہ اس کے پاس نیچے زمین پر۔اس کی آنکھوں میں دیکھتے وہ سنجیدگی سے سوال کررہاتھا۔

''تم جانتے تھے؟''فاطمہ چونک کراسے دیکھی۔

''آپ کوآج معلوم ہواہے۔لیکن میں پہلے سے جانتاہوں۔آپ کے لیے یہی بہتر ہے کہ آپ جلدی حقیقت کو قبول کرلیں۔اب مجھ سے زیادہ سگاآپ کاکوئی نہیں ہے''۔اس کے الفاظ میں سنجیدگی تھی، لیکن اس کی آنکھوں میں ایک نرم چمک تھی۔آخری جملے پہ ناجانے وہ کیوں سمٹی تھی؟۔اس کازخمی ہاتھ وہ مسلسل انگوٹھے سے سہلارہاتھا۔نرمی سے۔

''تم نہیں سمجھ سکتے۔تمہارے دل میں کسی کے لیے احساس ہوتاتو تم سمجھتے۔تمہاراکام تو لوگوں کو قتل کرنااورپیسہ کماناہے۔تمہیں کیاغرض؟کیسارشتہ؟کیسااحساس؟تم نے کبھی انسانوں کے لیے درد محسوس کیاہوگا؟وہ جو بھی تھے، جیسے بھی تھے،میرابچپن پوراان کے ساتھ گزراہے۔میں کیسے قبول کروں کہ وہ میرے سگے رشتے نہیں؟''۔اس کی آواز دھیمی ہوگئی۔نظریں جھکائے وہ درد بھرے لہجے میں بول رہی تھی۔یہ دیکھے بغیر کہ اس کی باتوں کی وجہ سے فازعالم کے چہرے پہ کربناک تاثرات ابھررہے تھے۔ہرانسان کوہمیشہ اپنا

ہی غم بڑا لگتا ہے۔اسے لگتا ہے سارے غم جیسے اس کی ہی زندگی میں ہیں۔لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ہر انسان کے اپنے اپنے غم ہوتے ہیں۔اور اس کے زخمی ہاتھ پہ پھیرتا انگوٹھا یکدم رک گیا۔فاطمہ کو عجیب سا احساس ہوا تھا۔وہ بولتے بولتے رک کر اس احساس کے زیرِ اثر مقناطیسی انداز میں اپنی ہتھیلی کی طرف دیکھی۔اسے کچھ دیر سے ایک احساس سکون پہنچا رہا تھا۔اس چیز کا اندازہ ہوتے ہی اس نے گھبرا کر اپنا ہاتھ کھینچنا چاہا۔فاز ذہنی طور پر جو کہیں کھو گیا تھا فوراً ہوش میں آتے خود کو سنبھالا۔۔

"میرے دل میں انسانوں کے لیے درد اور احساس نہیں ہوتا، تو میں ابھی یہاں نہیں ہوتا"۔ مبہم انداز میں سر جھکائے کہہ رہا تھا۔فاطمہ کے زخمی ہاتھ پر اپنی انگلیاں نرمی سے دوبارہ پھیرنے لگا۔اس کے لمس میں ایک عجیب سکون تھا، جو فاطمہ کے اندر تک سرایت کر گیا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"۔فاطمہ نے اسے اپنے قدموں کے پاس سر جھکائے بیٹھے دیکھا۔اور پھر اپنے برابر میں خالی جگہ کو۔اور اس کے بعد اس کے مسلسل حرکت کرتے انگوٹھے کو۔وہ الجھ سی گئی۔

"کچھ نہیں۔ کمرے میں جائیں۔ رات گہری ہو رہی ہے"۔ بات سمیٹتے ہوئے وہ کھڑا ہوا۔ ساتھ اُسے بھی کیا۔

"میں یہیں رہنا چاہتی ہوں"۔ رخ موڑ کر وہ دور آسمان میں چمکتے ستارے کو دیکھنے لگی۔ "رات سے زیادہ گہرے تو تم ہو"۔ وہ دل میں ہی کہہ سکی۔

"میں آپ کو اتنی رات کو یہاں اکیلے بیٹھنے نہیں دے سکتا۔ میرے ساتھ آپ یقیناً بیٹھنا نہیں چاہیں گی۔ جس دن آپ راضی ہونگی، اس دن میں آپ کے ساتھ فجر تک یہاں بیٹھوں گا۔ لیکن ابھی آپ جائیں"۔ اس کا چہرہ آسمان کی جانب تھا۔ ورنہ وہ اس کی آنکھوں میں موجود نرم تاثر کو دیکھ کر ضرور پگھل جاتی۔

"تم اتنے تمیز سے بات کیسے کرتے ہو؟"۔ اس کی بات کا اثر زائل کرنے کے لیے وہ ذہن میں کلبلاتا سوال فوراً کر ڈالی۔ وہ ہنس دیا۔ بے ساختہ سی ہنسی تھی۔ گردن پیچھے کی جانب پھینکے آسمان پر نظریں جمائے وہ ہنس رہا تھا۔ فاطمہ اسے دیکھتی گئی، اتنی خوبصورت ہنسی۔ وہ اتنا اچھا لگتا تھا، پھر ایسی کیا مجبوری تھی کہ وہ گینگسٹر تھا؟ برے کام کرتا تھا؟۔ ہنسی روکتا وہ اس کی جانب چہرہ کیا۔ اسی تیزی سے فاطمہ کمال نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹاتے سامنے کی تھی۔

"مانتا ہوں گینگسٹر ہوں، لیکن کیا گینگسٹر تمیز دار نہیں ہو سکتے؟"۔۔ مسکراتے ہوئے وہ الٹا اس سے پوچھ رہا تھا۔اس کے چہرے پر پھیلے تبسم کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا وہ خاصہ لطف محسوس کیا ہے، فاطمہ کے سوال پر۔

"عجیب ہو تم"۔وہ بڑبڑائی۔

رات کے اس گہرے لمحے میں چاند کی روشنی اور ہوا کی نرم سرگوشیاں جیسے ان دونوں کے درمیان خاموشی کا پل باندھ رہی تھیں۔فاز نے آسمان کی طرف دیکھا، جہاں ستارے ان کے دکھوں کے گواہ بنے تھے۔

"اندر چلیں"۔کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ گویا ہوا۔بنا کسی بحث کے وہ بھی اس کے ساتھ چلنے لگی۔اس کے کمرے کے پاس وہ رک گیا۔

"فاطمہ"۔اس کی پکار پہ، دھات کی ٹھنڈی ہینڈل پہ رکھا فاطمہ کا ہاتھ ٹھہر سا گیا۔لیکن وہ پلٹی نہیں۔پلٹ جاتی تو سب بدل جاتا۔

"آپ کے ہنسنے کی وجہ بھی میں ہی بنوں گا"۔۔بھاری آواز میں کہتا وہ جا چکا تھا۔وہ ہل تک نہ سکی۔اس کے کانوں میں اپنے جملے کی بازگشت ہونے لگی 'میرے رونے کی وجہ تم ہو' تیزی

سے اس نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوتے ہی کمرہ لاک کیا۔ گہری سانس لیتی وہ بیڈ پہ بیٹھ گئی۔ نظریں بینڈیج ہوئے ہاتھ پہ گئی۔اسی احساس نے گھیر لیا تھا۔

"یااللہ کیا ہے یہ شخص؟"۔ حیران زدہ تاثرات لیے وہ آڑا ترچھا بیڈ پہ لیٹ گئی۔

شمائلہ چچی کمرے میں داخل ہوئیں تو ابراہیم مصطفیٰ کو کرسی پر گم صم بیٹھے پایا۔ کتاب گود میں کھلی پڑی تھی، مگر ان کی نظریں نہ کتاب پر تھیں، نہ کسی اور شے پر۔ ان کے چہرے پر ایسی گہری سوچ کی پرچھائیں تھی جیسے وہ کسی پرانی، تلخ یاد میں الجھے ہوں۔ باہر ہلکی بارش کی بوندیں کھڑکی سے ٹکرا رہی تھیں، اور کمرے میں مدھم سی اداسی پھیلی ہوئی تھی۔

"ابراہیم، میں دیکھ رہی ہوں، جب سے فاطمہ کا نکاح ہوا ہے، آپ کچھ پریشان رہنے لگے ہیں۔ کیا بات ہے؟". شمائلہ چچی نے نرم لہجے میں پوچھا، احسن کی پریشانی تو تھی ہی لیکن اس کے علاوہ بھی وہ انھیں پریشان لگے۔ وہ ابراہیم مصطفیٰ کے قریب آئیں اور ان کے سامنے کھڑے ہوگئیں۔ وہ چونک کر سیدھے ہوگئے، انہوں نے ایک لمحے کو چچی کی طرف دیکھا۔

"ہاں؟ کیا ہوا؟"۔ ان کی آواز بوجھل اور کسی حد تک کھوئی ہوئی تھی۔

"آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں۔ سب ٹھیک ہے نا؟"۔ شمائلہ چچی نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بات دہرائی۔ انھوں نے گہری سانس بھری اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ باہر بارش کی ہلکی پھوار اور ہوا کے شور نے ماحول کو اور گمبھیر بنا دیا۔

"میں سوچ رہا تھا، انسان غلطیاں کر کے دل پر سخت خول چڑھا لیتا ہے۔ ایسا سخت خول کہ نہ کوئی بات اندر جاتی ہے نہ باہر آتی ہے۔ اور جب کبھی ضمیر جاگنے کی کوشش کرے، تو خود کو صحیح جان کے، اسے بھی دبا دیتے ہیں لیکن..." انہوں نے ٹھہر کر شمائلہ چچی کی طرف دیکھا۔ "لیکن جب وہ غلطی سامنے آ جائے، آنکھوں کے سامنے کھڑی ہو جائے، تب کیا کیا جائے؟"۔ شمائلہ بیگم کے ماتھے پر فکر کی لکیریں گہری ہو گئیں۔

"کون سی غلطی، ابراہیم؟ آپ یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟"۔ ان کی آواز لرزی اور آنکھوں میں خوف سما گیا۔ یوں لگتا تھا وہ کہیں نہ کہیں اس بات کے پس منظر سے واقف تھیں۔ ابراہیم نے ایک لمحے کو خاموشی اختیار کی، جیسے الفاظ چن رہے ہوں۔

"کسی کو آنا تھا، شمائلہ، اور مجھے لگتا ہے وہ آ گیا ہے"۔ ان کے لہجے میں ایک عجیب سی بے بسی تھی۔ شمائلہ چچی گھبرا گئیں۔ جلدی سے اٹھیں اور پانی کا گلاس بھر کر ان کے قریب آئیں۔

''کون آگیا ہے؟آپ کھل کر بات کریں۔آپ کی باتیں مجھے پریشان کر رہی ہیں،ابراہیم''۔ان کی آواز اب واضح طور پر بے چینی سے بھری ہوئی تھی۔

''کچھ نہیں،شمائلہ۔صرف احسن کی وجہ سے فکرمند ہوں۔شاید زیادہ سوچ رہا ہوں،بس''۔ابراہیم نے ایک لمبی سانس لی اور زبردستی ہلکی سی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔شمائلہ چچی نے انہیں غور سے دیکھا۔ان کی آنکھیں شک اور فکر سے لبریز تھیں،لیکن وہ خاموش ہو گئیں۔

''بس یہی بات ہے؟''۔ان کے لہجے میں ابھی بھی ایک دبی ہوئی امید چھپی ہوئی تھی۔ابراہیم صاحب نے اثبات میں سر ہلا دیا،مگر ان کی نظریں اور لہجہ ان کے دل کی کہانی سنانے سے قاصر تھے۔

یہ سوات کی سرسبز وادیوں کے بیچ ایک شاندار گھر تھا،جہاں کی فضا خوشبو اور سکون سے بھری ہوئی تھی۔گھر کے ایک کمرے میں اگر جھانکا جائے تو کھڑکی کے پاس ایک نفیس سی عورت کھڑی نظر آتی تھی۔ان کی گہری آنکھوں میں ایک کہانی چھپی تھی،اور چہرے پر ماضی کے غموں کی ہلکی پرچھائیاں تھیں۔وہ عورت،شازمہ شاہ،جن کا حسن ایک زمانے میں لوگوں کے دلوں کی دھڑکن بن جاتا تھا،آج بھی اپنے دلکش وجود سے وقت کو تھم جانے پر

مجبور کر سکتی تھیں۔ مگر ان کے چہرے پر ایک خاموشی کی چادر تنی ہوئی تھی، جو ان کے ماضی کے دکھوں کی گواہی دیتی تھی۔

یہ فجر کے بعد کا لمحہ تھا، ان کا مخصوص وقت، جب وہ خاموشی کی گہرائیوں میں ڈوب کر اپنے ماضی کی گلیوں میں کھو جاتی تھیں۔ کھڑکی کے باہر وادی کی ہوا نرم دھاگوں کی طرح ان کے بالوں کو چھو رہی تھی، لیکن ان کی سوچ کہیں اور تھی۔ وہ لمحے یاد آرہے تھے، جب ایک شخص نے پہلی بار ان سے محبت کا اعتراف کیا تھا۔

"میں نے جب پہلی بار سوات کی گلیوں میں تمہیں دیکھا تھا، وہیں اپنا دل کھو دیا تھا"۔

یہ شادی کی رات کا منظر تھا۔ کمرے میں ہلکی روشنی مدھم سی روشنی کر رہی تھی، اور شازمہ شاہ کا چہرہ دلہن کی سرخی لیے ہوا کسی خواب کی مانند لگ رہا تھا۔ ان کے سامنے وہ شخص بیٹھا تھا، جس نے ان کی زندگی کے خواب بُننے شروع کیے تھے۔

"دل کو چھوڑ کر کراچی واپس جا نہیں سکتا تھا۔ تمہارے بغیر جانا ممکن ہی نہیں تھا۔ اس لیے میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ شازمہ شاہ کو ہمیشہ کے لیے اپنا بناؤں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے شازمہ کے نرم و نازک ہاتھوں کو تھاما، اور ان کی آنکھوں میں جھانک کر اپنی محبت کا یقین دلایا۔

"اور دیکھیں میں اپنے دل کو اپنے ساتھ کراچی لے آیا"۔شازمہ شاہ کے ہونٹوں پر ایک ہلکی مسکان نمودار ہوئی۔

"آپ کو معلوم ہے، مجھے سوات سے عشق ہے۔اس کی وادیاں، اس کی ہوائیں، سب کچھ میرا اپنا ہے۔میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں سوات کو چھوڑ کر کہیں اور جاؤں گی"۔شازمہ کی آواز میں ایک عجیب سا درد تھا، لیکن ان کے لہجے میں ایک ایسی نرمی بھی تھی، جو محبت کے رنگ میں ڈھل چکی تھی۔

"اب کراچی سے عشق کرنا سیکھ لو، شازمہ"۔

یہ کہہ کر اس نے شرارت سے انہیں دیکھا۔ان کی مسکان نے کمرے کی روشنی کو مزید مدھم کر دیا۔

باہر اماں کی آواز سن کر شازمہ چونک گئیں، اور لمحے بھر میں وہ حال کی دنیا میں واپس آ گئیں۔مگر وہ پل ان کے دل میں نقش ہو چکا تھا۔کھڑکی کے باہر وادی کی ہوائیں اب بھی چل رہی تھیں۔کچھ محبتیں، بھلائے نہیں بھولتیں۔

''کیسی ہیں آپ؟''۔وہ پارک کے پرسکون ماحول میں اس کے ساتھ ہمقدم ہوا تو وہ چونک گئی۔شام کی مدھم روشنیوں میں براؤن شرٹ اور بلیک جینز پہنے،وہ بے حد وجیہہ لگ رہا تھا۔ماریہ چونک کر اسے دیکھنے لگی،وہ اس کے اچانک موجودگی کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔م

''میں ٹھیک ہوں،آپ سنائیں؟''۔اس نے شیفون کے مسٹرڈ رنگ کے دوپٹے کے کنارے کو انگلیوں میں لپیٹتے ہوئے جواب دیا۔نظریں چند لمحے کے لیے ارمان پر پڑیں اور پھر فوراً جھک گئیں۔

''فیلنگ گڈ ناؤ''۔ارمان نے جیبوں میں ہاتھ ڈالے،ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔''کیا کر رہی ہیں آج کل؟''۔

''یاد کرنے کے علاوہ میرے پاس کوئی کام نہیں بچا''۔اس کی آواز میں اداسی اتر آئی۔ماریہ نے ماحول پر نظر دوڑائی۔پارک میں بچے قہقہے لگاتے دوڑ رہے تھے،جھولوں کی دھیمی چرچراہٹ فضا میں گونج رہی تھی۔

''تو آپ کی یادوں میں کون شامل ہے؟''۔اس کے لہجے میں ہلکی سی دلچسپی تھی۔ایک لمحے کے لیے جھکا اور قریب آتی ہوئی بال اٹھا کر بچوں کی طرف اچھال دی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"احسن اور فاطمہ کے علاوہ کون ہو سکتا ہے؟"۔اس کے لہجے میں اداسی کی جھلک نمایاں تھی۔"فاطمہ کی طرف سے پھر بھی تسلی ہے، لیکن احسن..."۔اس کی آواز بھرا گئی،اور پلکوں پر نمی لرزنے لگی۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ فکر مت کریں"۔اس نے تسلی دی اور پھر آئسکریم شاپ کی طرف بڑھ گیا۔چند لمحوں بعد وہ آئسکریم کے دو کپ لیے لوٹا۔ایک کپ ماریہ کی طرف بڑھایا۔

"پولیس سے بات نہیں کی آپ لوگوں نے؟"چند قدم چل کر،
دونوں بینچ پر بیٹھ گئے۔ارمان نے آئسکریم کا پہلا چمچ لیتے ہوئے پوچھا۔

"کوشش کی تھی۔ایک ہفتے تک سب نے بہت دوڑ دھوپ کی۔ لیکن پھر جیسے سب تھک گئے۔ بڑے تایا تو باہر ہیں، چھوٹے تایا اور عابد اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے،اور بابا پولیس کے چکر کاٹتے رہتے ہیں، مگر وہاں سے بھی بس دلاسے ملتے ہیں"۔ماریہ نے چمچ آئسکریم میں ڈبویا پھر آہستگی سے منہ تک لے گئی۔

"ڈونٹ وری۔ان شاءاللہ،سب بہتر ہو گا۔احسن مل جائے گا"۔اس کی آواز تسلی تھی جو ماریہ کو پل بھر کے لیے سکون دے گئی۔اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔

"آپ کو اپنی یادوں میں ایک اور شخص کا اضافہ کر لینا چاہیے"۔ کچھ لمحوں بعد اس کی مسکراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ماریہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیا مطلب؟ کس کا؟"۔ اس کی آواز میں الجھن تھی، اور آنکھوں میں سوال۔

"میرا مطلب ہے کہ کبھی کبھی زندگی میں ایسے لوگ آتے ہیں جنہیں یاد کر کے دل خوش ہو جاتا ہے۔ آپ کو بھی کسی ایسے شخص کو یاد کرنا چاہیے جو آپ کی دنیا کو تھوڑا بہتر بنا دے"۔ ارمان نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے بات سنبھالی. ماریہ نے نظریں جھکائیں، جیسے وہ اس کے الفاظ کا مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ آئسکریم کا خالی کپ ارمان نے اچھالا تھا جو کچھ فاصلے پہ موجود ڈسٹ بن میں جا گرا۔

"ایسا کوئی نہیں ہے"۔ اس نے مختصر سا جواب دیا اور آئسکریم کے آخری چمچ پر توجہ مرکوز کر لی۔ لیکن دل میں ایک ہلچل سی مچ گئی تھی۔ کیا اس کی آنکھیں راز عیاں کر رہی تھیں؟۔

"مجھے اب چلنا چاہیے"۔ ماریہ نے پرس کندھے پر ڈالتے ہوئے کہا اور کھڑی ہو گئی۔ ارمان بھی فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ چند قدم آگے بڑھی اور ڈسٹ بن میں آئسکریم کا خالی کپ پھینکی۔

''کل لنچ پر چلیں گی؟''۔ارمان نے نرمی سے پوچھا۔اس پیشکش پر وہ جی بھر کر حیران ہوئی۔

''نہیں، میں نہیں جاسکتی''۔ماریہ پل بھر کو رکی،اور پھر اعتماد سے بولی۔

''کیوں؟''۔ارمان نے پوچھالیکن اس کے چہرے پر حیرانی بالکل نہیں تھی۔جیسے وہ یہ جواب پہلے ہی جانتا ہو۔

''ہسپتال میں ملنا اتفاق تھا۔پارک میں ملاقات،یہ بھی محض ایک اتفاق ہے یا پھر آپ بہتر جانتے ہونگے۔لیکن لنچ پر جانا مطلب ایک خاص ملاقات،جو میرے اصولوں کے خلاف ہے۔فاطمہ کمال کہتی ہیں کہ اگر کہیں اکیلے جانا ہو،تو گھر والوں کی اجازت ضروری ہوتی ہے تاکہ وہ تحفظ فراہم کر سکیں۔اور میرے گھر والے اس کی اجازت نہیں دیں گے،اس لیے انکار کیا''۔ارمان نے سر ہلایا۔

''فاطمہ کمال واقعی خاص ہیں''۔اس کے لہجے میں مخلصانہ تعریف تھی۔

''امید ہے،آپ برا نہیں منائے ہونگے گے''۔ماریہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا

''بالکل بھی نہیں''۔اس نے فوراً کہا۔

دروازے پر دستک ہوئی تو وہ چونک سی گئی۔ آئینے کے سامنے کھڑی وہ اپنے ریشمی بالوں میں برش کر رہی تھی، جن کی نرم لٹیں اس کے کندھوں پر بے ساختہ گرتی تھیں۔ پیچ رنگ کی گھٹنوں تک آتی قمیض پر کالے دھاگے سے کڑھے ہوئے نفیس پھول، اسی کے ہم رنگ ٹراؤزر نے اس کے سراپے کو مکمل کر دیا تھا۔

کھڑکی سے آتی ہوئی سورج کی روشنی سے، ہر چیز سنہری روشنی کے حصار میں سمٹ گئی تھی۔ کھڑکی کے پردے ہلکی ہوا سے تھوڑے تھوڑے سرک رہے تھے، اور باہر کہیں کوئل کی مدھم آواز سنائی دے رہی تھی۔ بیڈ پر پڑا دوپٹہ اٹھاتے ہوئے نووارد کو اندر آنے کی اجازت دی۔ ""آ جاؤ""۔ اس کی مدھم آواز میں اکتاہٹ کی جھلک نمایاں تھی۔ دروازہ کھلا تو فاز عالم اندر داخل ہوا۔

""صبح بخیر""۔ اندر آتے ہی اس نے کہا تھا۔ لیکن جیسے ہی اس پہ نظریں پڑیں، ٹھہر سی گئیں۔ یوں لگتا تھا پیچ رنگ کی یہ قمیض اسی کے لیے تراشی گئی تھی۔

""یہاں کیوں آئے ہو؟""۔ اس کی اکتاہٹ بھری آواز ابھری۔

''یہ کمرہ، جس میں آپ قیام پذیر ہیں، ملکہ عالیہ، آپ کی اطلاع کے لیے میرا ہے۔ کیا اب بھی وجہ جاننا چاہتی ہیں؟''۔ وہ آیا کسی اور مقصد سے تھا۔ لیکن اس کا رویہ دیکھ کر چڑ سا گیا۔ جب ہی اُسے اسی کے انداز میں جواب دیا۔

''میں نے کہا تھا کہ یہاں ٹھہراؤ مجھے؟ اب اگر رہنے دیا ہے تو یہاں آنا چھوڑ دو۔ ورنہ کسی اور کمرے کا انتظام کرو''۔ دونوں بازو سینے پر باندھے، سختی سے بولی۔

''واقعی؟ آپ مجھے بتائیں گی کہ میں کیا کروں اور کیا نہ کروں؟''۔ فاز عالم ہلکا سا ہنس دیا، وہ اُسے اِس لمحے ایک ضدی بچے کی مانند لگی۔

''میں وہی کروں گی جو میرا دل چاہے گا''۔ اسے سبکی محسوس ہوئی تھی۔ فاطمہ کی آنکھوں میں ضد سی تھی۔ ''اور آئندہ تم اس کمرے میں قدم بھی نہیں رکھو گے۔۔ ورنہ''۔ شرمندگی کا احساس زائل کرنے کو وہ مضبوط لہجے میں بولی۔ فاز نے قدم آگے بڑھائے۔

''ورنہ؟''۔ اس نے دھیمی مگر چیلنج بھری آواز میں پوچھا۔

"ورنہ... میں اپنی جان لے لوں گی"۔ فاطمہ نے آخری حربہ اختیار کیا۔ فاز کی مسکراہٹ پل بھر میں ماند پڑ گئی۔ اس کی آنکھوں میں گہری سنجیدگی ابھر آئی۔ وہ قدم بہ قدم اس کے قریب آیا۔

"کیا آپ کو لگتا ہے کہ آپ دھمکی دینے کی پوزیشن میں ہیں؟ میری نرمی کا آپ ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہیں"۔ اس کی آنکھوں میں نرمی مفقود تھی۔ نیلی آنکھوں میں خوف جھلکا تھا۔ اور ان آنکھوں میں اترتا یہ تاثر فاز عالم کو اچھا نہیں لگا۔ گہری سانس لیتے قدم پیچھے کیے۔

"یوں تو آپ حلال حرام کرتی رہتی ہیں۔ کیا آپ کو کسی نے بتایا نہیں خودکشی حرام ہے؟"۔ اس کی مسکراتی آنکھوں کو فاطمہ نے خفگی سے دیکھا۔

"ہاں تو صرف تمہیں کہا تھا۔ میں کون سا سچ میں خود کی جان لے رہی تھی؟"۔ جذباتی انداز میں کہتی وہ رخ موڑ گئی۔ فاز عالم کی ہنسی گونجی۔

"میں آپ سے یہی سننا چاہتا تھا"۔ اس نے ہنسی روکتے ہوئے کہا۔ اندر کہیں یہ احساس ہوا تھا۔ آج کل وہ کچھ زیادہ ہنس رہا تھا۔

"تمہیں میں معاف نہیں کروں گی۔ تم بہت برے ہو۔ تم نے مجھے قید کر رکھا ہے"۔ اس کی پلکوں پر آنسو لرزنے لگے۔ بے بسی سے آنکھوں کا بھگتا گوشہ صاف کیا۔ وہ

رونا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن اسے رونا آرہا تھا۔ کل اس نے خود کو سمجھایا تھا۔اب وہ روئے گی نہیں۔اور اس شخص کے سامنے تو بالکل بھی نہیں۔

"آپ کو کس نے کہا کہ میں نے قید کیا ہوا ہے؟آپ میری بیوی ہیں،اس لیے یہاں ہیں۔اور برا تو میں واقعی بہت ہوں"۔فاز کے لہجے میں سچائی اور سنجیدگی تھی۔

"تم مجھے پریشان کر رہے ہو"۔دھیمی آواز میں شکوہ کیا گیا۔۔

"میں؟میں آپ کو پریشان کر رہا ہوں؟"۔فاز نے بے یقینی سے سوال کیا۔فاطمہ نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلایا۔"آلرائٹ"۔فاز ہونٹوں کو زبردستی مسکراہٹ کے انداز میں ڈالتا سر ہلا گیا۔

"تم مجھے کمرے سے بھی نکال رہے ہو"۔اس کا موڈ بدل رہا تھا۔یا شاید وہ فلوقت کوئی بحث بدتمیزی نہیں چاہتی تھی۔جب ہی دھیمی آواز میں شکایت کر رہی تھی۔

"میں آپ کو کمرے سے نکال سکتا ہوں؟میں سارے کام کر سکتا ہوں مگر یہ نہیں"۔۔بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔انداز سوالیہ تھا۔لیکن آواز اتنی دھیمی تھی کہ وہ سن نہ سکی۔

"کیا کہہ رہے ہو؟"۔۔

"کچھ نہیں، آپ اسی کمرے میں رہیں۔ کوئی آپ کو کچھ نہیں کہے گا"۔ گہری سانس بھرتے اسے دیکھا۔ وہ معصومیت سے اپنا کام نکلوانا چاہتی تھی۔ وہ خوب سمجھ رہا تھا۔

پھر اس نے اپنی جیب سے موبائل نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ "یہ موبائل دینے آیا تھا۔ آپ کا ہر اکاؤنٹ میرے موبائل میں کھلا ہوا ہے۔ جو کچھ آپ کریں گی، وہ سب مجھے معلوم ہو گا۔ اس لیے محتاط رہیے گا۔ گوگل اور یوٹیوب میں سرچ کر کے اپنا حرام اور حلال کا مسئلہ حل کر لیں۔ کیونکہ اگر مزید کچھ دن آپ یونہی کھانے سے دور رہیں تو مجھے شک ہے کہیں ایک بیمار کی تیمارداری نہ کرنی پڑ جائے۔ اور یقین کریں میں ایسا بالکل نہیں چاہتا"۔ آخر میں اس کا لہجہ کچھ شرارتی ہوا تھا۔ فاطمہ نے غصے سے موبائل لیا اور اسے سخت نظروں سے گھورا، مگر وہ مسکراتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

"تم اس قابل نہیں ہو کہ میں تم سے اپنی تیمارداری کرواؤں"۔ فاطمہ نے غصے میں اپنے دوپٹے کو جھٹکا اور کمرے میں ٹہلنے لگی، اس کے قدموں کی چاپ فرش پر دھیرے دھیرے گونج رہی تھی۔

"فاطمہ ایک ریکوسٹ ہے۔ پلیز آپ کچھ دن ہر چیز سے بریک لے کر اس کے گھر میں رہیں۔ ہاسپٹل یونیورسٹی نہیں جائیے گا۔ کہیں وہ کسی اور کو نقصان نہ پہنچا دے"۔ ماریہ کا

سہما ہوا لہجہ اسے یاد آیا تو وہ آنکھیں بند کر گئی۔ پھر دھیرے سے کھولی۔ وہ یوں ہاتھ پہ ہاتھ دھرے تو نہیں بیٹھ سکتی۔ اسے کچھ کرنا ہوگا۔۔

دیوار کے ساتھ دیوار گیر لکڑی کے ریک بنے تھے، جن پر سینکڑوں کتابیں اور فائلز سلیقے سے رکھی تھیں۔ ان کتابوں کی جلدوں پر مختلف رنگ اور عنوانات کمرے کو ایک عالمانہ تاثر دے رہے تھے۔ کمرے کی وسط میں ایک بھاری لکڑی کی میز رکھی تھی، جس کے کنارے پر کاریگرانہ نقوش کندہ تھے۔ صدارتی کرسی میں وہ بیٹھا ہوا تھا، جو اس وقت کاغذات کے پلندے میں گم تھا۔

"سر، اندر آجاؤں؟"۔ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی، اور ساتھ ہی ایک آواز ابھری۔ میز پر جھکے ہوئے وہ شخص قلم کو رکنے دیا اور سر اٹھا کر دیکھا۔ نظریں سامنے کھڑے شخص پر جا ٹھہریں۔ "تم اندر آچکے ہو"۔ اس نے سرسری لہجے میں کہا، مگر اس کی نگاہوں میں جتانے کا تاثر نمایاں تھا۔

"دروازے کے پاس ہی ہوں سر"۔ کھسیانی ہنسی کے ساتھ وہ پوری طرح اندر آگیا اور سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کہو، کیا بات ہے؟"۔اب وہ لیپ ٹاپ پر جھکا کچھ تلاش کر رہا تھا،اس وقت وہ بہت مصروف لگ رہا تھا۔کمرے کی ہلکی زرد روشنی میں اس کا چہرہ مزید پراسرار دکھائی دے رہا تھا۔۔

"سر، وہ اسے ڈھونڈ رہا ہے،اور لگتا ہے جلد ہی اسے ڈھونڈ لے گا"۔پریشانی اس کی آواز میں نمایاں تھی۔

"کون؟ارمان شاہد؟"۔لیپ ٹاپ کی اسکرین کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی،اس کی انگلیوں کی حرکت رک گئی۔پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوا۔اس کی نظریں گہری اور پر سکون تھیں۔

"جی سر، وہی"۔سامنے بیٹھے شخص نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تو تم نے وجہ معلوم کی؟وہ اسے کیوں ڈھونڈ رہا ہے؟"۔اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی،اس کی انگلیاں میز پر ہلکے سے تھپتھپا رہی تھیں۔

"جی سر، ایک لڑکی کی وجہ"۔

"ماریہ ابراہیم؟احسن ابراہیم کی بہن؟"۔اس کی آواز میں ایک عجیب یقین تھا۔سامنے بیٹھا شخص اپنے سر سے مرعوب ہوا۔اسے ہر بات کی خبر تھی۔

"جی سر، وہی۔ میرے خیال میں وہ اس لڑکی سے محبت کرتا ہے، اسی لیے اس کے بھائی کو ڈھونڈ رہا ہے"۔

"تم نے کیا محبت میں پی ایچ ڈی کر رکھی ہے؟ جو ہر کسی کے بارے میں یہی اندازہ لگاتے رہتے ہو؟"۔اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ کر معدوم ہو گئی۔

"سر آپ بھی"۔سامنے بیٹھا شخص خفیف سا ہنس دیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم یہ پتہ لگاؤ کہ وہ اس کے ساتھ کتنا مخلص ہے۔ اگر واقعی وہ یہ سب ماریہ کے لیے کر رہا ہے، تو اسے اس تک پہنچنے دو"۔وہ لمحے بھر کو خاموش ہوا، جیسے بات کے ہر پہلو پر غور کر رہا ہو۔ پھر اس نے اپنی انگلیوں کو ایک ساتھ جوڑ کر کہا۔

"اور اگر وہ واقعی ماریہ کے لیے کر رہا ہو، پھر؟"۔

"تب تم اسے اس کے قریب پہنچنے دینا۔ لیکن جب وہ احسن کے کے بالکل قریب پہنچ جائے، تو اس سے پہلے اس کی ملاقات مجھ سے کروا دینا"۔اس کے لبوں پر دھیرے سے مسکراہٹ پھیل گئی، اس کی آنکھوں کی چمک مزید گہری ہو گئی۔ یہ مسکراہٹ کسی منصوبے کی خبر دیتی تھی، جو مکمل ہونے کے قریب تھا۔ سامنے بیٹھا شخص احترام سے اٹھا اور اجازت لے کر باہر نکل گیا۔

مشروب اور سگریٹ کی ملی جلی خوشبو کمرے کی فضا کو اپنے حصار میں لے چکی تھی۔ یہ بو وہاں کے مکینوں کے لیے معمول کا حصہ تھی، جیسے ان کے روزمرہ کا ایک لازمی جزو۔ لیکن اگر کوئی نیا فرد وہاں قدم رکھتا، تو وہ شاید چند لمحوں میں ہی دم گھٹنے کی شکایت کرتا۔ کمرے کی زرد روشنی، جس پر دھویں کی ہلکی تہہ چھائی ہوئی تھی، ماحول کو مزید دھندلا بنا رہی تھی۔

"کچھ سوچا ہے اس وائے ڈی کا کیا کرنا ہے؟"۔ حمید صاحب نے گہری آواز میں پوچھا، ان کی نظریں سامنے پڑے گلاس پر مرکوز تھیں۔

"ابھی کچھ وقت تک تو خاموش رہنا ہوگا۔ زوہیب کی وجہ سے سارا معاملہ پہلے ہی خراب ہو چکا ہے"۔ شاہد عباسی، جو اپنے خیالات میں الجھے ہوئے تھے، جھنجھلا کر بولے، ان کی آواز میں مایوسی کا عنصر جھلک رہا تھا۔

"میں تو پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ اس پر اتنا بھروسہ نہ کرو"۔ ان کا لہجہ کسی قدر طنزیہ تھا۔ فاخر سلمان نے کندھے اچکائے اور بے نیازی سے موبائل کی اسکرین پر نظریں گاڑھ لیں۔

"اس کا پلان تو ٹھیک تھا، لیکن یہ وائے ڈی بہت شاطر ہے۔ زوہیب نے صحیح پہچانا تھا کہ یہ لڑکی کا معاملہ ہے۔ لیکن اس نے الٹا زوہیب کو استعمال کیا، نہ صرف لڑکی حاصل کر لی بلکہ

ہمارا پورا منصوبہ بھی خاک میں ملا دیا"۔ حمید صاحب نے تلخی سے کہا۔ ان کے چہرے پر غصے اور ناگواری کے آثار واضح تھے۔ پھر وہ اچانک شاہد عباسی کی طرف متوجہ ہوئے، جن کا چہرہ کسی گہری سوچ کی عکاسی کر رہا تھا۔

"شاہد، تم کچھ پریشان لگ رہے ہو؟"۔ حمید صاحب نے سوال کیا۔

"ہاں، واقعی! کیا بات ہے؟"۔ فاخر سلمان، جواب موبائل جیب میں رکھ چکے تھے، شاہد عباسی کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ شاہد عباسی چونک کر خیالات کی دنیا سے باہر آئے۔

"کون؟ میں؟ آں... نہیں، بس وہی وائے ڈی کے بارے میں سوچ رہا تھا"۔ وہ مسکرا کر بولے، لیکن ان کی مسکراہٹ کے پیچھے چھپے اضطراب کو کوئی بھی محسوس کر سکتا تھا۔

"پریشان نہ ہو۔ ابھی کچھ دن آرام کرو۔ اس معاملے کو بعد میں دیکھ لیں گے"۔۔ حمید صاحب سنجیدگی سے بولے۔

"ہاں، بالکل۔ اچھا یہ بتاؤ، تم لوگ پارٹی میں چل رہے ہو نا؟"۔ فاخر سلمان نے ان کی بات کی تائید کرتے ہوئے بات کا رخ بدل دیا۔ یہ کمرہ نہ صرف ان کی سازشوں کا گواہ تھا بلکہ ان کی الجھنوں اور پریشانیوں کا بھی مرکز بن چکا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ڈیڑھ بجے کا وقت تھا۔رات کے سناٹے نے جیسے پورے ماحول کو منجمد کر رکھا تھا۔وہ بہت آہستگی اور چپکے سے اندر داخل ہوا۔قدم ایسے ہلکے تھے کہ ان کی آواز بھی خود کو سننے سے قاصر تھی۔اس کا رخ سیدھا اپنے کمرے کی طرف تھا۔ نظریں مسلسل چاروں طرف گھوم رہی تھیں، ہر حرکت کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔وہ ہر قدم نہایت محتاط انداز میں بڑھا رہا تھا۔لیکن قسمت آج اس کے ساتھ نہیں تھی۔وہ جس سے بچنا چاہ رہا تھا، وہی سامنے کھڑی تھی۔

"تت... تم... تمہاری شرٹ... دور رہنا مجھ سے... قریب مت آنا... تم قاتل ہو... تم برے ہو"۔الفاظ بمشکل اس کے لبوں سے نکل رہے تھے۔اس کی حالت غیر ہونے لگی۔وہ رو رہی تھی، چیخ رہی تھی، اور اس کا پورا وجود ڈر سے کانپ رہا تھا۔

"فاطمہ! میری بات سنیں، پلیز"۔وہ اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے التجا کر رہا تھا۔اس کے لہجے میں دھیما پن اور تسلی کا عنصر واضح تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

''نن... نہیں... قریب مت آنا... اللہ مجھے بچائیں... مجھے چھوڑ دو... پلیز چھوڑ دو''۔ وہ چیختی ہوئی نیچے بیٹھ گئی۔ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا گئی۔ فاز عالم کی آنکھوں میں درد اتر آیا۔ وہ اسے بے بسی سے دیکھ رہا تھا۔

''پرسکون ہو جائیں، میں کچھ نہیں کر رہا، یقین کریں۔ آپ محفوظ ہیں، فاطمہ۔ خود کو اذیت دینا بند کریں''۔ اس کی آواز میں ایک غیر معمولی ٹھہراؤ تھا۔ وہ اسے پرسکون کرنا چاہتا تھا۔ اس کے قریب جا کر تسلی دینا چاہتا تھا۔ لیکن وہ اس کے قریب نہیں جا سکتا تھا۔

''تم... تم ظالم ہو''۔ اس کی آواز آہستہ آہستہ مدھم ہوتی جا رہی تھی۔

''کمرے میں جائیں، فاطمہ''۔ فاز نے بڑی مشکل سے اپنی نظریں ہٹائیں۔ اس کا دل ایک عجیب کیفیت میں ڈوبا جا رہا تھا۔ فاطمہ اس کی وجہ سے تکلیف میں تھی۔ اسے لگتا تھا اسے کسی بات سے فرق نہیں پڑ سکتا۔ لیکن یہ بات آج غلط ثابت ہوئی۔ فرق پڑ رہا تھا اور بہت زیادہ پڑ رہا تھا۔

''کمرہ؟'' یہ لفظ جیسے اس کے لیے نجات دہندہ تھا۔ وہ فوراً تیزی سے اوپر کی طرف بھاگی۔ فاز عالم نے زخمی نگاہوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ پھر اپنے خون آلود شرٹ کی طرف نظریں ڈالیں۔ ایک گہری سانس بھر کر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"مراد! میں نے تم سے کیا پوچھا تھا؟"۔وہ بمشکل اپنی شرٹ تبدیل کر رہا تھا۔چہرے پر تکلیف کے آثار نمایاں تھے۔موبائل اسپیکر پر تھا،اور اس کی آواز غصے سے بھری ہوئی تھی۔

"کیا پوچھا تھا، سر؟"۔دوسری طرف مراد کی آواز قدرے ہچکچاتی ہوئی تھی۔

"میں پوچھا تھا نہ، فاطمہ اپنے کمرے میں ہیں یا نہیں؟"۔وہ شرٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے غصے سے تن گیا۔

"جی، سر۔میں نے معلوم کروایا تھا۔وہ اپنے کمرے میں ہی تھیں"۔مراد نے تیزی سے جواب دیتے دیتے رکا۔"کیا وہ اپنے کمرے میں نہیں تھیں؟"۔حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

"نہیں۔اور تم لوگوں سے تو بعد میں نمٹوں گا۔تیار رہنا"۔فاز نے بالوں میں ہاتھ پھیرا، پھر کال کاٹ دی۔غصے کے تاثرات کو ڈھیلا چھوڑتے ہوئے اس نے خود کو پر سکون کیا اور فاطمہ کے کمرے کی طرف بڑھا۔کمرہ لاک تھا۔اس نے نفی میں سر ہلایا، جیب سے ڈوپلیکٹ چابی نکالی، جو وہ ساتھ لیتے ہوئے آیا تھا اور دروازہ کھول دیا۔

Clubb of Quality Content

بیڈ پر وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ دونوں پاؤں سینے سے لگائے، ہاتھ باندھ کر ان پر سر رکھے ہوئے۔ وہ لرز رہی تھی۔ اس کے ڈرے ہوئے چہرے پر آنسوؤں کی دھاریں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے خوفزدہ ہو کر سر اٹھایا۔ فاز عالم دروازے پر کھڑا تھا۔ اس کی شرٹ کی آستینیں کہنیوں تک موڑی ہوئی تھیں۔ وہ اس سے ڈر رہی تھی اور یہ بات اسے تکلیف دے رہی تھی۔۔ وہ سمجھ سکتا تھا کہ اس کے ساتھ ان دنوں کیا کچھ بیتا تھا۔ وہ ذہنی طور پر ڈسٹرب تھی۔ احسن کا اغوا ہونا، عابد کا جیل جانا، شادی کا ٹوٹ جانا، رشتوں کی حقیقت، اور اس شخص کے ساتھ نکاح جسے وہ ان ساری چیزوں کا زمہ دار سمجھتی تھی۔ سنبھلنے میں تھوڑا وقت تو لگنا تھا۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟ پلیز چلے جاؤ"۔ وہ بے بسی سے اسے قریب آتا دیکھ کر بولی۔

"نہیں چھوڑ سکتا آپ کو یوں"۔ آنکھیں بند کر کے کھولتا خود کو پرسکون کیا۔ "ایک بار میری بات سن لیں"۔ اس سے کچھ فاصلے پہ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے نرمی سے گویا ہوا۔

"میں کچھ نہیں سننا چاہتی"۔ اس نے چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔ اس کی آواز زکام زدہ اور کانپتی ہوئی تھی۔

"میں جانتا ہوں، میرے یہاں بیٹھنے سے آپ کمفرٹیبل نہیں ہیں۔ جتنی جلدی میری بات سنیں گی، یں اتنی جلدی یہاں سے چلا جاؤں گا"۔ وہ بے حد نرمی سے بولا۔ کمرے میں زیرو پاور بلب روشن تھا۔ گیلی خم دار پلکیں نیلی آنکھوں کو مزید خوبصورت بنا رہی تھیں۔

"تم سمجھتے کیوں نہیں؟ قاتل ہو تم۔ کیوں مارا تم نے؟"۔ اس کی طرف دیکھتی وہ بلند آواز میں چیخی۔

"بس کریں، فاطمہ! مت دیں خود کو اتنی تکلیف". اس نے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اسے جھٹکا دیا۔ اس کی بلند آواز نے اسے پل بھر کے لیے ساکت کر دیا۔ پلک جھپکائے بغیر اسے دیکھنے لگی۔

"وہ خون کسی اور کا نہیں، میرا اپنا تھا۔ گولی میں نے کسی کو نہیں ماری، گولی مجھے لگی تھی"۔ وہ اسے اپنا زخمی بازو دکھا رہا تھا۔ بنا زخم کی پرواہ کیے۔ جھٹکا لگنے کی وجہ سے اسے تکلیف ہوئی تھی۔ فاطمہ خالی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے اندر ایک عجیب سناٹا چھا گیا تھا۔

"خود کو نکالیں اس فیز سے۔ جتنا برا آپ کے ساتھ ہونا تھا، ہو چکا۔ خوف ختم کریں اپنا۔ آپ کہتی ہیں، میں برا ہوں، تو ہاں، میں برا ہوں۔ لیکن فاطمہ اتنا تو یقین رکھیں مجھ

پہ، میں آپ کو کبھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ آپ محفوظ ہیں یہاں"۔ وہ کھڑکی کے قریب گیا، چند لمحوں کے لیے رکا، پھر دھیمی آواز میں بولا۔ "مت دیا کریں خود کو تکلیف"۔

اور یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ کمرہ اس کی غیر موجودگی میں مزید سناٹے میں ڈوب گیا۔ فاطمہ یک ٹک بیٹھی تھی۔ اس کی نظروں کے سامنے اس کے چہرے کے تکلیف دہ تاثرات ابھرنے لگے۔ جب وہ اپنا زخمی بازو دکھا رہا تھا۔ وہ بے چین ہو گئی۔

اس کا دل بوجھل سا ہو گیا تھا۔

پورے ایک روز بعد فاطمہ کمال اپنے کمرے سے باہر نکلی تھی۔ بند کمرے کی تنہائی نے اسے خود سے لڑنے کا موقع دیا تھا، اور وہ کسی حد تک اپنے جذبات کو سنبھالنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ دن کی روشنی ڈھل رہی تھی، اور لاؤنج کی بڑی کھڑکی سے آتی سورج کی آخری کرنیں ماحول کو ایک سنہری روشنی میں نہلا رہی تھیں۔۔

لاؤنج میں قدم رکھتے ہی ایک ملازمہ، جو بلیک یونیفارم میں ملبوس تھی، فوراً اس کے قریب آئی۔

"میم، آپ کو کوئی کام ہے؟"۔ اس نے مہذب اور پروفیشنل انداز میں دریافت کیا۔

”مجھے تمہارے سر سے ملنا ہے۔ کہاں ہے وہ؟“۔ فاطمہ نے اس پر ایک نظر ڈالی اور سنجیدگی سے کہا۔

”سر ابھی ایک اہم کام میں مصروف ہیں، اور اس کمرے میں جانے کی اجازت کسی کو نہیں ہے“۔ پروفیشنل انداز میں اس نے جواب دیا۔

”جا کر بتاؤ کہ میں ابھی بات کرنا چاہتی ہوں“۔ یہ کہتے ہی وہ صوفے پر جا بیٹھی۔ ملازمہ اسے عجیب انداز میں دیکھی، کندھے اچکائے اور فوراً فاز عالم کو پیغام دینے چلی گئی۔

اگلے لمحے فاز عالم، جو ہمیشہ کی طرح پُر وقار اور پُرسکون دکھائی دے رہا تھا، اس کے سامنے تھا۔ وہ زرد رنگ کا، چھوٹے چھوٹے پھولوں کی پرنٹ والا لان کا لباس پہنے ہوئے تھی، اور اس کے بالوں کی پونی ٹیل اسے مزید جاذبِ نظر بنا رہی تھی۔ فاز عالم کے قدموں کی آواز کے ساتھ ہی فاطمہ نے نظریں اٹھائیں۔ آج وہ پورے ایک روز بعد اس کے سامنے تھی۔ وہ بھی اتنا مصروف تھا کہ اس سے مل نہیں سکا۔

”کیسی ہیں آپ؟“۔ اس کے بالکل سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔

”میں یہاں حال احوال پوچھنے کے لیے نہیں بیٹھی“۔ فاطمہ کی آنکھوں میں سختی اور چہرے پر سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ اس کا لہجہ دھیمے لیکن تناؤ سے بھرپور تھا۔

"تو بتائیں کس لیے بلایا ہے مجھے ؟"۔فاز نے ایک لمحے کے لیے گہری سانس لی اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آرام دہ انداز میں بولا۔اس کی نظریں اس کے سلیپر میں قید قدموں پر ٹھہر گئی تھیں۔

"مجھے اپنے بابا سے بات کرنی ہے"۔اس کی بات سنتے ہی فاز کے نرم تاثرات غائب ہو گئے،اور اس کے چہرے پر ایک سخت تاثر چھا گیا۔

"آپ نے مجھے اس لیے بلایا ہے؟آپ کو اندازہ ہے میں کتنا ضروری کام چھوڑ کر آیا ہوں؟یہ بات آپ مجھ سے بعد میں بھی کر سکتی تھیں"۔۔

"کیونکہ مجھے اپنے بابا سے بات کرنا تمہارے سو کالڈ کاموں سے زیادہ ضروری لگا"۔بنا شرمندہ ہوئے وہ سرد انداز میں بولی۔

"آپ کو ہر وقت کیوں لگتا ہے کہ آپ ہی صحیح ہیں؟اپنی ذات سے باہر نکل کر دیکھیں گی تو آپ کو پتہ چلے گا کیا صحیح ہے اور کیا غلط"۔فاز نے غصے سے اس کی جانب دیکھا۔اس کی آواز میں سختی در آئی۔وہ جتنا ضروری کام چھوڑ کر آیا تھا اس کا اندازہ فاطمہ کمال کو نہیں تھا۔

"تم مجھ پر غصہ نہیں کر سکتے"۔پہلی بار اس کی آواز میں اپنے لیے غصہ محسوس کر کے اسے اچھا نہیں لگا۔

"آلرائٹ، آپ چاہیں تو کچھ بھی کہہ دیں، لیکن میں آپ پر غصہ نہیں کر سکتا"۔اس نے گہری سانس بھری۔

"کیونکہ تم مجھے اپنی مرضی سے یہاں لائے ہو، میں خود نہیں آئی"۔۔فاطمہ اسے جتائی۔

"تو اس کا کیا مطلب ہے میں آپ کے نکھرے اٹھاؤں؟"۔وہ اسے بے یقینی سے دیکھ رہا تھا۔

"اسے نکھرے نہیں کہتے، وائے ڈی"۔وہ تلملاتی ہوئی بولی۔اسے سخت حیرانی ہوئی وہ اس کی روڈنیس کو نکھرے سے ملا رہا تھا۔آخر کیسے؟۔

فاز نے گہری سانس لی اور ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا،"مجھے ویسے تو سب ہی وائے ڈی یا مسٹر عالم کہتے ہیں، لیکن آپ کے لبوں سے یہ اچھا نہیں لگ رہا۔آپ فاز عالم کہہ سکتی ہیں"۔یکدم ہی وہ ہلکا پھلکا ہوتا مسکرایا۔صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتا اسے کی حیران حیران سی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"میرا تم سے ایسا کوئی رشتہ نہیں جو تم مجھ سے یوں فرمائشیں کرو"۔۔اس کی نظروں سے وہ کنفیوز ہوئی۔کانفیڈنٹ سی فاطمہ کمال اس لمحے کنفیوز ہوئی تھی۔

''نہیں، خیر، رشتہ تو بہت گہرا ہے۔ وہ الگ بات ہے کہ آپ مانتی نہیں۔ایک بات تو بتائیں اگر یہ آپ کے نکھرے نہیں تو پھر آپ کے نکھرے کیسے ہونگے؟''۔لبوں پہ بکھرتی شرارتی مسکراہٹ اس نے روکنے کی کوشش نہیں کی۔فاطمہ بگڑے تیوروں سے اسے دیکھی۔

''میں تمہیں کیوں بتاؤں گی؟''۔۔آنکھیں چھوٹی کیے وہ اسے گھوری۔

''پھر کسے دکھائیں گی اپنے نکھرے؟''۔لفظوں میں ردوبدل کرتے ہوئے،اس کا انداز چھیڑتا ہوا تھا۔

''جس سے میں محبت کرتی ہوں گی''۔اس کا انداز جتاتا ہوا تھا۔وہ اسے تو بالکل نہیں دکھائے گی۔

''آں ہاں،تو مجھے آپ کے نکھرے دیکھنے کے لیے انتظار کرنا ہوگا''۔۔

''غلط فہمی ہے تمہاری''۔چہرے خفت وغصے سے سرخ ہوا۔

اسی لمحے فاز کا فون بجا۔اس نے جلدی سے فون اٹھایا اور جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔

''آپ اپنے بابا اور ماریہ ابراہیم سے بات کر سکتی ہیں،اس کے علاوہ کسی سے نہیں''۔۔کھڑے ہوتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔فاطمہ نے شکر کا سانس لیا اس کے جانے

پر۔ورنہ اس کے بدلتے انداز اسے مشکل میں ڈال رہے تھے۔وہ خود بھی کھڑی ہوئی۔اگلے لمحے فاز عالم اس کے قریب آیا،وہ ہڑبڑا کے پیچھے ہوتی خود کو صوفے میں گرنے سے بچائی۔

"آپ اس زرد جوڑے میں بالکل سورج مکھی کا پھول لگ رہی ہیں"۔مسکاتے لہجے میں کہہ کر وہ چلا گیا،اور پیچھے فاطمہ حیرت وغصے سے اس کی بات سوچنے لگی۔

"ایڈیٹ! تعریف بھی ڈھنگ سے کرنی نہیں آتی"۔بڑبڑاتے ہوئے وہ چونکی۔"یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ کیا کہہ رہی ہوں میں؟"۔جلدی سے اپنے کمرے کی طرف بھاگی،اور دل کی دھڑکن سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔

"بابا...بابا! السلام علیکم بابا۔۔میں فاطمہ ہوں...آپ کیسے ہیں،بابا؟"۔فون کال ریسو ہوتے ہی وہ دیوانہ وار بولی،اُس کی آواز میں تڑپ نمایاں تھی۔

"وعلیکم السلام،ٹھیک ہوں میں"۔ان کی آواز کی سرد مہری نے اُس کے دل پر گہرا وار کیا۔اُس کی آنکھیں نم ہو گئیں،اور سانس لینا دشوار ہونے لگا۔

"بابا،آپ...."۔وہ کچھ کہنے لگی،لیکن حلق میں آنسوؤں کا گولا پھنس گیا۔"آپ مجھ سے ناراض ہیں؟"۔

''کیا مجھے ناراض نہیں ہونا چاہیے؟میں ہر جگہ آپ کا ساتھ دیتا رہا۔ہر اسکینڈل پر میں کہتا رہا میری بیٹی کا ان ساری چیزوں سے کوئی تعلق نہیں۔لیکن آپ نے کیا کیا؟''۔ان کی بات نے اُس کے دل میں چھپے دکھ کو اور بڑھا دیا۔

''نہیں، بابا! ناراض تو مجھے ہونا چاہیے''۔اُس کی آواز بھرا گئی،اور وہ زار و قطار رونے لگی۔''آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں، بابا؟''۔۔

''فاطمہ بیٹا،آپ ٹھیک ہیں؟''۔وہ باپ تھے،بیٹی کی ہچکیاں سن کر تڑپ اٹھے۔اُن کا لہجہ نرم پڑ گیا۔

''کیسے ٹھیک ہو سکتی ہوں، بابا؟میں بے قصور ہوتے ہوئے بھی سزا جھیل رہی ہوں۔اگر میری غلطی ہوتی بھی،تو کیا آپ کو مجھے اتنی بڑی سزا دینی چاہیے تھی؟''۔وہ موبائل کان سے لگائے فرش پر بیٹھتی چلی گئی۔دوپٹہ اُس کے کندھے سے پھسل کر زمین پر جا گرا تھا۔

''آپ نے اپنی بیٹی کو ایک گینگسٹر کے ہاتھ میں سونپ دیا،کیسے بابا؟''۔وہ جیسے بوجھل دل سے یہ الفاظ نکال رہی تھی۔

''گینگسٹر؟یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں،فاطمہ؟''۔کمال صاحب حیرت کے عالم میں اپنی آفس چیئر سے کھڑے ہو گئے۔

"ہاں، بابا! وہ گینگسٹر ہے، برے کام کرتا ہے، لوگوں کو قتل کرتا ہے"۔۔وہ بچوں کی طرح ایک ایک شکایت کر رہی تھی۔دوسری طرف وہ محسوس کر رہے تھے کہ اُن کے قدموں تلے زمین سرک گئی ہے۔

"میری بیٹی..."۔ان کے حلق سے بمشکل یہ الفاظ نکلے۔"میری گڑیا آپ ٹھیک تو ہیں؟"۔۔

"بابا، آپ پریشان نہ ہوں۔وہ مجھے کچھ نہیں کہے گا"۔اُن کے لہجے میں گھلتی فکر کو محسوس کرتے ہوئے اُس نے سنبھل کر جواب دیا۔ایک ہاتھ سے وہ اپنے آنسو بھی صاف کر رہی تھی۔

"لیکن فاطمہ اپ نے گینگسٹر سے شادی کیوں کی؟"۔ان کی آواز میں بے بسی کا گہرا رنگ تھا۔

"بابا، یہ شادی تو آپ نے کروائی ہے"۔اس بار وہ خود بھی چونک گئی۔اُس کے چہرے پر حیرت کی ایک واضح جھلک تھی۔

"فاطمہ، مجھ سے رابطے میں رہنا، بیٹا۔ میں جلد پاکستان آنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اور لائر سے بھی بات کرتا ہوں۔ وہ آپ کو اس جہنم سے نکال لے گا"۔ اُن کے الفاظ میں بے چینی اور تڑپ تھی، وہ اپنی بیٹی کو اس حال میں چھوڑنے کے لیے خود کو کوس رہے تھے۔

"بابا کیا آپ ٹھیک ہیں؟ میرے علاوہ کوئی اور مسئلہ بھی ہے؟"۔ اپنی حالت بھول کر وہ باپ کے لیے فکر مند ہو گئی۔

"نہیں، آپ فکر نہ کرو۔ کوئی آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ میرا بیٹا اپنا بہت خیال رکھنا، آپ بہت مضبوط اور بہادر ہیں فاطمہ۔ آپ ان حالات سے ہاریں گی نہیں"۔ ان کا لہجہ جذبات سے بھرپور تھا۔ اُن کے دل میں بیٹی کو تسلی دینے اور اُس کے درد کو کم کرنے کی کوشش عیاں تھی۔ باپ کی اس محبت بھری آواز پر وہ تڑپ اٹھی۔

"فکر نا کریں بابا۔ آپ بھی اپنا خیال۔ رکھیے گا۔ آئی مس یو بابا"۔۔

"مس یو ٹو بابا کا بچہ"۔۔ آواز میں نمی گھلتے تیزی سے انھوں نے کال کاٹ دی۔ فاطمہ کی نظریں موبائل کی اسکرین پر جمی رہیں۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ آنکھوں سے گرتے آنسو چہرے پر پھیل گئے تھے۔

"فاطمہ، یہ میں نے کیا کر دیا؟"۔ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے ان کے دل پر بھاری بوجھ محسوس ہوا۔ جیسے گھٹن کا شکار ہوں۔ کوٹ جھٹک کر چیئر پر پھینک دیا اور شرٹ کے اوپر کے بٹن کھول کر گہرے گہرے سانس لینے لگے۔ پسینے کے قطرے پیشانی پر چمکنے لگے تھے، اور دل کی دھڑکن بے ترتیب ہو رہی تھی۔

"میں آپ کو اپنے پاس لے آؤں گا، بیٹا، میں آپ کو اس جہنم میں نہیں رہنے دوں گا"۔ آنکھوں میں نمی لیے، وہ سینے کو سہلانے لگے۔ اُن کی طبیعت بگڑ رہی تھی۔ جلدی سے میز کی دراز کھولی، میڈیسن باکس نکالا اور دوائیاں نکال کر کانپتے ہاتھوں سے گولی حلق میں اتار لی۔ گلاس بھر کے ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔ سانسیں کسی حد تک بحال ہوئیں تو وہ تھکے تھکے انداز میں چیئر پر گر گئے۔ آنکھیں بند کرتے ہی ماضی کے یادگار مناظر ذہن میں اُبھرنے لگے۔

"ناز، مجھے اس کی آنکھیں بہت پسند ہیں"۔ نرم ملائی سی چھوٹی سی گڑیا کو گود میں لیے، وہ اُس کی آنکھوں کو بار بار چوم رہے تھے۔ اس کی آنکھیں ماں جیسی تھیں۔ نیلی۔ ناز ہنستے ہوئے شوہر کی محبت دیکھ رہی تھیں۔

"اور مجھے اس کی ناک پسند ہے"۔ناز نے شوخی سے جواب دیا۔ناک بابا کی طرح تھی۔وہ ہنس دیے۔

"مجھے یقین نہیں آرہا،ناز۔نہ صرف تم میری ہو، بلکہ اب ہماری محبت کی یہ چھوٹی سی نشانی بھی ہے"۔اُن کی آواز جذبات سے بھیگ گئی۔

"مجھے یاد ہے، کمال، بابا کو منانے کے لیے آپ نے کتنے پاپڑ بیلے تھے۔وہ تو پاکستان میں میری شادی کے لیے تیار ہی نہیں تھے"۔۔وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

"شکر ہے، آپ کی امی نے منالیا تھا۔کیا کہا تھا انہوں نے کہ جب آپ پاکستان سے مجھے لا سکتے ہیں، تو بیٹی کو پاکستان جانے دیں۔آپ کو مجھ سے محبت تھی اور کمال کو آپ کی بیٹی سے"۔وہ ہنستے ہوئے اُن لمحوں کو یاد کررہے تھے۔ناز اور کمال کی ملاقات ترکی میں ہوئی تھی۔ناز کے ملک میں۔

"کمال، ہماری بیٹی کو شہزادی بنا کر رکھیے گا، کبھی اُسے تنہا نہ ہونے دیجیے گا"۔ناز کی آنکھوں میں ماں کی محبت چھلک رہی تھی۔مائیں یوں ہی اولاد کے لیے جذباتی ہو جایا کرتی ہیں۔

"ناز، فکر کیوں کرتی ہیں؟ ہم دونوں ہیں نا، ہماری بیٹی کے لیے۔اسے دنیا کی ہر آسائش دینگے"۔۔

ماضی کی یہ جھلکیاں یاد کرتے ہی ان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔وہ نیلی آنکھیں...وہ کتنی روئی ہوں گی؟ان کی سوچوں میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔اسی لمحے میز پر رکھا موبائل بجا۔انجان نمبر سے آیا پیغام پڑھتے ہی وہ ساکت رہ گئے:

"میں جانتا ہوں آپ اپنی بیٹی کی سلامتی چاہتے ہیں۔اس کا حل سوچا میں ہی بتادوں آپ کو۔پولیس اور لائر سے دور رہیں، کیونکہ آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔پاکستان جب آئیں گے تو میں خود ملوں گا آپ سے۔مل کر بات کریں گے۔فی الحال آپ کو مجھ پر بھروسہ کرنا ہو گا۔فاطمہ کمال کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، یہ میرا وعدہ ہے۔اور ویسے بھی، آپ کے پاس بھروسہ کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں"۔۔پیغام پڑھتے ہی ان کی پیشانی پر شکنیں گہری ہو گئیں۔وہ اضطراب کے عالم میں پیشانی مسلنے لگے۔ابھی وہ اس حیرت میں تھے کہ ایک اور پیغام موصول ہوا۔

"آپ جس بزنس ڈیل میں پھنسے ہیں،اس کی نوعیت کا مجھے اچھی طرح علم ہے۔اور یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کا فوری پاکستان آنا ممکن نہیں۔آپ بے فکر رہیں، فاطمہ محفوظ

ہے۔ایک بات اور، میں جانتا ہوں کہ آپ ہائی بلڈ پریشر کے مریض ہیں۔اپنی طبیعت خراب کرنے کے بجائے روزانہ فاطمہ سے کال پر بات کر سکتے ہیں"۔

ہر لفظ ان کے دل پر نشتر کی طرح لگ رہا تھا۔وہ پیغام پڑھتے جا رہے تھے اور الجھتے جا رہے تھے۔

"یہ سب کچھ وہ کیسے جانتا ہے؟"۔لیکن پھر خود ہی سوچ کر رہ گئے۔وہ ایک گینگسٹر تھا، جس کے لیے کچھ بھی معلوم کرنا مشکل نہیں۔لیکن... یہ مہربانیاں؟

"تم یہ سب کیوں کر رہے ہو؟اور فاطمہ کو حاصل کرنے کا مقصد کیا ہے؟"۔کچھ دیر سوچنے کے بعد انہوں نے پیغام ٹائپ کیا۔

"میں آپ کی بیٹی کو اپنی زندگی میں چاہتا تھا۔اب وہ مجھے مل گئی ہیں،ان کا خیال ہے جب ہی اتنی رعایت دے رہا ہوں"۔

موبائل کی اسکرین بند کرتے ہی وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔اُن کے چہرے پر گہری سوچ کے سائے تھے، جیسے وہ اپنی بیٹی کے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے اندر ہی اندر خود کو تیار کر رہے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

محبت فاتح ٹھہری

از عائشہ اصغر

قسط نمبر ٦

لاونج کے بیچوں بیچ صوفے پر بیٹھی پندرہ سالہ علیشبہ کے چہرے پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔

"مما، فاطمہ آپی اب کبھی نہیں آئیں گی؟"۔ وہ اپنی ماں سے معصومیت سے پوچھ رہی تھی.

"شکر ادا کرو، جان چھوٹی دوبارہ بلا کے کیا کرنا؟"۔ ریحانہ نے ہاتھ میں پکڑے اخروٹ کو چھیلتے ہوئے نخوت سے سر جھٹکا۔ ان کے لہجے میں بے نیازی تھی۔

"لیکن مما، وہ تو اتنی اچھی ہیں"۔ علیشبہ اپنی ماں کی بات کا برا مناتے ہوئے آہستگی سے بولی۔ اس کی آواز میں خفگی اور ناراضگی صاف جھلک رہی تھی۔

"اس گھر میں سب کو بس فاطمہ کی فکر ہے۔ ارے، وہ تو خوشی خوشی چلی گئی۔ کسی کو میرے بیٹے احسن کا خیال ہی نہیں۔ اور تم، علیشبہ، آئندہ اس فاطمہ کا نام مت لینا"۔ ریحانہ

کے جواب دینے سے پہلے ہی لاؤنج میں شمائلہ چچی کی گرجدار آواز گونجی۔ شمائلہ کے چہرے پر غصہ اور بے بسی نمایاں تھی۔

""کیا ہو گیا ہے شمائلہ؟ کیوں بچی پر چیخ رہی ہو؟""۔ علیشبہ کا سہما ہوا چہرہ دیکھ کر دادی سکینہ نے کرخت لہجے میں مداخلت کی۔

""بس کریں اماں، بس کر دیں۔ میرے بیٹے کی تو کسی کو کوئی فکر نہیں۔ آپ کو کیا پتا، نا جانے میرے بیٹے کے ساتھ کیا بیت رہی ہو گی؟""۔۔ہاتھ ہلا ہلا کر وہ بدلحاظی سے کہہ رہی تھیں۔ غم اور غصے کا امتزاج لیے۔

""بھابھی، ہم مانتے ہیں کہ آپ کو صدمہ ہوا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ہر کسی پر اپنا غصہ نکالیں۔ یہ اماں ہی ہیں جو احسن کی خیر کی دعائیں مانگ رہی ہیں""۔ ریحانہ نے غصے سے اپنے ہاتھ میں پکڑا ڈرائی فروٹ کا پیالہ میز پر پٹخا اور شمائلہ کو گھورتے ہوئے بولی۔

""بس کرو تم دونوں! یہ سب اس فاطمہ کی وجہ سے ہوا ہے۔ نام تو نیک ہے، لیکن حرکتیں اللہ معافی۔ اب اس گھر میں کوئی اس کا نام نہیں لے گا۔ بات ختم""۔ دادی سکینہ نے دونوں کو جھاڑتے ہوئے حتمی لہجے میں کہا۔ ان کی سانسیں پھولنے لگیں تو علیشبہ فوراً دوڑ کر پانی کا گلاس لے آئی اور نانی کو پکڑایا۔

”جتنا اُن کا نام نیک ہے، اتنی ہی وہ بھی۔ کتنا ظلم کریں گے آپ لوگ؟ وہ معصوم ہیں، پاکیزہ ہیں، بالکل اپنے نام کی طرح۔ آپ لوگ اب بھی ان کی کردار کشی کرنے سے باز نہیں آرہے؟ کیا آپ لوگوں کا دل اتنا سخت ہو چکا ہے؟ مت اتنا گریں کہ بعد میں اٹھ نہ سکیں“۔ دادی کی بات سن کر اچانک کچن سے ماریہ باہر آئی۔ اس کے چہرے پر دکھ اور غصہ نمایاں تھا۔ وہ مضبوط قدموں سے آگے بڑھی اور افسوس بھری نظروں سے سب کو دیکھتے ہوئے بولی۔

”تم، ماریہ؟ تمہیں اپنے بھائی کی ذرا بھی فکر نہیں؟ اور اس منحوس لڑکی کی حمایت کر رہی ہو؟ کہیں تمہارا بھی فاطمہ جیسا ارادہ تو نہیں؟ اگر ایسا ہے تو یاد رکھنا، میں تمہارا اگلا دن بادوں گی“۔ شمائلہ کے الفاظ زہر کی طرح تھے، اور ان کی نظریں شعلے برسا رہی تھیں۔ ماریہ نے بے یقینی سے اپنی ماں کو دیکھا۔

”امی، آپ اپنی بیٹی کے بارے میں ایسا کیسے کہہ سکتی ہیں؟ کیسے امی؟ کیسے؟“۔ ماریہ کی آواز کانپ رہی تھی۔ آنکھوں میں بے یقینی، رنج اور اذیت کے رنگ نمایاں تھے۔ دادی سکینہ اور پھوپھی ریحانہ بھی اپنی جگہ دنگ رہ گئی۔

”رہی بات احسن کی، تو اس گھر میں شاید دو لوگ ہی اس سے سچی محبت کرتے ہیں، فاطمہ کمال اور ماریہ ابراہیم۔ اور امی، آپ جو کچھ فاطمہ کے ساتھ کر چکی ہیں، احسن جب واپس آئے گا تو وہ مجھ سے بھی زیادہ آپ سے ناراض ہو گا۔ کیونکہ فاطمہ کمال اسے بہت عزیز ہے“۔ یہ کہہ کر ماریہ نے لرزتی سانسوں کو سنبھالا، اور تیز قدموں سے لاونج سے نکل گئی۔ شمائلہ چچی نے لب وا کیے۔ جیسے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ جیسے وضاحت دینا چاہتی ہوں۔ لیکن دے نہ سکی۔

”شمائلہ، تمہیں ماریہ سے یہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔ فاطمہ اور ماریہ میں بہت فرق ہے“۔ دادی نے شمائلہ کو ملامت بھری نظروں سے دیکھا۔ شمائلہ نے نظریں جھکا لیں، جیسے انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا ہو، مگر زبان خاموش رہی۔

کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی، اور اگلے ہی لمحے وہ اندر آ چکا تھا۔ اس کے لیے دستک دینا محض ایک اعلان تھا، اجازت لینا نہیں۔

وہ بک ریک کے پاس کھڑی کتابوں کو ترتیب دے رہی تھی، شاید یونہی مصروف دکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ہاتھ میں ایک کتاب لیے وہ آہستہ سے اس کی طرف مڑی۔ سامنے وہ

Clubb of Quality Content

کھڑا تھا۔ سیاہ ٹی شرٹ کے اوپر سیاہ جیکٹ، جینز میں ملبوس، بال جیل سے سلیقے سے سیٹ کیے گئے، وہ کہیں جانے کے لیے مکمل تیار تھا۔

"جلدی سے تیار ہو جائیں، میں آپ کو ایک عزیز کے گھر چھوڑوں گا"۔ اس کی بھاری سنجیدہ آواز کمرے میں بکھر گئی۔ چاند کی مدھم روشنی کھڑکی کے شیشوں سے چھن کر اندر آ رہی تھی۔ اس کی ٹھنڈی چمک فرش پر بکھری پڑی تھی۔

"کیوں؟ تم... تم کہیں مجھے بیچنے تو نہیں والے؟"۔ وہ چند لمحے ساکت رہی، پھر بے اختیار بولی۔ آواز میں لرزش تھی، نیلی آنکھوں میں خوف کی ہلکی سی جھلک نمودار ہوئی۔

"استغفراللہ لڑکی! جب بھی کچھ سوچیے گا، فضول ہی سوچیے گا"۔۔ بے ساختگی سے اس نے کہا تھا، افسوس سے سر ہلاتے ہوئے۔

"نہیں تو، تمہارا کیا خیال ہے، اِن حالات میں میں یہ سوچوں گی کہ تم مجھے کسی عزیز کا کہہ کر اپنے ساتھ ڈنر پر لے کر جاؤ گے؟ میں جس طرح یہاں ہوں، اس میں میرے پاس یہی سوچنے کے لیے باقی رہ گیا ہے"۔ تلخ مسکراہٹ ہونٹوں کا احاطہ کی۔ اس کے لہجے میں زہر گھلا تھا، اور نظروں میں خفگی۔ سر جھکاتے ہوئے وہ ہنس دیا۔ مختصر سی یہ ہنسی بہت خوبصورت تھی۔ اتنی کہ لمحے بھر کو کمرے کی سنگین فضا بدل گئی۔

''میں آپ کی یہ خواہش بھی جلد پوری کر دوں گا''۔ ہنسی روکتے ہوئے اسے دیکھا۔

''خواہش نہیں، طنز تھا''۔ وہ حیران رہ گئی پھر غصے سے دانت پیستے ہوئے بولی۔

''اچھا، اب جلدی کریں۔ وقت ضائع نہ کریں''۔ اس نے موبائل میں وقت دیکھا اور عجلت بھرے انداز میں گویا ہوا۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

''کیا تم مجھے کسی کے حوالے نہیں کرو گے؟''۔ پھر آہستہ سے بولی۔ آواز مدھم ہو گئی تھی، آنکھوں میں نمی چمکنے لگی، اور وہ سر جھکاتے ہوئے بے چینی سے انگلیاں چٹخانے لگی۔

''فاطمہ!''۔ اس نے گہری سانس لی اور اس کے قریب آ گیا۔ اس کی آواز نرم تھی۔ سرگوشی جیسی۔ ''میں مانتا ہوں کہ میں برا ہوں، لیکن ہوں تو ایک مرد نا؟ اور آپ میری بیوی ہیں۔ میں آپ کو کسی کے حوالے کیسے کر سکتا ہوں؟ جانتا ہوں کہ یہ سب آپ کے لیے مشکل ہے، لیکن ایک بار پھر یہی کہوں گا۔ مجھ پر یقین کریں، فاطمہ''۔ دھیمے لہجے میں وہ اس کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اس کے علاوہ میرے پاس کوئی آپشن بھی نہیں ہے''۔ اس کے لہجے میں کرب کی گہری پرچھائیاں تھیں۔ وہ آہستہ سے اس کے پاس سے گزری اور وارڈروب کی طرف بڑھ گئی۔

”جہاں جا رہی ہیں، وہاں ایک شخص ہیں، ہاشم ارتضیٰ، اور ان کی بیٹی فاریہ ہاشم۔ آپ فاریہ کے ساتھ رہیں گی“۔ اس کی پشت پر نظریں جمائے، وہ بتانے لگا۔ شاید اس کے خوف کو کم کرنے کے لیے۔ اس نے سر ہلایا اور خاموشی سے کپڑوں کو آگے پیچھے کرنے لگی، پھر ایک نیلا سوٹ نکالنے لگی۔

”یہ نہیں، یہ والا“۔ ایک پل کے لیے وہ سانس لینا بھول گئی۔ وہ اس کے بالکل پیچھے تھا۔ اتنا قریب کہ اس کے کلون کی مہک اس کے سانسوں میں گھلنے لگی۔ فاز نے اس کے ہاتھ سے نیلا جوڑا ہٹا کر سیاہ جوڑا تھما دیا۔ وہ سن سی رہ گئی۔ اس کے دل کی دھڑکن لمحہ بھر کو جیسے رک گئی۔ بہت احتیاط سے وہ مڑی۔ حیرت زدہ آنکھیں اس کی آنکھوں میں جا ٹھہریں۔

”جلدی آجائیں، میں انتظار کر رہا ہوں“۔ اس کی حیران نیلی آنکھوں سے نظریں ہٹاتا، وہ باہر نکل گیا۔ جبکہ وہ پیچھے حیران کھڑی تھی، دل بے قابو دھڑک رہا تھا۔ کیا ان کے درمیان ایسا تعلق تھا کہ وہ یوں اپنا حق جتا رہا تھا؟۔

لینڈ کروزر کی چمکدار باڈی پر اس نے پشت ٹکائی ہوئی تھی، ہاتھ جیبوں میں دبائے، سفید جوگرز میں مقید پاؤں لاپروائی سے ایک دوسرے پر چڑھائے۔ اس کی نظریں دروازے پر

مرکوز تھیں، جیسے کسی خاص لمحے کی منتظر ہوں۔ چند لمحے بعد، لکڑی کا دروازہ ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ کھلا۔ سامنے وہ تھی۔ رات کی تاریکی میں چاند کی طرح چمکتی ہوئی۔ سیاہ گھٹنوں تک آتی فراک، کندھوں پر بے پرواہی سے پڑا سیاہ شیفون کا دوپٹہ، سائیڈ مانگ سے ٹوئسٹ کیے ہوئے بال، جن کی پشت پر کھلتی لٹیں رات کے سائے سے گھلتی محسوس ہو رہی تھیں۔ چہرے پر کوئی میک اپ نہیں تھا، صرف فطری نکھار جو مدھم روشنی میں بھی نمایاں تھا۔ کانوں میں چھوٹے ٹاپس چمک رہے تھے، یوں لگتا تھا رات کے ستارے زمین پر جھلک رہے ہوں۔ وہ قدم بہ قدم چلتی اس کے قریب آئی، مگر چہرے پر ہلکی سی برہمی تھی۔ اس نے بنا کچھ کہے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا۔ وہ خاموشی سے اندر بیٹھی، مگر اس کے بند کرنے سے پہلے خود ہی دروازہ زور سے بند کر دیا۔

"مطلع ابر آلود لگتا ہے"۔ وہ مسکراہٹ روکنے کو دانتوں تلے لب دبا گیا۔۔ سر دائیں بائیں ہلاتے ہوئے اس نے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور لمبے قدموں سے چلتا ہوا ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آ گیا۔ سیاہ تارکول کی سڑک پر گاڑی رواں دواں ہو گئی۔ اندر دو لوگ موجود تھے، مگر خاموشی کسی تیسری ہستی کی طرح ان کے درمیان براجمان تھی۔ یہ سکوت آخر کار فاز عالم کی آواز سے ٹوٹا۔

"آپ وہاں کسی سے ہمارے رشتے کا ذکر نہیں کریں گی"۔ آواز میں سنجیدگی تھی، نظریں سڑک پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تو تم مجھے وہاں کس رشتے سے لے جا رہے ہو؟ بتاؤ کیا کہو گے انہیں میں کون ہوں؟ تمہیں خیال ہو یا نہ ہو۔ لیکن مجھے اپنی عزت بہت پیاری ہے"۔ اس کی آواز تیز ہو گئی تھی۔ وہ غضبناک نگاہوں سے اسے گھور رہی تھی، جبکہ فاز کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔

"یہ مسئلہ میرا ہے، آپ پریشان مت ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ کیا کہنا ہے اور کیا نہیں"۔ ایک لمحے کے لیے اس کی طرف دیکھا، پھر نظریں واپس سڑک پر مرکوز کر لیں۔

"بہن بتاؤ گے؟ ہاں؟ بولو؟"۔ وہ زہریلے طنز سے بولی۔

"استغفراللہ لڑکی۔ آپ نے کیا یہ تہیہ کر لیا ہے جب بولنا ہے فضول ہی بولنا ہے"۔۔ ملامتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"میں حقیقت بیان کرتی ہوں، ظاہر ہے تمہیں فضول لگے گی"۔ فاطمہ تلخی سے مسکراتے ہوئے، کندھے پر دوپٹہ درست کرتے ہوئے بولی۔

"ہاشم ارتضیٰ کو نکاح کے بارے میں پتہ ہے"۔ کچھ توقف کے بعد وہ بولا۔

''مطلب فاریہ ہاشم سے بات پوشیدہ رکھنی ہے؟''۔فاطمہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔فاز نے اثبات میں سر ہلایا۔''اوہ! آئی سی''۔لبوں کو ہلکا سا گول کرتے ہوئے بولی۔آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھری۔

''آپ کا کچھ نہیں ہو سکتا''۔فاز نے مایوسی سے سر ہلایا۔اور گاڑی رات کی تاریکی میں خاموشی سے آگے بڑھتی رہی۔

اس وقت دونوں ہاشم ارتضیٰ اور فاریہ ہاشم کے سامنے صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔چائے ختم کرتے ہوئے،اس نے کپ ٹیبل پر رکھا اور اپنے برابر میں بیٹھی فاطمہ کی ہر حرکت بخوبی دیکھ رہا تھا۔وہ جانتا تھا کہ فاطمہ گھبرا رہی ہے۔

''سر،اب میں چلتا ہوں''۔اس کے کھڑے ہوتے ہی،وہ تینوں بھی اٹھے۔

''بیسٹ آف لک اور فاطمہ کے لیے فکر مند نہیں ہونا''۔ہاشم صاحب نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور تھپتھپایا۔پھر،اس کے برابر میں کھڑی فاطمہ کی طرف اشارہ کیا۔اس نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ سر کو جنبش دی،مگر فاطمہ کا دل ایک گہری بے چینی سے لبریز تھا۔

''بیسٹ آف لک''۔فاریہ ہاشم مسکراتے ہوئے آگے آئی اور اس کے بازو پر ہاتھ رکھتی ہوئی بولی۔

''تھینک یو چھوٹی''۔۔فاز نے نرم مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔فاطمہ کمال ناخوشگواری سے یہ منظر دیکھی تھی۔

''فاریہ، آپ مجھے میرا لیپ ٹاپ اسٹڈی سے کمرے میں لا دیں''۔۔ہاشم صاحب فاریہ سے مخاطب ہوئے تو وہ سر ہلاتی ہوئی چلی گئی، ہاشم ارتضیٰ بھی وہاں سے جا چکے تھے۔ڈرائنگ روم میں اب صرف وہ دونوں تھے۔

''آپ مجھے وِش نہیں کریں گی؟''۔پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے گہری نگاہوں سے فاطمہ کو دیکھا۔

''قتل یا پھر اغواء کرنے جارہے ہو گے''۔فاطمہ نے تندہی سے اسے دیکھا۔''اب اس کے لیے میں ان کی طرح پروٹوکول تو دینے سے رہی''۔ تنفر سے سر جھٹکی۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں''۔فاز کی آواز میں سنجیدگی تھی، اور اس کا لہجہ اتنا پُرعزم تھا کہ فاطمہ نے اسے غور سے دیکھا۔اس کے قریب آئی، اور چہرے پر خوف کی لکیریں واضح ہو گئیں۔

Clubb of Quality Content

"تم واقعی قتل کرنے جارہے ہو؟"۔اس کی آواز دھیمی تھی۔بے یقین سی۔نیلی آنکھیں نم تھیں،جوان کے درمیان کسی خلیج کی طرح پھیل رہا تھا۔فاز نے افسوس سے اسے دیکھا،وہ خود بھی اس صورتحال میں بے بس تھا۔

"آپ رات یہی ٹھہریں گی۔کچھ پتہ نہیں میں کتنی دیر میں واپس آؤں گا۔پریشان نہیں ہوئیے گا"۔اس نے بات بدل دی،مگر اس کے اندر ایک عجیب سا خلا تھا جو ان الفاظ کے ذریعے بھی پر نہ ہو سکا۔

"کب آؤ گے؟"۔اس کی زبان سے کچھ الفاظ پھسل گئے۔کب،کیسے،کیوں؟لیکن وہ پوچھ بیٹھی تھی۔

"فاطمہ"۔اس نے گہری سانس بھری۔"یو آر سیف۔ڈونٹ بی افریڈ۔جانا ضروری نہیں ہوتا تو کبھی نہیں چھوڑتا یہاں"۔وہ نرم لہجے میں کہہ رہا تھا۔اس کے خوف کو زائل کرنے کو۔

"آپ کی کلائی آج کچھ ادھوری سی لگ رہی ہے۔یہ پہن لیجیے گا"۔اس نے جیب سے ایک پیکٹ نکالا اور اس کا ہاتھ تھام کر،ہتھیلی میں رکھ دیا۔وہ۔حق دق سی اس سارے عمل کو دیکھ رہی تھی۔اس کا دماغ گو مگوں کی حالت میں تھا۔وہ اسے نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

"خداحافظ"۔اس نے ہلکا سا اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑا، پھر قدموں کی آواز سنائی دی، اور وہ وہاں سے نکل گیا۔

پیکٹ کھولتے ہوئے فاطمہ نے اس میں سے بلیک بیلٹ والی گھڑی نکالی۔ یہ گھڑی اس کی اپنی ہی تھی۔ شاید اس دن وائے ڈی کے گھر پہ رہ گئی تھی جب وہ احسن کی وجہ سے اس کے گھر میں آئی تھی۔ اس کا لاک مسئلہ کر رہا تھا لیکن وہ پھر بھی پہن چکی تھی اور تب ہی شاید وہ یہی گر گئی تھی۔ وہ گھڑی اسے مما نے دی تھی۔ یہ کہ کر کسی بہت عزیز شخص نے اس کے لیے بھجوایا ہے۔ وہ گھڑی پہننا چھوڑ دی تھی۔ جب اس کی زندگی کی گھڑی رک گئی تھی، تو پھر وہ ان گھڑیوں کا کیا کرتی؟ وہ اسے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھی اور ایک خاموش درد سے آنکھوں میں نمکین پانی آ گیا۔ اس کی آنکھوں کے گوشے میں ایک باندھی ہوئی یاد تھی جو کبھی بھی جھیل کا پانی بن کر بہنے لگتی۔

"حد ہوتی ہے یار، گھڑی سے بھی نکل کر آگے آؤ، جب دیکھو گھڑی"۔ عابد کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔ وہ ہر بار یہی کہتا تھا۔ اگر فاطمہ کو گھڑی پسند تھی۔ تو وہ اس کی پسند کا احترام کیوں نہیں کرتا تھا؟۔ مگر آج، جب یہ گھڑی اس کے ہاتھ میں تھی، فاطمہ کو ایسا محسوس ہوا جیسے یہ گھڑی ایک وعدہ ہے، ایک رشتہ ہے، جسے وہ کسی طور توڑ نہیں سکتی۔

"تم واقعی اتنے اچھے ہو؟ ہو بھی تو، میرے لیے نا بنو۔ مشکل مت کھڑی کرو میرے لیے"۔ وہ سسکی تھی، اور اس کی آواز میں گہرا دکھ تھا۔ فاز کے تصور سے وہ مخاطب تھی۔ نا جانے کیوں لیکن وہ اس گھڑی کو اپنی کلائی کی زینت بنا چکی تھی۔ اس گھڑی کا لاک بھی شاید صحیح کروایا گیا تھا۔

"فاطمہ!"۔ فاریہ ہاشم کی پکار پر اس نے جلدی سے آنسو صاف کیے۔

"آجاؤ، کمرے میں چلتے ہیں"۔ فاریہ نے نرم لہجے میں کہا، فاطمہ نے خود کو نارمل رکھنے کی کوشش کی۔ پھر دونوں ایک ساتھ کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

یہ جو زندگی کی کتاب ہے
یہ کتاب بھی کیا کتاب ہے
کہیں ایک حسین خواب ہے
کہیں جان لیوا عذاب ہے
کبھی کھو لیا، کبھی پالیا
کبھی رو لیا، کبھی گا لیا

کہیں رحمتوں کی ہیں بارشیں

کہیں تشنگی بے حساب ہے

کہیں چھاؤں ہے، کہیں دھوپ ہے

کہیں اور ہی کوئی روپ ہے

کہیں چھین لیتی ہے ہر خوشی

کہیں مہربان بے حساب ہے

یہ جو زندگی کی کتاب ہے

یہ کتاب بھی کیا کتاب ہے

(انتخاب)

رات اپنی پوری شدت کے ساتھ پہاڑوں پر سایہ فگن تھی۔

گہری سیاہ رات، خاموش پہاڑ، اور چٹانوں کے درمیان پانچ سائے اپنی موجودگی کا نشان تک چھوڑے بغیر حرکت کر رہے تھے۔ان کے چہرے سیاہ ماسک میں چھپے تھے، لباس بھی

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

گہری رات کا حصہ معلوم ہوتا تھا۔ چمکتے ہتھیار ان کے مہارت یافتہ ہاتھوں میں جگمگا رہے تھے۔ چاند بادلوں کے پیچھے چھپ کر جیسے ان سائے نما وجودوں کو مزید چھپنے میں مدد دے رہا تھا۔

ان کے آگے صرف پتھریلے راستے اور بے رحم چٹانیں تھیں۔ اگر قدم غلطی سے بھی پھسلتا تو انجام صرف ایک تھا۔ گہری کھائیوں میں گم ہو جانا۔ مگر یہ لوگ ماہر تھے، ہر پتھر پر گرفت مضبوط، ہر حرکت محتاط تھی۔ وہ سائے کی طرح اندھیرے میں گھل مل رہے تھے۔

"لوکیشن اس پہاڑ کی ہے"۔ سب سے آگے چلنے والے نے ہاتھ کے اشارے سے نشاندہی کی۔ اس کی آواز دھیمی مگر مضبوط تھی۔ سب نے خاموشی سے سر ہلایا اور اس کے پیچھے چلنے لگے۔ راستہ دشوار تھا۔ اونچے نیچے پتھروں پر توازن برقرار رکھنا آسان نہیں تھا، مگر ان کے قدم کسی ماہر شکاری کی طرح ہلکے اور درست تھے۔ اچانک، جھاڑیوں میں سرسراہٹ ہوئی۔ پانچ لوگ بیک وقت الرٹ ہو گئے۔ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں سب چٹانوں کی اوٹ میں چلے گئے، اپنی گنز تھامے، انگلیاں ٹریگر پر، آنکھیں شبے کے اندھیرے کو چیرنے کے لیے تیار۔ ایک لمحہ، دو لمحے۔۔۔ پھر اچانک ایک گلہری جھاڑی سے نکلی اور پھرتی سے بھاگ گئی۔

"کم آن، کم آہیڈ"۔ سب سے آگے والے نے کمانڈ دی، اور وہ دوبارہ حرکت میں آ گئے۔ کچھ ہی دیر میں وہ مطلوبہ پہاڑ تک پہنچ چکے تھے۔

"یہ پتھر ہٹانا ہوگا، تب ہی اندر جا سکتے ہیں"۔ ہیڈ نے دو ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ طاقتور ہاتھوں نے بھاری پتھر کو جنبش دی۔ تھوڑی دیر کی مشقت کے بعد پتھر ایک طرف سرک چکا تھا، اور سامنے ایک تاریک سرنگ منہ کھولے کھڑی تھی۔ ہیڈ نے اندر جھانک کر جائزہ لیا، پھر باہر آ کر ہاتھ جھاڑا۔

"جگہ کم ہے، صرف بیٹھ کر ہی جا سکتے ہیں۔ یہ مشکل ضرور ہے، مگر ناممکن نہیں"۔ رات کے سناٹے میں جنگلی جانوروں کی آوازیں اور سرسراہٹیں اب بھی ماحول کا حصہ تھیں، مگر ان پانچ سائے پر ان میں سے کوئی بھی چیز اثر انداز نہیں ہو رہی تھی۔

"اے اور زی، سامنے والے حصے پر نظر رکھو، کوئی آتا دکھے تو شوٹ کر دینا۔ ایف تم یہاں باہر انتظار کرو گے۔ باقی، اے آئی اور ایچ تم دونوں میرے ساتھ آؤ"۔

"اوکے، سر"۔ کمانڈ ملتے ہی سب اپنی پوزیشن سنبھال چکے تھے۔ اندر جانا آسان نہیں تھا۔ سرنگ اتنی تنگ تھی کہ صرف بیٹھ کر، گھسٹ گھسٹ کر آگے بڑھا جا سکتا تھا مگر ان کے چہروں پر کوئی جھجک، کوئی خوف نہیں تھا۔ صرف ایک عزم تھا۔ کچھ ہی دیر میں، اندھیرے

کے اندر روشنی کا ایک ہلکا سا دائرہ نظر آیا۔ یہ ایک غار تھی۔ وہ تینوں ایک ساتھ اندر کودے۔ اور جیسے ہی وہ نیچے اترے، ایک کونے میں دبکی ہوئی پانچ لڑکیاں لرزتے وجود کے ساتھ ان کی طرف دیکھنے لگیں۔ خوف اور امید کے امتزاج سے بھری آنکھوں کے ساتھ۔

"آپ فاز کے گھر میں کب تک اسٹے کریں گی؟"۔ چمکتی اسکرین کی روشنی میں نظریں جمی ہوئی تھیں، اسکرولنگ کرتے ہوئے، بے پرواسا لہجہ میں سرسری سا سوال کیا گیا۔ فاطمہ نے چونک کر اسے دیکھا، جیسے وہ کسی اور ہی دنیا میں تھی اور یہ سوال اسے اچانک حقیقت میں واپس کھینچ لایا ہو۔

"اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی میں"۔ چند لمحے کی خاموشی کے بعد اس نے اپنی الجھن چھپاتے ہوئے عام سے انداز میں کہا۔

"بس وہ خیر خیریت سے واپس آجائیں۔ جب بھی وہ اس طرح جاتے ہیں، میرا دل بری طرح خوفزدہ رہتا ہے۔ جب تک وہ صحیح سلامت واپس نہ آجائیں، سکون نہیں ملتا"۔

موبائل کی اسکرین پر نظریں ٹکائے وہ دھیمے لہجے میں بولی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے لہجے

کی لرزش، اس کے الفاظ کی گہرائی، فاطمہ کے دل کے اندر کہرام برپا کر رہی تھی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ گہری جانچتی نگاہوں سے۔

"بہت فکر کرتی ہو؟"۔ فاطمہ نے نرمی سے پوچھا، مگر اس کی آنکھوں میں سوال کہیں زیادہ گہرے تھے۔

"خود سے بھی زیادہ۔ بہت اہم ہیں وہ میرے لیے"۔ نظریں اٹھا کر فاطمہ کو دیکھتے ہوئے بولی۔ فاطمہ نے بغور دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں جھلملاتے جگنو کو۔ وہ چمک جو کسی اپنے کے لیے جلتی ہے، کسی اپنے کے لیے راستہ دکھاتی ہے۔

خاموشی گہری ہو گئی تھی۔ فاطمہ نے آہستہ سے اپنے ہاتھ میں پکڑی کتاب بند کر دی۔ اس کے دل و دماغ میں ایک طوفان اٹھ رہا تھا۔ دل کچھ اور کہہ رہا تھا، دماغ کسی اور سمت کھینچ رہا تھا۔ مگر پھر، وہ بول ہی پڑی۔

"ہمارے نکاح میں کیوں نہیں آئی تھی؟"۔ سوال عام تھا، مگر اس کے کہنے کا انداز عام نہیں تھا۔

"کس کا نکاح؟"۔ فاریہ کی انگلیاں جو موبائل پر چل رہی تھیں، رک گئیں۔ آنکھوں میں حیرت اتری، جیسے اس نے کچھ غلط سن لیا تھا۔

''میرا اور فاز کا''۔ سادگی اور معصومیت سے وہ فاریہ کو دیکھ رہی تھی۔

''واٹ؟ لیکن وہ تو کہتے تھے کہ وہ شادی نہیں کرنا چاہتے''۔ فاریہ کو زمین گھومتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں وہ جگنو اچانک بجھ گئے۔ چمک مدھم پڑ گئی۔

''واقعی؟ لیکن وہ تو کہتا ہے کہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے''۔ فاطمہ نے نظریں جھکائیں، پھر اٹھا کر اسے دیکھا، اور ایک ایسا وار کیا جو سید ھا دل پر لگا۔ سکون سے، آہستگی سے، مگر جڑوں تک ہلا دینے والے الفاظ۔۔ کچھ غلط بیانی سے یہاں کام لیا گیا تھا۔

''محبت؟''۔ فاریہ کے لب کپکپائے، وہ جیسے کچھ کہنا چاہ رہی تھی، مگر الفاظ ساتھ چھوڑ گئے۔ آنکھوں میں بے یقینی، قدموں میں لڑکھڑاہٹ، اور پھر وہ اچانک پلٹی اور بھاگتی چلی گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

فاطمہ اسے جاتا دیکھتی رہی، ایک لمحے کے لیے دل میں کسک ہوئی، افسوس ہوا، مگر پھر وہ سرد تاثرات لیے کھڑکی کی طرف پلٹی۔ ہوا میں عجیب سی خاموشی تھی۔

''فاز عالم، اگر ایسا ہے تو پھر... ایسے ہی سہی''۔ وہ سرگوشی میں خود سے بولی۔

''کون ہو تم؟ پلیز ہمیں جانے دو''۔ خوف سے کانپتی، آنکھوں میں بے بسی کے سائے لیے وہ سب روتے ہوئے التجا کر رہی تھیں۔ کراچی میں اغوا کے بڑھتے کیسز کی ایک اور

گونج، ایک اور چیخ تھی جو یہاں دب چکی تھی۔ یہ پانچ لڑکیاں مختلف راستوں سے آئی تھیں۔ کچھ اپنی معصومیت میں میٹھی باتوں کے جال میں الجھ کر، تو کچھ زبردستی چھینی گئی آزادی کا نوحہ بن کر۔ اندھیرے میں ایستادہ سیاہ پوش شخص نے ایک بے تاثر نگاہ ان پر ڈالی۔

''آپ آزاد ہونے والی ہیں''۔ اس کی پتھریلی آواز غار میں ارتعاش پیدا کر گئی۔ ''جو کہوں، خاموشی سے کریں۔ اس راستے سے باہر نکلیں، فوراً''۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ کسی کو سوال کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر، وہ سب اس کے حکم پر عمل کرنے لگیں۔ ان کے کپڑے مٹی میں اٹے ہوئے تھے۔

''تیزی سے نکلیں یہاں سے''۔ وہ انہیں راستہ دکھاتا خود غار کے آخری کونوں کو چیک کرنے لگا۔ چار لڑکیاں نکل چکی تھیں، آخری ابھی دروازے کے قریب تھی کہ اس کے کان میں موجود ایئربڈ میں "اے" کی گھمبیر آواز گونجی۔

''سر، دو کو میں نے شوٹ کر دیا، لیکن ایک بچ گیا ہے۔ وہ اندر آ رہا ہے''۔ ایک لمحے میں اس کے چہرے کے تاثرات سخت ہو گئے۔ تیزی سے لڑکیوں کی طرف دیکھا۔ وہ سب غار سے باہر جا چکی تھیں۔

’’تم دونوں فوراً انہیں لے کر یہاں سے نکلو اور لڑکیوں کو بحفاظت لے کر پہنچو‘‘۔وہ اپنے ساتھ موجود دو جوانوں کی طرف مڑا، لہجہ حکم دینے والا تھا۔

’’لیکن سر، آپ...‘‘ایک نے ہچکچاتے ہوئے اس کے زخمی بازو کی طرف دیکھا، جو پہلے ہی گولی کا زخم سہہ چکا تھا۔

’’آئی سیڈ گو، ہری اپ‘‘۔وہ سپاٹ انداز میں بولا، اور دونوں سر ہلاتے وہاں سے روانہ ہو گئے۔اب وہ اکیلا رہ گیا تھا۔

غار کے اندھیرے میں، وہ ایک طرف دیوار کے ساتھ چپ ہو کر کھڑا ہو گیا، سانسیں ہموار، نظریں شکار کی تلاش میں، اور انگلیاں ٹریگر پر سختی سے جمائی ہوئی۔چند ثانیے ہی گزرے تھے کہ اس کا ہدف اندر داخل ہوا۔محتاط، چوکنا، مگر لاعلم کہ وہ پہلے ہی کسی کے نشانے پر ہے۔

ایک گولی، ایک لمحہ، اور وہ اپنے دائیں گھٹنے میں گولی کھا کر زمین پر گر گیا۔درد سے کراہتے ہوئے، اس کا پسٹل ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا۔چیخ کی بازگشت غار کی دیواروں سے ٹکرا کر لوٹنے لگی۔وہ تڑپتے ہوئے بمشکل سر اٹھا پایا، اور سامنے بھاری سیاہ بوٹ دیکھ کر دل میں ایک سنسنی دوڑ گئی۔چہرہ خوف اور درد کی شدت سے سفید پڑ گیا۔

"تت... تم؟"۔ کانپتے لبوں سے بمشکل نکلا۔ لیکن اس کی نظریں ایک اور چیز پر جم گئیں۔ سیاہ پوش کے گلے میں لٹکتی وہ مخصوص چین، جو کسی خوفناک یاد کا حصہ معلوم ہوتی تھی۔

"ہاں، میں۔ تمہاری موت"۔ اس نے اسپاٹ لہجے میں کہا نظریں مزید یخ بستہ ہو گئیں، پسٹل کی نال اس کی گردن پر سختی سے جمائی ہوئی تھی۔

"کہاں... کہاں لے گئے تم... انہیں؟"۔ زخمی شخص نے تکلیف سے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

"جہاں انہیں ہونا چاہیے تھا"۔ سیاہ پوش نے جھک کر سرگوشی کی۔ پھر ایک ہی لمحے میں، اس کے ہاتھ حرکت میں آئے۔ پسٹل گردن سے ہٹائی، اور دو گولیاں اس کے بازو میں پیوست کر دیں۔

"آآہہ"۔ چیخ اتنی خوفناک تھی کہ غار کی دیواریں لرز گئیں۔

"فون نکالو"۔ سرد آواز نے اسے جیسے برف میں جما دیا۔ وہ درد سے بلبلاتے ہوئے اپنی جیب سے فون نکال نہ سکا، تو سیاہ پوش نے خود آگے بڑھ کر اس کا فون نکالا، نمبر ملایا، اور اس کے کان سے لگا دیا۔

”بتاؤ اپنے باس کو… کہ میں اس کی ساری لڑکیاں لے گیا ہوں“۔ دوسری طرف خاموشی تھی، پھر ایک گہری سانس کی آواز آئی۔ زخمی شخص نے مشکل سے سرگوشی کی، اور پیغام پہنچا دیا۔

کال کٹنے کی دیر تھی کہ سیاہ پوش نے موبائل کی اسکرین توڑ دی، سم نکال کر زور سے زمین پر رگڑ کر توڑ ڈالی۔ وہ جانتا تھا کہ اصل شخص تک یہ پیغام کئی ہاتھوں سے ہوتا ہوا پہنچے گا، لیکن جو پیغام دینا تھا، وہ دے چکا تھا۔

”مجھے… چھو..ڑ..دو۔ مت..مارو مجھے۔ میری… زندگی بخش دو“۔۔ زخم سے چور درد سے کراہتے ہوئے وہ فریاد کرنے لگا۔

”کوئی حق نہیں تم جیسے لوگوں کا کہ وہ سانس لیں، جو کسی ماں کے دل کا سکون نوچ لیں، جو کسی باپ کے بڑھاپے کا سہارا چھین لیں، جو کسی بہن کی ہنسی، کسی بچے کی معصومیت کو روند ڈالیں۔ ایسے ہاتھ، جو دوسروں کی زندگیوں کے چراغ بجھا دیں، انہیں روشنی میں رہنے کا حق نہیں ہونا چاہیے۔ ایسے قدم، جو معصوموں کی دہلیز سے خوشیاں روند کر گزر جائیں، انہیں زمین پر چلنے کا اختیار نہیں ہونا چاہیے۔ جو کسی کی دنیا اجاڑ دے، اس کی اپنی دنیا بھی اجڑنی چاہیے۔ جو کسی کی سانسوں کا گلا گھونٹے، اس کے لیے بھی ہوا کا ایک جھونکا حرام

ہونا چاہیے۔تاکہ آئندہ کوئی ظالم کسی ماں کی کوکھ اجاڑنے سے پہلے کانپ اٹھے، کسی باپ کی امید توڑنے سے پہلے اس کے ہاتھ لرز جائیں،اور کسی بہن کی عزت پر میلی نظر ڈالنے سے پہلے خوف سے اس کی آنکھیں بند ہو جائیں۔یہ دنیا بے حسی کے لیے نہیں بنی،یہ ظالموں کے لیے پناہ گاہ نہیں۔انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ جو معصوموں کے چراغ گل کرے،وہ خود ہمیشہ کے لیے اندھیرے میں ڈوب جائے"۔اس کی آنکھوں میں بیک وقت بہت سے جذبات امڈ آئے تھے۔آواز میں شدت تھی۔آنکھوں کے سامنے خون میں لپٹی گڑیا تھی۔اس کی چہچہاتی چڑیا۔اور بھی ناجانے کتنی گڑیائیں اپنی جان کی بازی ہار چکی تھیں۔کتنے بیٹے ماں باپ کو چھوڑ کر جا چکے تھے۔ناجانے کتنے باپ نے اپنا سہارا کھو دیا تھا۔زمین پر تڑپتے دشمن کو ایک آخری، سرد نگاہ سے دیکھا، پھر ایک اور گولی اس کے سینے میں اتار دی۔

چٹانوں سے رگڑ کھاتے،وہ غار سے باہر نکلا۔سیاہ آسمان کے نیچے،کچھ فاصلے پر کھڑی گاڑی کے ہیڈ لائٹس آن ہوئے۔دروازہ کھلا،اندر بیٹھا ساتھی منتظر تھا۔

"کام ہو گیا؟"نوجوان نے بے چینی سے پوچھا۔

سیاہ پوش نے ایک نظر ہاتھوں پر لگے خون کو دیکھا،اثبات میں سر ہلایا، پھر خاموشی سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"چلو۔"

گاڑی کے انجن کی گڑگڑاہٹ دور تک سنائی دی، اور وہ رات کے سائے میں گھل گئی۔

رات کی سیاہی ابھی تک آسمان پر گہری چادر کی طرح تنی ہوئی تھی۔ ہوا میں نمی کی ہلکی سی خوشبو گھلی ہوئی تھی، جیسے بادلوں نے زمین پر اپنے نرم لمس چھوڑے ہوں۔ پورے شہر پر خاموشی کی دبیز تہہ بچھی تھی، کہیں دور کسی کتے کے بھونکنے کی آواز اس سناٹے کو چند لمحوں کے لیے چیر کر پھر معدوم ہو جاتی۔ درختوں کے سائے ساکت، چاند مدھم، اور روشنی کی آخری کرنیں دیواروں سے سرک رہی تھیں۔

اچانک ہارن کی تیز آواز نے رات کے سناٹے میں لرزش پیدا کی۔ فاطمہ چونک کر سیدھی ہوئی، کتاب اب بھی اس کے ہاتھ میں تھی، مگر اس کے صفحے اب محض خاموشی کے گواہ بن چکے تھے۔ نیند تو اسے یوں بھی نہیں آئی تھی، نئی جگہ پر اجنبیت کی سی کیفیت چھائی رہتی تھی۔

وہ تیزی سے اٹھی، قدم بے اختیار کھڑکی کی طرف بڑھے۔ پردے کو آہستہ سے سرکایا، اور نیچے جھانکا۔ پورچ میں ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی، روشنی کے دھارے میں سیاہ گاڑی کھڑی تھی۔ اس کے دروازے کا ہینڈل دبا، اور ایک شناسا قامت گاڑی سے نکلی۔ فاز

عالم دونوں ہاتھوں کو جیب میں ڈالے، قدموں میں وہی مخصوص ٹھہراؤ تھا، ہوا کی خنکی کے باوجود بغیر کسی جلدی کے، پرسکون مگر تھکے ہوئے انداز میں۔۔

ڈوپٹہ کندھوں پر ٹھیک کرتی، سلیپر پہنتے وہ بے ساختہ نیچے بھاگی، مگر جیسے ہی لاؤنج کے قریب پہنچی، اندر سے باتوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ رک گئی، دیوار کے قریب کھڑی ہو کر سننے لگی۔

""مشن مکمل ہوا؟""۔ ہاشم ارتضیٰ کی آواز میں گہری سنجیدگی تھی، جو ہمیشہ رہتی تھی۔

""سکسس فلی ڈن""۔ فاز کا لہجہ ہموار تھا۔ فاطمہ کو لگا شاید وہ مسکرایا بھی ہے، جیسے کسی نے شطرنج کی چال کامیابی سے کھیل دی ہو۔

""اس وقت آنا ضروری نہیں تھا، تم بعد میں بھی اُسے لینے آسکتے تھے""۔ ہاشم ارتضیٰ کا انداز سرزنش کرتا ہوا تھا۔

""وہ یہاں کمفرٹیبل نہیں ہوں گی، اس لیے جیسے ہی سب کچھ مکمل ہوا، میں لینے آ گیا""۔ اس کی آواز میں کوئی جھجک، کوئی تذبذب نہیں تھا۔

""مجھے یقین نہیں آتا کہ تم وہی فاز عالم ہو""۔ ہاشم ارتضیٰ کی آواز میں ایک عجیب سی حیرت تھی، وہ کسی بھولی بسری یاد کو چھو رہے تھے، جواب دھندلی ہو چکی تھی۔

''بس سر، وقت اور حالات بہت کچھ بدل دیتے ہیں۔ کچھ چیزوں کو اندر دبا دیتا ہے، کچھ کو جڑ سے ختم کر دیتا ہے''۔اس کی آواز ٹھہری ہوئی تھی۔ کچھ لمحے جیسے ہوا میں معلق رہے۔ ''کہاں ہیں وہ؟''۔ پھر فاز نے فاطمہ کا پوچھا۔اسی لمحے وہ اندر آئی،اور فاز کی نظریں اس پر جا ٹھہریں۔ فاطمہ کمال خود بھی نہیں جانتی تھی کہ اسے سامنے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر اطمینان جھلکا ہے۔

''او کے سر، اب میں چلتا ہوں۔ معذرت، آپ کو تکلیف دی''۔اسے دیکھتے ہی وہ فوراً سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''فضول باتیں مت کیا کرو۔ بیٹے ہو تم میرے''۔ محبت سے اسے ڈانٹا۔ فاز ہلکا سا مسکرایا، ان کے گلے لگا، اور پھر فاطمہ کے ساتھ باہر نکل آیا۔

رات کی گہری سیاہی میں سڑک خاموشی سے سو رہی تھی۔ وقفے سے ایک دو گاڑی سناٹے کو چیرتے ہوئے گزر جاتی۔ بادلوں کی اوٹ میں چاند کہیں کھو گیا تھا۔

''آپ سوئی نہیں تھیں؟''۔ فاز کی آواز گونجی، دھیمی مگر واضح۔

''مجھے نیند نہیں آئی''۔ فاطمہ نے سیٹ سے سر ٹکایا، لہجہ تھکا ہوا تھا۔

"جانتا تھا"۔سامنے سڑک پر نظریں جمائے وہ سر کو دھیرے سے جنبش دیا۔فاطمہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔آنکھوں میں سوال تھا۔وہ کیسے جانتا تھا؟وہ کیوں جانتا تھا؟مگر سوال زبان تک نہ آسکے۔پھر اچانک اس کی نظریں اس کے بازو پر جاٹھریں۔روشنی کے مدھم عکس میں خون کی چمک واضح تھی۔

"یہ کیا ہوا ہے؟"۔

فاز نے پہلے ناسمجھی سے اسے دیکھا،پھر اس کی نگاہوں کے سمت،اپنے بازو کی طرف۔بات سمجھ میں آگئی تھی۔

"کچھ نہیں"۔اس نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"کچھ نہیں؟"۔اس کے صبر کا بند ٹوٹا۔"تمہاری بلیڈنگ ہو رہی ہے،اور تم کہہ رہے ہو 'کچھ نہیں'؟"۔اس کی آواز تیز ہوئی تھی۔فاز نے ایک پل کو اسے دیکھا،حیرانی سے۔کیا وہ اس کے لیے پریشان ہو رہی تھی؟۔

"اٹس نتھنگ...ڈونٹ وری"۔۔آواز میں نرمی تھی۔انداز ٹالنے والا تھا۔

"ہو آر یو؟ٹیل می ہو یو ریئلی آر؟"۔۔آنکھوں میں شدید غصہ اور آواز لرزتی ہوئی تھی۔

"آپ جانتی ہیں سب میرے بارے میں"۔ کچھ چونک کر اسے دیکھا، پھر اپنے ازلی سنجیدہ انداز میں جواب دیا۔

"نہیں، میں کچھ بھی نہیں جانتی"۔ اور جیسے ضبط ٹوٹ گیا۔ "تم نے مجھ سے نکاح کیوں کیا؟ احسن کو کیوں اغوا کیا؟ تم آخر چاہتے کیا ہو؟ کون ہو تم؟"۔ الفاظ کی شدت، سانسوں کی بے ترتیبی، اور بے بسی کے آنسو گاڑی کے اندر پھیل سی گئی۔ فاز خاموشی سے گاڑی چلاتا رہا، لب بھینچے، نگاہیں سڑک پر جمائے۔ اس کے پاس فلحال ان سوالوں کا جواب نہیں تھا۔

شام کی چمکتی روشنیوں میں گھرا برنس روڈ، روشنیوں کا وہ دریا جس کی موجیں رات بھر بہتی رہتی تھیں۔ کراچی کی ہلچل بھری سڑکوں کے درمیان ایک گلی جہاں ہر قدم پر کھانے کی خوشبوئیں رچی بسی تھیں۔ کوئلوں پر سلگتے تکے، تندور سے نکلتی گرم گرم نان کی خوشبو، دہکتے ہوئے تواپر پراٹھوں کی سرسراہٹ، اور سب سے بڑھ کر، بریانی کے دیگوں سے اٹھنے والی اشتہا انگیز مہک۔ یہ سب برنس روڈ کی پہچان تھی۔

لوگوں کی چہل پہل، شور و غل، ٹھیلوں پر کھڑے گاہکوں کی آوازیں، اور دور کہیں کسی پرانی عمارت سے آتی اذان کی بازگشت۔ یہاں دن اور رات کا کوئی فرق نہیں تھا، کراچی کی گلیوں میں وقت تھم سا جاتا تھا۔

شازمہ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ابھی ان کی شادی کو ایک ہفتہ ہی ہوا تھا،اور وہ اپنے شریکِ حیات کے ساتھ کراچی کو جاننے اور محسوس کرنے نکلی تھیں۔ہاتھ میں ہاتھ ڈالے،وہ برنس روڈ کی رونقوں میں کھوئی جارہی تھیں۔

””برنس روڈ کی مزیدار حلیم اور بریانی بہت مشہور ہے، چلیں،پہلے آپ کو وہ کھلاتا ہوں““۔وہ خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ فیملی ہال میں داخل ہوئے۔اندر ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ارد گرد میزوں پر بیٹھے لوگ کھانے میں مصروف تھے،ہنسی مذاق، قہقہے،اور چمچوں کی کھنک فضا میں گھلی ہوئی تھی۔

””یہاں ہر وقت گہما گہمی رہتی ہے، کیا دن، کیا رات““۔شازمہ نے ارد گرد دیکھتے ہوئے تبصرہ کیا۔ان کے چہرے پر حیرت اور خوشی کی ملی جلی جھلک تھی۔

””ایسا ہی ہے،تو آپ کو پسند آیا میرا کراچی؟““۔

””آپ کا کراچی؟““۔وہ شرارت سے انہیں دیکھتے ہوئے مسکرائیں۔

””ہاں، بتائیں تو پھر محبت ہوئی اس سے؟““۔ان کی آنکھوں میں چمک تھی۔

””میں نے سنا ہے کراچی میں حادثات بہت ہوتے ہیں،اس لیے اتنی جلدی محبت نہیں کرنا چاہتی““۔شازمہ نے مبہم لہجے میں کہا۔

"آں ہاں! اب ایسا بھی نہیں ہے۔ کراچی کے ساحل نے بہت سی محبتوں کے قصے کو اپنے اندر بسائے رکھا ہے، جو عشق کی حدوں تک پہنچی ہیں"۔

"حسین آباد کی آئسکریم، جو آپ کے ساتھ کھائی تھی... ساحلِ سمندر کی ریت، جہاں آپ کے ساتھ ہمقدم ہوئی تھی... اور یہ برنس روڈ کی مزیدار بریانی، جو آپ کے ساتھ کھاؤں گی... مجھے ان سب سے محبت ہونی ہی ہے"۔ وہ دلکش لہجے میں بولیں تو ان کے سامنے بیٹھے شخص کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"آپ کو میں کراچی کی ہر جگہ سے محبت کرواؤں گا"۔ انہوں نے نرمی سے شازمہ کا ہاتھ تھام لیا۔ اس لمحے وقت جیسے ٹھہر گیا تھا، جیسے کراچی کی ساری رونقوں کے بیچ یہ ایک خاموش، پرسکون گوشہ بن گیا تھا، جہاں صرف دو دلوں کی دھڑکنیں سنائی دے رہی تھیں۔ عین اسی وقت، ویٹر ان کے آرڈر کے ساتھ آیا۔ بریانی کی خوشبو نے پورے ہال میں اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ یہ صرف بریانی نہیں تھی، یہ کراچی کی پہچان تھی۔ چٹپٹی، خوشبودار، لاجواب! بریانی صرف کراچی کی۔

وقت گزر گیا۔

زندگی کا ایک نیا پہر، ایک نیا منظر۔

لان میں رات کی شبنم گھاس پر اپنی نمی چھوڑ چکی تھی۔ درختوں کی پتیاں ہلکی ہوا کے جھونکوں سے سرسرا رہی تھیں۔

شازمہ شاہ ایک سیڑھی پر بیٹھی تھیں۔ ماضی کی گلیوں میں بھٹکتی ہوئی، ان لمحوں میں کھوئی جنہیں وہ پوری طاقت اور خوشی سے جیا کرتی تھیں۔

”مما... آپ یہاں بیٹھی ہیں؟“۔ نمرہ کی آواز پر وہ چونکیں۔ لمحہ بھر کو آنکھیں جھپکیں جیسے کسی پرانی یاد سے واپس حال میں آ رہی ہوں۔

”کیا ہوا، بچے؟“۔ نرم مسکراہٹ کے ساتھ، وہ اسے دیکھنے لگیں۔ کوئی تلخی، کوئی کرب، کوئی گلہ۔ کچھ بھی ان کے چہرے پر نہیں تھا۔ بس ایک تھکن تھی، ہلکی سی خاموشی میں گندھی ہوئی۔

”آپ پھر ان تلخ باتوں کو یاد کر رہی تھیں ناں؟“۔ نمرہ نے خفگی سے کہا اور ان کے قریب بیٹھ گئی۔

''اُن پلوں سے پیچھا چھڑانا بہت مشکل ہوتا ہے، جنہیں آپ نے اپنی پوری طاقت اور خوشی سے جیا ہوتا ہے''۔ان کی آواز میں ایک انجانی سی گہرائی تھی۔دریا کی طرح، جس کی سطح پر سکون ہو مگر اندر لہریں مدھم مدھم شور کر رہی ہوں۔

''مما، جب وہ آپ سے شادی اس لیے کیے تھے کہ وہ آپ سے محبت کرتے تھے، پھر انہوں نے یہ سب کیوں کیا؟''۔نمرہ کی آنکھوں میں نمی ابھری۔

''محبت کو مضبوط کرنا پڑتا ہے،اور یہ تب ہی مضبوط ہوتی ہے جب وہ خوف کے سامنے اپنی قوت دکھا سکے۔بزدلی محبت کو ختم کر دیتی ہے کیونکہ محبت تحفظ کی طلبگار ہوتی ہے۔وہ ایک بزدل مرد تھا، جو اپنی محبت کو مضبوط نہیں کر سکا، جو خوف کے آگے ہار گیا''۔ان کی آواز بے تاثر ہو چکی تھی۔نمرہ انہیں دیکھتی رہی، خاموش، گم سم

''اب اندر چلیں، تھوڑی دیر آرام کر لینا، پھر یونیورسٹی کی تیاری کرنی ہے''۔شازمہ نے نرمی سے بات سمیٹ دی، کسی دردناک کہانی کے آخری ورق پر بس ایک نقطہ رکھ دیا تھا۔نمرہ نے خاموشی سے ان کا ہاتھ تھاما،اور دونوں اندر کی طرف بڑھ گئیں۔

یہ ایک خفیہ کیبن تھا، جس کے اندر ہلکی ہلکی نیلی روشنی ماحول پر رازداری کی چادر ڈالے ہوئے تھی۔ خاموشی ایسی کہ دیواروں پر لگے نقش و نگار بھی جیسے دم سادھے کھڑے تھے۔ دیواروں کے قریب پڑے قدیم طرز کے لیمپ کی مدھم روشنی میں لکڑی کی میز کے گرد دو آدمی بیٹھے تھے۔ جوان، پرجوش اور خطرناک حد تک ذہین۔

''اے آئی، کیا رپورٹ ہے پھر؟''۔ سنجیدگی اور ٹھہراؤ سے پوچھا گیا سوال کمرے کی خاموش فضا میں گونجا۔ سامنے بیٹھے آدمی نے لبوں پر مسکراہٹ سجائی، گہری، پُرسکون اور فاتحانہ۔

''سب کچھ ویسے ہی جا رہا ہے جیسا ہم چاہتے تھے''۔ اس نے آہستہ سے میز پر رکھا چائے کا کپ اٹھایا۔ بھاپ اٹھتی ہوئی۔

''تو ہمارا اندازہ درست تھا۔ باس وہی ہے، ولیم کے ساتھ جو کام کرتا ہے''۔ چائے کے کپ کے کنارے پر انگلی پھیرتے ہوئے، وہ سوچ میں گم تھا۔ ذہین آنکھوں میں تجزیے کی روشنی جھلک رہی تھی، جیسے آگے کے تانے بانے بن رہے ہوں۔

''پچھلے بیس سالوں سے باس وہی ہے، یہاں کا سارا کھیل اس کے ہاتھ میں ہے۔ یہ باس کی سیٹ ولیم دیتا ہے۔ اس سے پہلے باس شیخ تھا، جو رینجرز مقابلے میں مارا گیا تھا۔ اس کے

ساتھ کام کرنے والا فاخر سلیمان باس کی جگہ لینا چاہتا ہے۔اور تم مجھ سے بہتر جانتے ہو کہ اس سیاہ دنیا میں کوئی کسی کا نہیں ہوتا"۔سامنے بیٹھے آدمی کی سنجیدگی اور آواز کی پختگی اسے سخت آدمی بنا رہی تھی۔شاید وہ اتنا ہی سخت تھا، یا شاید اس سختی کے پیچھے ایک شوخ جوان بھی بستا تھا۔

"یہ دونوں ہی میری ہٹ لسٹ میں ہیں، خاص طور پر شاہد عباسی۔بس صحیح وقت کا انتظار ہے، پھر اسے اپنے کیے گئے ہر ظلم کا حساب دینا ہوگا"۔اس کی آواز میں برف جیسی سرد مہری تھی، آنکھوں کے کنارے سرخ ہو رہے تھے۔ضبط کی آخری حد پر کھڑا وہ، ایک خاموش طوفان کی مانند لگ رہا تھا۔

"He has to pay!"

اے آئی کی آواز میں عزم تھا، مضبوط، بے لچک، بالکل اس کے مقصد کی طرح۔

"لڑکیوں کے غائب ہونے کی خبر پہنچ گئی؟"۔اس نے اے آئی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی تک تو نہیں... شام تک پہنچ ہی جائے گی"۔اے آئی ہی وہ شخص تھا جس نے لڑکیوں کے بارے میں خبر دی تھی کہ وہ غار میں بند ہیں۔ہر سال نا جانے کتنی لڑکیوں کو اغوا کر کے اسمگل کیا جاتا تھا۔اور جب تک اندر کے لوگ شامل نہ ہوں، تب تک کوئی دشمن اتنی

دیدہ دلیری سے کسی ملک میں تباہی نہیں مچا سکتا۔ یہ ملک کے غدار ہی ہوتے ہیں، جو دولت اور تخت کی لالچ میں ملک کی عوام کے ساتھ کھیل جاتے ہیں۔

"تمہیں مزید احتیاط کرنی ہو گی، کسی کو شک نہیں ہونا چاہیے۔ ہم اپنے مقصد کے بہت قریب ہیں"۔ بے تاثر آنکھوں میں پہلی بار فکر کی ہلکی سی رمق ابھری۔

"ڈونٹ وری، اور میں لاکر تک پہنچ گیا ہوں"۔ اس نے فون نکالا، گیلری کھولی، اور کچھ تصویریں دکھائیں۔ روشنی کے عکس میں ان تصاویر کی تفصیلات مزید پراسرار لگ رہی تھیں۔

"ڈیٹس فینٹاسٹک۔ بس اب اگلے آرڈر کا انتظار کرو"۔ اس نے سراہنے کے انداز میں سر ہلایا، چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

"تم اس کے بارے میں کیا سوچے ہو؟ کب تک لاعلم رکھنے کا ارادہ ہے؟ اور کیا دل سے قبول کر لیا ہے تم نے؟"۔ یہ سوال ان چند سوالات میں سے ایک تھا، جس کا جواب دینے سے وہ ہمیشہ بچتا آیا تھا۔ مگر اے آئی... وہ واحد شخص تھا جو اس سے یہ سب پوچھنے کا حق رکھتا تھا۔

''سچ کہوں تو، میں یہاں پھنس گیا ہوں۔ ہر مسئلے کا حل ہوتا ہے میرے پاس، لیکن یہاں... میں اسٹک ہو گیا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ کیا کروں''۔ یہ اعتراف اس کے لیے آسان نہ تھا۔ جو شخص ہر جنگ جیت چکا ہو، وہ اپنی ہی زندگی کی ایک جنگ میں الجھا کھڑا تھا۔

''آئی کین انڈرسٹینڈ یو۔ لیکن اس کے ساتھ سختی مت کرنا۔ اُس کی اِس سب میں تو کوئی غلطی نہیں ہے ناں؟''۔ اے آئی نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کس کٹھن دور سے گزر رہا ہے۔

''سختی؟''۔ وہ استہزایہ ہنسا۔ ''میں جتنی نرمی سے بات کرتا ہوں ناں، میں خود حیران رہ جاتا ہوں۔ میں کیسا ہوں، اور اُن کے سامنے کیسا ہوتا ہوں... مجھ سے بہتر یہ کوئی نہیں جان سکتا''۔ ان آنکھوں میں درد کی ایک پرچھائیں لرزی، جو لمحے بھر میں پھر سے سختی میں ڈھل گئی۔

''پریشان مت ہو، سب ٹھیک ہو جائے گا''۔ اے آئی نے اس کے کندھے پر ہولے سے ہاتھ رکھا۔ وہ خاموشی سے سر ہلا کر رہ گیا۔

لاؤنج میں قدموں کی چاپ گونج رہی تھی۔ لکڑی کے فرش پر چپل کی نرم دھمک، ہوا میں بے چینی کی ہلکی سرگوشیاں۔ فاطمہ کمال مسلسل ٹہل رہی تھی۔ آسمانی رنگ کے پرنٹیڈ لان کے سوٹ میں میں اس کی موجودگی لاونج میں رکھے سفید اور نیلے امتزاج والے صوفوں کے ساتھ ہم آہنگ ہو رہی تھی۔ اونچی بندھی پونی ٹیل کے چند آوارہ لٹیں اس کے چہرے پر آ رہے تھے، مگر اس نے انہیں جھٹکنے کی زحمت بھی نہیں کی۔ دروازہ کھلا۔ وہ اندر آیا۔ ہلکے قدم، مگر رعب کے ساتھ۔ صبح سویرے وہ کہیں چلا گیا تھا، اور اب شام کی نیلی روشنی میں لوٹا تھا۔ نظریں ٹکرائیں۔ مگر وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ اسٹڈی کی طرف۔ ایک پل کو بھی نہ رُکا، نہ کچھ پوچھا، نہ ہی کوئی سرسری جملہ بولا، جیسے وہ وہاں تھی ہی نہیں۔ ہمیشہ وہ اس سے ملنے پر پوچھتا تھا" کیسی ہیں آپ؟"۔ وہ اسے نظر انداز کر چکا تھا۔ وہ پل بھر کو ٹھٹکی۔ پھر لب بھینچ کر کر اسٹڈی کے بند دروازے کو دیکھا۔

"گو ٹو ہیل! مجھے کیا؟"۔ اسٹڈی کے بند دروازے کو گھورتی رہی، پھر ایک جھٹکے سے پلٹی اور باہر نکل آئی۔ لان میں ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا اس کے گرم وجود سے ٹکرایا۔ طمنایت کی ایک لہر رگ وجاں میں دوڑ گئی۔ قدم بے اختیار بینچ کی طرف بڑھے، وہ وہاں بیٹھتے ہی پر سکون ہونے کی کوشش کرنے لگی۔ موبائل کی اسکرین روشن کی، ماریہ کا نمبر ڈائل کیا۔

''ماریہ، کیسی ہو؟''۔وہ بے تابی سے پوچھی۔

''احسن کا کچھ پتہ چلا؟''۔دوسری طرف سے خیریت کی اطلاع ملتے ہی، وہ فوراً اگلے سوال پر آئی۔

''ماریہ، میں...میں خود کو قصوروار سمجھتی ہوں! میں کیا کروں؟ وہ کچھ نہیں بتاتا! ایسا ظاہر کرتا ہے جیسے احسن کو اس نے غائب نہیں کیا، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ کبھی لگتا ہے وہ ایک اچھا انسان ہے، اور کبھی خوفناک حد تک پراسرار۔ میں اس گھر میں ایک بیکار چیز کی طرح ہوں، جیسے کوئی بے جان شے۔ سمجھ نہیں آتا، وہ مجھے یہاں کیوں لایا ہے؟''۔آنکھیں نم ہو چکی تھیں۔الفاظ بھاری ہو رہے تھے۔

''اس نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا، ماریہ۔وہ بہت برا ہے۔بہت برا''۔

''میری برائیاں ہو گئیں؟ تو اب ذرا میری بات بھی سن لیں''۔آواز قریب سے آئی۔اس کے جسم میں جیسے بجلی سی دوڑ گئی۔وہ ہڑبڑا کر بینچ سے کھڑی ہو گئی۔وہ کب یہاں آیا؟۔موبائل والا ہاتھ، اس نے جھٹ سے نیچے کیا۔دوسری طرف سے ماریہ کی آواز اب بھی آ رہی تھی، مگر اب سب کچھ بے معنی تھا۔

"لسن می کیئر فلی"۔اس نے بے لچک لہجے میں مخاطب کیا۔"ابھی،اسی وقت اپنے کمرے میں جائیں۔اندر سے دروازہ لاک کر لیے گا۔کوئی کچھ بھی کہے،جب تک میں نہ کہوں،دروازہ نہیں کھولیں گی۔انڈرسٹینڈ؟"۔وہ سنجیدگی سے اسے سمجھارہا تھا۔فاطمہ نے گہری نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"کیا مطلب؟کچھ ہوا ہے؟"۔آواز لرز گئی۔خوف کی ہلکی سی لہر جسم میں دوڑ گئی۔

"نہیں۔میں کہیں جارہا ہوں،اور میری غیر موجودگی میں آپ اپنے کمرے میں رہیں گی"۔آواز میں کوئی جھول نہیں تھا،کوئی گنجائش نہیں تھی۔

"تم مجھے قید کرنا چاہتے ہو؟تمہیں ڈر ہے کہ میں بھاگ نہ جاؤں؟"۔اگلے لمحے وہ بلند آواز میں بولی۔وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا،جیسے کوئی کسی بے وقوف بچے کی حرکت پر افسوس کرتا ہے۔

"یہ لڑکیاں اتنی جذباتی اور کم عقل کیوں ہوتی ہیں؟"۔خیال آیا،مگر زبان پر نہ آیا۔دروازہ فاطمہ نے خود لاک کرنا تھا اندر سے۔فاز نے باہر سے لاک کرنے کا ہرگز نہیں کہا تھا۔

"قید تو آپ پہلے ہی ہیں، اور بھاگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر آپ نے کوئی غلطی کی، تو آپ کے گھر کے لوگ خطرے میں پڑ سکتے ہیں۔ اور فاطمہ کمال ایسا ہرگز نہیں چاہیں گی، ہیں نا؟"۔۔

"تم مجھے خوفزدہ نہیں کر سکتے"۔ وہ مضبوط بننا چاہتی تھی، مگر اس کے اندر کہیں کچھ ٹوٹا۔

"آفکورس۔۔ اگر آپ میری مان لیں تو"۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"دفع ہو جاؤ! اللہ کرے جس مقصد کے لیے جا رہے ہو، ناکام ہو جاؤ"۔ یہی تک تھی اس کی ہمت۔ بھیگی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھی، بد دعائیں ہونٹوں سے گر کر زمین میں دفن ہوتی رہیں۔

"بتمیزی نہیں"۔ اس کی آواز سخت ہوئی۔

"I said it before, and I am saying it again" .

یہ وہ لمحہ تھا جہاں اس کی روح تک لرز گئی۔ وہ کانپتی ہوئی پیچھے ہٹی، پھر تیزی سے اندر بھاگ گئی۔ فاز نے ایک گہری سانس لی، وہ اس پر سختی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس وقت ضروری تھا۔ ہاتھ بے اختیار بالوں میں پھیرے، چہرے پر آیا تناؤ جھٹک دیا۔ سیل فون نکالا، منمبر ڈائل کیا۔

“I’m coming in five minutes.”

کال کاٹ دی۔ موزے کے اندر چھپے چاقو کو ہلکی سی حرکت دے کر چیک کیا، جیب میں پسٹل کی دھات کی ٹھنڈک محسوس کی، ساتھ میں ایکسٹرا ابلٹ... سب تیار تھا۔ اس نے گاڑی کی طرف قدم بڑھائے۔ پھر دروازے کے قریب گارڈ کے پاس رکا۔

”آنکھیں اور کان کھلی رکھنا۔ کوئی بھی مینشن میں داخل نہ ہو سکے“۔۔ سخت لہجہ۔ وارننگ دیتا ہوا۔ پھر وہ وہاں سے چلا گیا۔

شام کے رنگ کب رات کی سیاہی میں گھل گئے، اسے اندازہ ہی نہیں ہوا۔ گھڑی کی سوئیاں بے رحم تھیں۔ سات سے آٹھ، آٹھ سے نو، اور اب دس بج رہے تھے۔ لیکن فاز عالم واپس نہیں آیا تھا۔

فاطمہ اضطراب کے عالم میں کبھی بیٹھ جاتی تو کبھی کمرے کے چکر کاٹنے لگتی۔ دل جیسے کسی ان دیکھے خطرے کی چاپ سننے لگا تھا۔

”کہاں چلا گیا ہے وہ؟ اتنی عجلت میں گیا تھا“۔ وہ خود سے سوال کرتی، دروازے کی طرف دیکھتی، اور پھر بے چینی سے واپس پلٹ آتی۔ تب ہی، باہر کچھ گرا۔ آواز اتنی اچانک اور غیر متوقع تھی کہ اس کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ دل کسی نادیدہ خوف کی گرفت میں آ

گیا۔اس نے بے اختیار دوپٹہ مٹھی میں جکڑ لیا۔سانسیں قابو سے باہر ہونے لگیں۔آیت الکرسی کا ورد لبوں سے بے ساختہ جاری ہو گیا۔

”یااللہ! یہ کیسی آواز تھی؟“۔

”کیا وہ شخص پھر کوئی چال چل رہا ہے؟“۔اس کے دل میں فاز کے حوالے سے پھر سے خدشے سر ابھارنے لگے۔کچھ دن پہلے تک جو دل مطمئن ہونے لگا تھا اب پھر سے وہموں میں جکڑ گیا۔”کوئی مسئلہ ہوا ہے کیا؟میں لاک کیوں نہیں لگائی؟اس کے دشمن بھی تو بہت ہونگے“۔ایک خیال بجلی کی طرح اس کے ذہن میں کوندا۔”یا پھر پولیس ریڈ؟اگر پولیس آئی ہو تو میں آزاد ہو سکتی ہوں،وہ گرفتار ہو گا تو مطلب میں آزاد“۔ایک امید کا جھماکا ہوا،لیکن اگلے ہی لمحے ایک اور خدشہ اس امید پر حاوی ہو گیا۔

”نہیں...اتنی خاموشی کچھ گڑبڑ ہے“۔اس سے پہلے کہ وہ دروازے کی طرف بڑھتی،قدموں کی چاپ سنائی دی۔

”میں نے لاک کیوں نہیں کیا تھا؟“۔وہ پچھتائی۔اسے خود پر غصہ آیا۔پیچھے ہٹتی ہوئی دیوار پہ جا لگی،لیکن یہ دیوار نہیں تھی۔پردے محسوس ہوئے،اور اس کے پیچھے،گلاس

ڈور۔اچانک دھاڑ سے دروازہ کھلا۔فاطمہ کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔دو نقاب پوش اندر داخل ہو چکے تھے۔

”اوئے...دیکھو...لڑکی یہاں ہے“۔ایک نے فتح کے نشے میں قہقہہ لگایا۔

”وائے ڈی اب اسے بچا کے دکھائے“۔خباست سے ہنستا ہوا اسے دیکھا۔فاطمہ نے سانس روکی۔

”چلو جلدی کرو، باس انتظار کر رہے ہیں“۔باہر کسی نے حکم دیا،اور ایک آدمی نیچے کمروں کی تلاشی لینے چلا گیا۔اور فاطمہ کو اندازہ ہو دو سے زیادہ لوگ تھے۔دل جیسے سینے میں تیزی سے ہتھوڑے کی طرح بجنے لگا۔

”یا اللہ مجھے موت دے دیں یا بچا لیں۔لیکن ان کے حوالے مت کرنا“۔۔گیلی آنکھوں میں خوف لیے وہ رب سے دعا کی۔لیکن ابھی اسے خود کو بچانا تھا۔اتنی جلدی وہ ہار نہیں مان سکتی تھی۔نقاب پوش اس کی طرف بڑھے۔

فاطمہ کی انگلیاں گلاس ڈور کے لاک پر پہنچیں۔

”الحمدللہ“۔زیر لب وہ بولی۔یہ کھل سکتا تھا۔

”تو ایسے نہیں سنے گی“۔ایک شخص بپھر کر آگے بڑھا۔فاطمہ نے پوری طاقت سے اسے دھکا دیا۔

”تیری اتنی ہمت“۔اس شخص نے زناٹے دار تھپڑ فاطمہ کے گال پر مارا۔سر جھٹکا، نظر دھندلا گئی۔

”اللہ "۔فاطمہ کے لبوں سے دھیرے سے نکلا۔لیکن وہ ہارنے نہیں والی تھی۔دوسرا حملہ کرنے سے پہلے ہی اس نے سائیڈ ٹیبل سے گلدان اٹھایا اور پوری طاقت سے اس کے سر پر دے مارا۔

”آہھہ“۔وہ شخص کراہتا ہوا پیچھے لڑکھڑایا۔فاطمہ نے فوراً گلاس ڈور کھولا اور باہر کی طرف بھاگی۔لان کا پچھلا حصہ تھا۔

”اللہ! پلیز بچا لیں“۔قدم لرز رہے تھے۔زمین گیلی تھی، پاؤں چپل کی قید سے آزاد تھے۔کہیں پاؤں مڑ جاتا، مگر وہ رکنا نہیں چاہتی تھی۔اور تب ہی، سامنے کسی کا سایہ نظر آیا۔فاطمہ کی دھڑکن رک گئی۔

”فاز“۔تین قدم دوری پر کھڑا وہ لمحوں میں پلٹا۔فاطمہ تھک کے وہی رک چکی تھی۔اس تھوڑی سی مسافت نے اسے بری طرح تھکا دیا تھا۔اس کے چہرے پر اضطراب اور

پریشانی تھی۔وہ فوراً آگے بڑھا،ہر چیز بھول کر صرف فاطمہ تک پہنچنا چاہتا تھا۔تیزی سے اس نے فاصلہ طے کیا۔

"فاطمہ"۔وہ اسے کندھوں سے تھام چکا تھا۔وہ کانپ رہی تھی۔

"فاز"۔اس کی آواز سرگوشی جتنی تھی۔اس نے اسے دوسری مرتبہ "فاز" کہا تھا۔

وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک فاطمہ کے پیچھے نظر آتے بندے کو دیکھ کر غرایا۔

"اٹیک"۔فاز کی آواز گونجی،فاز کے آدمی حرکت میں آچکے تھے۔فاطمہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا ایک آدمی ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔فاز کے تین آدمی اندرونی حصے کی طرف گئے تھے اور ایک اس شخص کو پکڑنے بھاگا۔فاز نے اسے بازو سے کھینچ کر پیچھے کیا،تاکہ اس بندے کو خود پکڑ سکے۔لیکن اس سے پہلے ہی فاطمہ اس کے بازو سے لگ چکی تھی۔وہ رو رہی تھی۔اس نے گہری سانس خارج کرتے،اسے دیکھا۔اور پھر دوسرے لمحے گن نکالتے اس شخص کے ٹانگ کا نشانہ لیا۔

"ٹھاہ!"گولی کی آواز بجلی کی طرح فضا میں گونجی۔وہ آدمی زخمی ہو کر نیچے گرا۔

"آہہہ"۔کانوں کو چیرتی ہوئی آواز پر وہ چلائی۔کان پر ہاتھ رکھے وہ کانپ رہی تھی۔پھر مزید فائرنگ کی آوازیں گونجنے لگیں۔اندرونی حصے سے۔

”مجھے بچا لو فاز۔ مجھے ان آوازوں سے دور لے جاؤ، پلیز“۔ فاطمہ خوف سے کانپنے لگی۔ اس کے حواس منتشر ہو گئے۔ بچوں کی طرح روتی ہوئی وہ التجا کر رہی تھی۔

”ریلکس فاطمہ... آئی ایم وڈ یو۔ ڈونٹ بی افریڈ“۔ اس نے نرم لہجے میں کہا، اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے مگر چہرے پر سختی تھی۔ اچانک اس نے تیزی سے اسے خود سے دور کرتے دوسری طرف کیا۔ اس پھرتی میں بھی ایک گولی اس کے کندھے کو چھوتے ہوئے گزری تھی۔ اس نے تیزی سے اپنا گن سنبھالا۔ اس نے پلک جھپکنے میں ہی حملہ آور کا نشانہ لیا۔

"ٹھاہ!"

"ٹھاہ!"

"ٹھاہ!"

اس شخص کے سینے میں دو اور ایک ٹانگ میں لگی تھی۔

فاطمہ نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔ جب نظر اٹھائی، سامنے فاز تھا، چہرے پر سرد برفیلے تاثرات لیے۔ فاطمہ نے اس کا ہاتھ چھوڑ کر دور ہونا چاہا۔ لیکن فاز نے مضبوطی سے پکڑ لیا۔

”انڈر کنٹرول ہے سب؟“۔ اس نے ٹیکٹیکل ائیر پیس کے ذریعے رابطہ کیا۔

Clubb of Quality Content

”جو زندہ ہیں انہیں لے کر پہنچو، میں ایک گھنٹے میں وہی پہنچوں گا“۔تنے تاثرات لیے وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔لان کے حصے میں زیادہ روشنی نہیں تھی۔وہ اس کے قریب کھڑے اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئی تھی۔اس نے بولتے بولتے اپنی نظریں اس پر کیں تھیں، گہری ذہانت سے بھرپور آنکھوں میں بہت کچھ تھا، فاطمہ نظریں جھکا گئی۔

”مجھے پہنچ کر رپورٹ کرو“۔اس نے بات ختم کی تھی۔پھر پسٹل پینٹ کی جیب میں رکھتے ہوئے اس کی جانب متوجہ ہوا۔

”گولی لگی ہے تمہیں“۔فاطمہ نے دھیمی آواز میں بولتی زخم کی جانب اشارہ کیا۔

”چلیں میرے ساتھ“۔اس کی بات کو نظرانداز کرتے مضبوطی سے اس کے ہاتھ کو تھامے آگے بڑھنے لگا۔

”کہاں لے جا رہے ہو؟ انجرڈ ہو تم“۔مسلسل ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے وہ بول رہی تھی۔اب معاملہ تھوڑا ٹھنڈا ہونے پر فاطمہ کو اس پر پھر سے بے یقینی ہونے لگی تھی۔

”گولی چھو کر گزری ہے، دل پر نہیں لگی جو مرا جا رہا ہوں“۔رک کر سخت نگاہوں سے اسے دیکھا۔پھر دوبارہ سے چلنے لگا۔فاطمہ کا دل جیسے کسی ان دیکھے جذبات میں جکڑ گیا۔زخم

کی پرواکیے بغیر تیزی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔اسے زخمی بازو کی پرواہ نہیں تھی۔درد کا احساس ضرور ہوا تھا۔لیکن وہ اس کا عادی تھی۔اس کی ٹریننگ نے اسے سکھایا تھا مشن سے بڑھ کر کچھ نہیں۔نہ درد،نہ خوف،نہ کمزوری۔اس کے اعصاب فولاد جیسے تھے۔اس کے دل ودماغ بس ایک چیز تھی،اپنے برابر میں پسنیجر سیٹ پر بیٹھی شریکِ حیات کو محفوظ مقام تک پہنچانا۔پندرہ منٹ بعد گاڑی ایک خوبصورت، مگر چھوٹے بنگلے کے سامنے رکی۔پہلے جہاں وہ تھی مینشن تھا۔ محل۔ لیکن اس کے مقابلے میں یہ کافی چھوٹا تھا۔

"یہ سب تم نے کیا ہے،ناں؟"۔کچھ دیر وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی، پھر چبھتی نگاہوں سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

اس خوبصورت بنگلے میں ان دونوں کے علاوہ ایک عورت اور اس کے دو بچے تھے،جو سرونٹ کوارٹر میں رہتے تھے۔ان کے آتے ہی عورت نے انھیں جوس سرو کیا تھا، پھر فاز نے اسے بھیج دیا تھا۔اب وہ دونوں لاؤنج میں بیٹھے تھے۔فاز اپنی بینڈیج کر رہا تھا۔

ان کی ٹریننگ میں فرسٹ ایڈ،خود کو ابتدائی طبّی امداد دینا،زخمی ہونے کے باوجود مشن مکمل کرنے کی مہارت شامل ہوتی ہے۔گولی صرف گوشت کو چھو کر گزری تھی۔زیادہ زخمی نہیں ہوا تھا،اب وہ زخم صاف کر کے بینڈیج لگا رہا تھا۔

"میں نے؟ سیریسلی؟"۔ فاز نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا، ملامتی نگاہوں سے۔ "آپ کو لاک کرنے کا کہہ کر گیا تھا، لیکن آپ تو وہی کرتی ہیں ناں، جو آپ کا دل چاہتا ہے۔" فرسٹ ایڈ باکس میز پر رکھتے ہوئے وہ سختی سے بولا۔ ابھی تک وہ اپنے اشتعال کو دبائے بیٹھا تھا۔

"ہاں تو کیا وہ لاک نہیں توڑ سکتے تھے؟"۔ غلطی اس کی تھی، لیکن ماننے میں انا آ رہی تھی۔ اسی لیے وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

"وہ اسپیشل لاک تھا، اسے توڑنے میں وقت لگتا، اور جیسے ہی کوئی ہاتھ لگاتا، مجھے فوراً اطلاع مل جاتی۔ بیوقوف لڑکی!"۔ غصے سے کہتے ہوئے آخر میں بڑبڑانے لگا اور آستین ٹھیک کرنے لگا۔

"تم ہی یہ سب کروائے ہو، مجھے اغوا کرنے کے لیے، ورنہ یوں عین وقت پر گھر میں موجود نہ ہوتے۔" وہ بلند آواز میں اسے دیکھتے ہوئے تیز لہجے میں بولی۔ فاز نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ وہ بیوقوف تو تھی نہیں۔ لیکن ابھی بیوقوفوں جیسی بات کر کے وہ اسے حیران کر رہی تھی

"ہاں، جبھی آپ کو بچانے کی خاطر گولی کھا بیٹھا۔ وہ تو اچھا ہوا، اندر نہیں گئی"۔ اس نے طنز کیا۔ کھڑے ہوتے ہوئے وہ سامنے کچن کاؤنٹر کے پاس آگیا۔

"میری وجہ سے؟ یا تمہاری لاپرواہی کی وجہ سے؟ تمہیں الرٹ ہونا چاہیے تھا، ناں"۔ تپ کر کہتی وہ بھی چلتے ہوئے اس کے پاس آگئی۔

"جی، آپ کی وجہ سے۔ نہ آپ مجھ سے لگ کر روتیں، نہ گولی لگتی۔ منٹوں میں ان سب کو ان کے انجام تک پہنچا دیتا۔" اطمینان سے کہتے ہوئے وہ گلاس میں پانی انڈیل کر دوائی ہاتھ میں لینے لگا۔ فاطمہ کو سبکی محسوس ہوئی۔ شرمندگی سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"ہاں تو، تم اتنے ہی تیس مار خان ہو، نا، جبھی ہر دوسرے ہفتے گولی کھاتے رہتے ہو۔ ابھی دو تین ہفتے پہلے ہی گولی لگی تھی، شاید؟"۔ تلملاتے ہوئے وہ بولی۔ ساتھ ہی دوسرا گلاس اٹھا کر جگ سے پانی بھرا اور ایک ہی سانس میں پی گئی۔ فاز نے مسکراہٹ چھپانے کے لیے گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔

"مجھے اپنی قابلیت پر کوئی شک نہیں۔ اور وہ گولی بھی آپ جیسی ہی ایک بیوقوف لڑکی کو بچانے کی خاطر لگی تھی"۔ بھرپور اعتماد سے کہتے ہوئے اس نے کندھے اچکائے اور دوبارہ جا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

"کیا بیو قوف بیو قوف کی رٹ لگا رکھی ہے؟ میں بیو قوف نہیں ہوں، سمجھے؟ اور کم از کم تمہاری طرح قاتل اور اسمگلر تو نہیں ہوں"۔ تپے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ اس کے سامنے صوفے پر دھپ سے بیٹھ گئی۔

"او کے، مان لیتا ہوں، آپ بیو قوف نہیں ہیں"۔ اس نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ فاطمہ نے سر اٹھا کر آنکھوں کو ہلکی سی جنبش دی، جیسے کہہ رہی ہو، 'مان لو تو اچھا ہے'۔

"لیکن کوئی ثبوت تو دیں، یار!"۔ وہ تھوڑا سا جھکا۔ بھاری آواز اور چہرے پر پھیلی ذرا سی مسکراہٹ اسے مزید دلکش بنا رہی تھی۔

"تم... تم بہت خراب ہو"۔ اس نے مٹھیاں بھینچیں۔ "اب مجھے یہ بتاؤ، اُس جہنم سے نکال کر اِس جہنم میں کیوں لے آئے ہو؟"

"اُس مینشن کو جو کہنا ہے، کہہ لیں، لیکن میرے اس پیارے سے گھر کے بارے میں گستاخی سے پرہیز کریں۔ یہاں دل پہ لگتا ہے"۔ وہ بہت فرصت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ سینے پر ہاتھ رکھتے دلفریب انداز میں بولا۔

"میں پوچھ رہی ہوں، کب تک اپنے ساتھ رکھو گے؟ جانے کیوں نہیں دیتے؟"۔اس کے لاپرواہ انداز پر وہ ضبط کھوتے ہوئے چلائی۔

"ساری زندگی۔"جواب برجستہ تھا۔ایک لمحے کے لیے وہ اسے یک ٹک دیکھتی گئی، پھر دوسرے لمحے اس کے سحر سے باہر نکل آئی۔

"مجھ سے یہ فضول گوئی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔دشمن وہ تمہارے ہیں، اور آج میری جان مشکل میں آئی ہوئی تھی، تمہاری وجہ سے۔اگر مجھے کچھ نقصان پہنچا تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی"۔وہ مزید اپنی کیفیت نہیں چھپا پائی تھی۔وہ خوف زدہ تھی، سسکی ابھری تھی۔

"فاطمہ، ٹرسٹ می، یو آر سیف ناؤ۔اب آپ کی طرف کوئی بڑھ نہیں سکے گا۔اُس مینشن کا سب کو پتہ ہے۔دشمن، دوست سب کو۔ لیکن یہ گھر، یہ میرے بعد آپ دیکھ رہی ہیں۔یہاں تک کہ میرے گھر والے بھی نہیں جانتے۔آپ کو یہاں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں"۔سنجیدگی سے وہ اسے سب بتا رہا تھا۔

"اور وہ عورت؟"۔اس نے مدھم آواز میں پوچھا۔

"وہ بے ضرر سی عورت ہیں۔ایک حادثے میں ان کے شوہر وفات پا گئے تھے۔اس گھر کی دیکھ بھال کرتی ہیں"۔اسی لمحے فاز کا موبائل بجا۔اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا۔

"میں پہنچ رہا ہوں۔جب تک، جاننے کی کوشش کرو کہ وہ کس کے کہنے پر آیا تھا"۔عجلت میں کھڑے ہوتے ہوئے وہ فون کان سے لگائے بولا۔وقت دیکھا۔ایک گھنٹے سے زیادہ ہو چکا تھا۔

"میں نے وقت کیسے نہیں دیکھا؟"۔وہ اپنا ہر کام وقت پر کرتا تھا، لیکن آج وہ پندرہ منٹ لیٹ ہو گیا تھا۔فاطمہ سے باتوں میں اس نے وقت ہی نہیں دیکھا۔

"تم ان کے ساتھ کیا کرو گے؟"۔وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"دس از ناٹ یور کنسرن۔آپ سیکنڈ روم میں چلی جائیں اور بے فکر ہو کر رہیں۔یہاں کوئی نہیں آسکتا۔کھانے کی ساری چیزیں فریج میں ہیں"۔اسے سب ہدایات دیتا ہوا وہ صوفے پر پڑی جیکٹ اٹھا کر پہننے لگا اور داخلی دروازے کی طرف بڑھا، پھر رک گیا۔پلٹ کر اسے دیکھا، وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔وہ کچن کے پاس آیا۔کاؤنٹر پہ رکھے فرسٹ ایڈ باکس سے ٹیوب نکالی۔

"یہ لگا لیجیے گا چہرے پہ"۔فاطمہ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے وہ نرمی سے بولا۔فاطمہ کی آنکھیں اس پہ ٹھہر گئیں۔دل رک سا گیا۔

"خدا حافظ!" دھیمی آواز میں کہتا وہ جا چکا تھا۔

"میری زندگی میں اب اور کیا ہونا باقی ہے؟"۔تھکی تھکی سی وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ڈھیلے انداز میں صوفے کی پشت سے سر ٹکائے،خالی خالی نگاہوں سے چھت کو تکنے لگی۔پھر توجہ ہاتھ میں موجود ٹیوب پر کی۔آنکھوں میں نرمی در آئی۔اور اسی نرمی کے ساتھ وہ چہرے پر کریم لگا گئی۔

فضا میں خون کی بو گھلنے لگی تھی،وہی بو جو وحشت اور موت کی دہلیز پر محسوس ہوتی ہے۔فرش پر بکھرے بدن،زخموں سے رِستا ہوا گرم خون،سسکیاں اور کرب سے نکلی ہوئی دبی دبی چیخیں۔مگر ایک شخص تھا جو کسی سنگدل مجسمے کی طرح کھڑا تھا،آنکھوں میں سلگتی سرخی لیے۔فاز عالم۔اس کی مٹھی میں چمکتا ہوا بلیڈ روشنی میں ایک پل کو چمکا،پھر جیسے ہوا میں بجلی کی تیزی سے حرکت ہوئی۔

”تم لوگوں کی ہمت کیسے ہوئی میرے گھر میں گھسنے کی؟“۔ آواز کی گرج نے دیواروں کو لرزا دیا۔ ساتھ ہی ہاتھ میں پکڑے بلیڈ کا وار کسی کی جلد چیر گیا، اور ایک زخمی کراہ کمرے کی خاموشی کو چیرتی ہوئی گونجی۔

”وائے ڈی کے گھر اور اس کے کمرے میں جا کر بہت بڑی غلطی کی تم لوگوں نے“۔ الفاظ برف سے زیادہ سرد تھے، مگر لہجے میں دہکتا ہوا انگاروں جیسا غصہ۔ ایک اور زوردار گھونسا کسی کے چہرے پر پڑا، اور وہ شخص دیوار سے جا ٹکرایا۔ کراہتے ہوئے نیچے گرا، اس کے منہ سے نکلا خون سفید فرش پر سیاہ داغ کی طرح پھیلنے لگا۔

”میری بیوی پر ہاتھ اٹھایا تھا نا تم لوگوں نے؟“۔ یہ کہتے ہی اس کی آنکھوں میں جلتی سرخ شعلے بھڑک اٹھے، سانسیں قابو میں رکھنے کی کوشش کے باوجود بھاری ہو چکی تھیں۔ فاز نے ایک جھٹکے سے پیچھے کھڑے مراد کی طرف دیکھا، جو پہلے ہی سی سی ٹی وی فوٹیج میں سب دیکھ چکا تھا۔

”مراد، ان میں سے کون تھا وہ؟“۔ مراد نے فوراً سے اشارہ کیا، اور بس وہ اشارہ ہونا تھا کہ فاز کی گرفت فولادی ہو گئی۔ اگلے ہی لمحے اس نے بے دریغ اس شخص کے چہرے پر تھپڑ مارا، پھر دوسرا، پھر تیسرا۔ ہر وار میں جنون تھا، ہر چوٹ میں وحشت۔ وہ شخص تڑپتا، کراہتا،

اپنا چہرہ بچانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا، مگر فاز کے ہاتھوں میں نہ رحم تھا، نہ رکنے کی کوئی گنجائش۔ ایک زوردار تھپڑ نے اس کا سر جھٹکے سے ایک طرف موڑ دیا، اور اس کے لبوں سے ایک آخری چیخ نکلتے ہی خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔

"کس کے کہنے پر میرے گھر میں گھسنے کی جرات کی؟" آواز سرد تھی۔ وہ شخص ہانپتے ہوئے زمین پر گرا، ہونٹوں سے بہتا خون، جبڑے میں اٹھتی درد کی لہر نے اس کے وجود کو جھنجھوڑ دیا۔

"باس کے کہنے پر...." بس یہ سننا تھا کہ فاز عالم کی آنکھیں اور گہری ہو گئیں۔ وہ جان چکا تھا "باس" کون ہے۔ جبڑے بھینچ لیے، ہڈیوں میں دراڑیں پڑنے کی حد تک سختی آ گئی۔

"مراد، اے آئی کو بلالو۔ ان سب کو اس کے حوالے کر دو"۔ یہ کہہ کر اس نے ایک آخری گھونسا اس شخص کے پیٹ میں مارا، جو زمین پر پڑا کراہتے ہوئے دوہرا ہو گیا۔

ان لوگوں کو غلط اطلاع ملی تھی۔ ہائی وے پر جانے والی ٹرالر میں اغوا کیے گئے بچے نہیں تھے۔ انہیں مس ڈائیریکٹ کیا گیا تھا۔ اور اس کی غیر موجودگی میں مینشن پر حملہ ہوا تھا۔

"کیسی ہیں آپ؟"۔ ریلنگ پر دونوں ہاتھ ٹکائے، اس کی نظریں پورچ میں رکنے والی گاڑی پر جمی تھیں۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟ اتنے دنوں بعد کال کی؟ کوئی خبر ملی؟ آپ کو کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟"۔ فون کان سے لگائے، ماریہ ابراہیم بناز کے پوچھتی گئی۔ دل کے ہزار چاہنے کے باوجود بھی وہ خود سے کبھی کال یا پیغام نہیں بھیجتی تھی۔ وہ اپنے جذبات بس خود تک ہی محدود رکھتی تھی۔

"ہولڈ آن، لڑکی"۔ فون کے دوسری طرف ارمان کا قہقہہ گونجا تو وہ خفت سے پیشانی پر ہاتھ مار بیٹھی۔ "میں بھی ٹھیک ہوں، بس کاموں میں مصروف تھا۔ ویسے، کیا آپ میری کال کا انتظار کر رہی تھیں؟"۔ لبوں پر دھیمی مسکراہٹ سجائے وہ اس سے مخاطب تھا، لیکن اس کی تیز نگاہیں اب بھی گاڑی سے اترنے والی شخصیات پر مرکوز تھیں۔

"نہیں، میرا مطلب ہے کہ میں فاطمہ کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھی"۔ گڑبڑاتے ہوئے جلدی سے بات سنبھالی۔

"فاطمہ کے بارے میں؟"۔ وہ لمحہ بھر کے لیے رکا۔ "وہ تو ٹھیک ہیں، لیکن آپ میری خیریت جاننے کے لیے بھی کال کر سکتی تھیں"۔ مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔

"آپ کی کیوں؟"۔ تیز ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔ سائیڈ میں رکھا تکیہ اٹھا کر گود میں رکھ لیا۔

"کیونکہ میں آپ کی مدد کر رہا ہوں، اس لیے۔"

"احسن کا تو کچھ بتایا نہیں آپ نے۔ تین ماہ ہونے والے ہیں"۔ شکوہ امڈ آیا۔ سائیڈ ٹیبل پر رکھی احسن اور فاطمہ کی تصویر دیکھ کر آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

"میں کوشش تو کر رہا ہوں۔ میں خود ڈیڈ کے سپر وژن میں ہوں۔ یہ سارے کام تو پولیس بھی کافی وقت بعد کر پاتی ہے"۔ اس کی اداسی پر وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ میں جانتی ہوں، آپ بہت کچھ کر رہے ہیں۔ میں کن الفاظ میں آپ کا شکریہ ادا کروں؟"۔۔

"اٹس اوکے، اور شکریہ کی ضرورت نہیں۔ فون رکھتا ہوں میں، خیال رکھیے گا"۔ رابطہ منقطع کرتے ہی وہ جلدی سے کمرے میں آیا، کمرے سے نکل کر تیزی سے زینہ اترا، اور مہمان خانے کی طرف بڑھا۔ اندر بیٹھے مہمانوں کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ناگواری جھلکنے لگی۔

دوپہر کے بارہ بجے کا وقت تھا۔ کراچی میں موسم بدل رہا تھا، سردی کی آخری رمق ہوا میں گھلی ہوئی تھی۔ مگر سورج کی کرنوں میں اب وہ پرانی نرمی نہیں رہی تھی۔ کمرے کے بیچوں بیچ ایک پلنگ بچھا تھا، جس پر اماں نیم دراز تھیں، پان دان ان کے قریب رکھا تھا، اور وہ مہارت سے پان بنا رہی تھیں۔ ان کے قریب ریحانہ پھوپھی بیٹھی تھیں، فکر مندی ان کے چہرے پر لکھی تھی۔ سامنے رکھے صوفے پر بڑی تائی بیزار تاثرات لیے بیٹھی تھیں،

"اماں، بھائی کو گئے کافی وقت ہو گیا۔ اب تو شاید واپسی ہو جائے۔ انھیں پتہ چل گیا تو کیا ہو گا؟"۔ ریحانہ پھوپھی نے الجھن بھرے لہجے میں پوچھا۔ دادی سکینہ نے پان کو آہستگی سے تہہ کیا، اسے لبوں تک لے جاتے ہوئے ایک مطمئن نظر بیٹی پر ڈالی۔

"فکر مت کرو، کچھ نہیں پتہ چلے گا۔ بہت یقین کرتا ہے مجھ پر، اور ویسے بھی، غلطی تو اس نے خود کی ہے اُس غنڈے کے گھر جا کر"۔ وہ اطمینان سے بولیں۔

سامنے صوفے پر بیٹھی تائی نے ایک گہرا سانس لیا، ان کے چہرے پر افسوس کی پرچھائیاں تھیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

''بیچارا میرا بچہ عابد، ہم سب کے اتنا کہنے پر ہی اس نے ہاں کی تھی، اور پھر کیا ہوا؟ عین وقت پر شادی ختم ہو گئی''۔ کمرے میں لمحہ بھر کو خاموشی چھا گئی۔ باہر صحن میں کسی کے چلنے کی مدھم آہٹ سنائی دے رہی تھی، شاید کوئی ملازم تھا۔

''شکر کریں بھابھی، کیا آپ واقعی فاطمہ کو بہو بنانا چاہتی تھیں؟ لڑکا ہے، دس ہزار رشتے مل جائیں گے۔ لڑکی تھوڑی ہے جو شادی ٹوٹنے پر مسائل کھڑے ہوں گے''۔ ریحانہ پھوپھی نے بے نیازی سے کہا۔ علینہ کی عابد کے لیے پسندیدگی سے وہ واقف تھیں۔ تائی نے فوراً پہلو بدلا، آنکھوں میں ایک چمک سی آئی۔

''کہتی تو تم ٹھیک ہو، ویسے بھی مجھے بڑا ارمان ہے اپنی بھانجی کو عابد کی دلہن بنانے کا''۔ وہ پرجوش سی گویا ہوئیں۔ پھوپھی ریحانہ کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

''وہ نک چڑی کو مل؟ اللہ بچائے''۔ دادی سکینہ، فوراً کانوں کو ہاتھ لگا کر بولیں۔

''اماں، آپ بھی''۔ تائی نے خفگی سے پہلو بدلا۔ ''بہت اچھی اور خوبصورت ہے میری بھانجی، اور لڑکیاں تو ہوتی ہی اس عمر میں نازک نخرے والی''۔ ہلکی گرمی کے باعث چھت کا پنکھا درمیانی رفتار پر چل رہا تھا۔

''ہاں ہاں، بیٹا تمہارا ہے، جسے چاہو دلہن بنالو''۔اماں نے پان چباتے ہوئے بولی۔تائی خفگی سے تیز قدموں سے کمرے سے نکل گئیں، اور باہر جاتے ہی دروازہ زور سے بند کر دیا۔

فاطمہ کی آنکھ صبح ہاجرہ کی آواز پر کھلی تھی، وہ ایک لمحے کو سہم گئی تھی، مگر جب سامنے سادہ سے انداز میں کھڑی نرم لہجے والی ہاجرہ کو دیکھا، تو دل دھیرے سے پر سکون ہونے لگا۔رات کے کسی لمحے وہ لاؤنج میں بیٹھی بیٹھی نیند کے دامن میں جا چکی تھی، اور اب اس نئی جگہ، انجان ماحول میں جاگنا، اسے قدرے غیر حقیقی سا محسوس ہو رہا تھا۔

ہاجرہ اچھی خاتون لگی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ باتوں میں ذکر کر بیٹھی کہ وہ فاز کا انتظار کرتے کرتے نیند کی آغوش میں چلی گئی تھی۔

اب دوپہر کا ایک بج رہا تھا، اور وہ بے مقصد انہی باتوں میں الجھی ہوئی تھی۔ فاز عالم جو رات گئے نکلا تھا، اب تک واپس نہیں آیا تھا۔

''یہ شخص کن کاموں میں ملوث ہے؟ کبھی سب کچھ ٹھیک لگنے لگتا ہے، تو کبھی سب کچھ غلط۔۔۔''یہی خیال اس کے ذہن میں بار بار گونج رہا تھا، کسی بند گلی میں بھٹکنے والے قدموں کی بازگشت کی طرح۔اسی لمحے مسجد سے اذان کی آواز آئی۔وہ نماز کی نیت سے کمرے کی طرف بڑھنے لگی تھی کہ ہاجرہ کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"بی بی جی، آپ اس کمرے میں کیوں جا رہی ہیں؟ اس والے میں جائیں نا"۔ فاطمہ پل بھر کو رکی، پھر ذہن میں کل رات کی فاز کی آواز گونجی

"آپ وہ سیکنڈ روم میں چلی جائیں"۔

صبح جب وہ فریش ہونے کے لیے دائیں طرف کے کمرے میں گئی تھی، تب دھیان نہیں دیا تھا، مگر اب ہاجرہ کے ٹوکنے پر یاد آیا کہ فاز نے تو بائیں طرف والے کمرے کی جانب اشارہ کیا تھا۔

"ابھی کل ہی آئی ہوں، اسی لیے بھول گئی، اب یہی رہوں گی تو عادت ہو جائے گی۔۔۔" ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہتے ہوئے وہ اپنی ہی بات پر چونک گئی، کہ یہ کیا کہہ گئی تھی؟

"یہاں کیوں رہوں گی میں؟"۔ اس خیال نے جیسے اسے بے چین کر دیا۔ تیزی سے قدم بڑھا کر وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی اور فوراً دروازہ بند کر لیا۔ اور پھر وہ جیسے کسی اور ہی دنیا میں آ گئی۔ کمرے کی خاموشی میں ایک عجیب سا سکون بسا ہوا تھا، ایسا سکون جس میں روح تک ٹھہر سی جائے۔ لمحہ بہ لمحہ، وہ ہر چیز کو دیکھتی جا رہی تھی، اور اس کے دل پر ایک گہری سرشاری طاری ہوتی جا رہی تھی۔ دیواروں پر آف وائٹ رنگ کی تہہ جیسے روشنی

کو اپنے اندر سموئے کھڑی تھی۔ بیڈ کے پیچھے کا وال پیپر ہلکی نیلی اور سفید چھاپ کا تھا۔ ہر چیز نفاست سے سجی ہوئی، بے داغ، شیشے کی طرح چمکدار۔

پھر ایک دیوار پر عربی خطاطی کا فریم اس کی توجہ کھینچنے لگا۔

"اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا"۔

(سورہ یوسف)

اس کی نظریں ان الفاظ پر جم گئیں، جیسے کوئی خزاں رسیدہ درخت پہلی بار بہار کے لمس کو محسوس کرے۔ پلکوں میں ٹھہرے آنسو خاموشی سے گالوں پر بہنے لگے۔

"میں واقعی مایوس ہو رہی تھی"۔ دل میں ایک نرم سرگوشی گونجی۔ پھر، دیوار پر ایک اور فریم پر نظر پڑی، اور اس کے قدم خود بخود اس کی جانب بڑھ گئے۔

"یقیناً میرے ساتھ میرا رب ہے، وہ ضرور میرے لیے راستہ پیدا کرے گا"۔

یہ الفاظ اس کے اندر گونجنے لگے، کسی تاریک راہ میں کوئی چراغ سا روشن ہو گیا تھا۔ محبت سے اس نے اس فریم کو چھوا، اور یوں محسوس ہوا جیسے دیوار پر لگی تمام خطاطی، تمام آرٹ صرف اور صرف اس کے لیے ہی تھا۔

ایک طرف نیچر آرٹ کی پینٹنگ تھی، جس میں بہتا چشمہ، سرسبز وادیاں، امید دلاتی ہوئیں تھی۔ایسا منظر، جو دل کو موہ لے، روح میں تازگی بھر دے۔ہر آرٹ کے کونے میں ایک سائن موجود تھا۔

"F. Alam"

فاطمہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔نا سمجھی کے عالم میں وہ اس سائن کو تکنے لگی۔

"فاز عالم ؟"۔اس کے لبوں سے بے ساختہ نکلا، اور عین اسی لمحے پیچھے سے ایک بھاری، تھکن سے بوجھل آواز ابھری۔

"فریحہ عالم"۔فاطمہ کا دل جیسے ایک لمحے کے لیے رک گیا۔وہ اس قدر محو تھی کہ فاز کی اچانک موجودگی کا احساس تک نہیں ہوا تھا۔

"دستک دے کر اندر آتے ہیں"۔تیزی سے مڑنے کے بعد، وہ غصے سے بولی۔

"اپنے کمرے میں آنے کے لیے کون دستک دیتا ہے ؟"۔فاز، جواب بیڈ پر بیٹھ کر جوتے اتار رہا تھا، مسکرا کر بولا۔

"مینشن میں تو دیتے تھے"۔

"ہاں، مگر میں نے اپنے کمرے کی بات کی ہے"۔ سرسری سی نگاہ اس پہ ڈالتے وہ وارڈروب سے اپنے کپڑے نکالنے لگا۔

"تو کیا وہ تمہارا کمرہ نہیں تھا؟"۔ مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

"یہ نہیں ہو رہا آپ سے کہ شوہر تھکا ہوا آیا ہے اس سے کچھ کھانے پینے کا پوچھ لیں، فضول کے سوالات کے کر بیٹھ گئیں ہیں؟"۔ اس نے تھوڑے تاسف سے کہا، اور بیڈ پر کپڑے رکھے۔

"شوہر؟ کون سا شوہر؟ اور کس خوشی میں تم سے کھانے پینے کا پوچھوں؟"۔ اس کی آواز میں غصہ تھا۔ فاز نے مسکراہٹ دباتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کی جانب مڑ گیا۔ چابی والٹ نکال کر رکھا، پھر اس کی جانب مڑا۔ توقع کے عین مطابق وہ اسے اس موضوع سے ہٹا چکا تھا۔

"وہی شوہر جس سے آپ کی دادی نے آپ کا نکاح کروایا تھا"۔ بے نیازی کے عالم میں کندھے اچکائے۔

"زبردستی۔۔۔" فاطمہ کی آواز مدھم ہو گئی۔ "دادی مت کہیں انہیں کچھ نہیں ہیں وہ میری"۔

"آپ کس لیے آئی تھیں یہاں؟"۔ اس کا سوال اتنا غیر متوقع تھا کہ فاطمہ چونک گئی۔

"نماز ادا کرنے"۔وہ گم صم ہو کر بولی،اور پھر فوراً اسے جواب دیا۔"اور تم نے ہی مجھے اس کمرے میں آنے کا کہا ہے تو میں یہاں جو بھی کروں تم مجھ سے نہیں پوچھ سکتے"۔

"وقت بدلنے میں دیر نہیں لگتی فاطمہ۔۔۔اور یہ ضروری بھی نہیں کہ ہر بار وقت بدلے تو کچھ برا ہی ہو۔ کبھی وقت ایسے بھی بدلتا ہے کہ دامن خوشیوں سے بھر دیتا ہے"۔فاز نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دھیرے سے کہا۔یہ جملہ۔۔۔ جیسے کسی بند دروازے پر ہلکی سی دستک تھا۔اس کی غیر متوقع بات پر وہ یک ٹک اسے دیکھتی رہی۔فاز نے نگاہیں دوسری جانب کر لیں

"جائیں،وضو بنا کر آئیں۔پھر مجھے بھی فریش ہونا ہے"۔

"وضو ہے میرا،کچھ دیر پہلے تلاوت کی تھی"۔ڈوپٹے کو نماز کے انداز میں لپیٹتے ہوئے جواب دی۔

"قرآن کہاں سے لیا آپ نے؟"۔

"ظاہر ہے،ہاجرہ سے۔تم جیسے غنڈے کے پاس ڈھونڈنے سے تو رہی"۔حالانکہ دل دل زبان کے برعکس کچھ اور کہہ رہا تھا۔اور آنکھیں وہ لپک لپک کر عربک خطاطیوں میں الجھ رہی تھیں۔

"میں پیدائشی برا تھوڑی پیدا ہوا ہونگا۔اب غلط کاموں میں شامل ہونے کا مطلب ہر گز نہیں کہ میرے پاس جائے نماز بھی نہ ہو۔جائے نماز دوسرے دراز میں رکھا ہے،اب ہاجرہ سے مانگنے نہیں چلے جایئے گا"۔وہ بہت مزے سے کہ رہا تھا۔اس کا چڑنا نا جانے کیوں اسے اچھا لگ رہا تھا؟۔

"کتنے دھڑلے سے اعتراف کرتے ہو؟شرم نہیں آتی؟"۔وہ اسے شرمندہ کرتی نگاہوں سے دیکھی۔لیکن ان نظروں کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

"آپ کے پاس نماز کی چادر نہیں ہے؟"۔ایک اور غیر متوقع سوال۔

"ہاں ہاں میری شادی تو دھوم دھام اور سب کی خوشی سے ہوئی ہے۔جو میں جہیز کا پورا ٹرک لے کر آتی"۔وہ غصے بھرے لہجے میں کہتی طنزیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"خیر اگر سب کی رضامندی سے ہوتی تب بھی نہیں لیتا"۔کندھے اچکاتا بیڈ پہ رکھا کپڑا اٹھایا۔

"تم جیسوں پر ایسے جملے اچھے نہیں لگتے،ایمپریسڈ کرنے کی ناکام کوشش"۔ٹھنڈے ٹھار انداز میں ہاتھ سینے پہ باندھے اسے دیکھا۔

"مجھے کیا ضرورت ہے کرنے کی؟ لوگ خود ہی ہو جاتے ہیں"۔ بے نیازی کے عالم میں وہ واشروم کی طرف بڑھا۔

"کتنے ان پریڈیکٹیبل ہو تم"۔ فاطمہ نے گہری سانس لی، اور جائے نماز بچھاتے ہوئے خود سے بڑبڑائی۔

"اب اتنا بھی نہیں ہوں، کبھی جاننے کی کوشش تو کریں"۔ واشروم میں جاتے فاز نے مسکراتے ہوئے سنا، اور نرمی سے کہتا واشروم میں بند ہو گیا۔ فاطمہ سر جھٹکتے نیت باندھ لیں۔

شاہد عباسی اسٹڈی میں ٹہل رہے تھے، ان کے قدموں کی بے ترتیب چاپ کمرے کی خاموشی میں گونج رہی تھی۔ چہرہ تنا ہوا تھا، جبڑے بھینچے ہوئے۔ ان کے ماتھے پر شکنیں تھیں۔ وہ مسلسل اپنے بھاری ہاتھوں کی انگلیاں مروڑ رہے تھے۔

"مجھے اسے راستے سے ہٹانا ہو گا، اس سے پہلے کہ وہ میرے خلاف کوئی چال چلائے"۔ یہ الفاظ ان کے لبوں سے سرگوشی کی صورت نکلے، مگر اسٹڈی کی دیواروں میں ارتعاش پیدا کر گئے۔ ان کے سینے میں دبی بے چینی جیسے ایک لاوے کی صورت اندر ہی اندر ابل رہی تھی۔ وہ جان چکے تھے کہ تصویریں بھیجنے والا اصل میں کون ہے۔ وائے ڈی نے سچ کہا تھا، وہ تصویریں اس نے نہیں بھیجیں۔ اس کھیل میں کوئی اور مہرہ تھا، کوئی جوان کے قریب تھا، مگر

دشمنی کی چالیں چھپائے بیٹھا تھا۔ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ وہ ایک دم ٹھہرے۔ انہوں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا، اور اندر آتی شخصیت پر ناگواری کی ایک لہر ان کی آنکھوں میں ابھری، مگر فوراً چہرے پر مصنوعی خوش دلی کا نقاب چڑھا لیا۔

"فاخر، تم؟ آؤ، بیٹھو... کیسے آنا ہوا؟"۔ ان کے لبوں پر ایک فریبی مسکراہٹ تھی، اس بچھو کی طرح جو اپنی زہریلی دم کے نیچے معصومیت چھپا لیتے ہیں۔ فاخر سلمان نے آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا، مگر وہ ہاتھ ملانا کم اور طاقت کی جنگ زیادہ لگ رہا تھا۔ دونوں کی انگلیاں ایک دوسرے کی ہڈیوں میں پیوست ہو رہی تھیں۔ ایک دوسرے کے وجود کو اپنے دباؤ سے ناپنے کی خاموش جنگ جاری تھی۔

"تم سے کچھ ضروری بات کرنی تھی"۔ فاخر کی مسکراہٹ میں ایک عجیب سی گہری چمک تھی۔

"ہاں ضرور، بیٹھو"۔ شاہد عباسی نے سربراہی کرسی پر بیٹھتے ہوئے رسمی انداز میں ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"پہلے کافی منگوا لیتے ہیں"۔ میزبانی نبھاتے ہوئے انہوں نے انٹرکام اٹھایا، ملازم کو کافی کا آرڈر دیا اور پھر پوری توجہ فاخر کی طرف مبذول کر لی۔

"کل والا مال ٹھیک سے ڈیلیور ہو گیا تھا نا؟"۔ رسمی گفتگو کا آغاز ہوا تھا۔ مگر دونوں کے انداز میں کچھ ایسا تھا جو ہوا کو بوجھل کر رہا تھا۔

"ہاں، شکر ہے، ولیم اس بار کافی خوش ہے۔ بس وائے ڈی کا مسئلہ ختم ہو جائے تو سمجھو ہمیں سونے کی کان ہاتھ لگ گئی"۔ رسمی مسکراہٹ، رسمی گفتگو، ماحول کا بوجھل پن بڑھانے لگی تھی۔

"تم کل..."۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ فاخر سلمان بولتے بولتے رکے۔ ملازم اندر آیا۔ ان کے درمیان میز پر کافی رکھا اور چلا گیا۔

"تم کل کہاں تھے؟"۔ جملہ مکمل کیا۔ کل سب ایک پارٹی میں تھے۔ سوائے شاہد عباسی کے۔ شاہد عباسی کپ اٹھاتے اٹھاتے لمحہ بھر کو رکے۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی"۔ لیکن پھر روانی میں کہہ گئے۔ فاخر نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔

"شاہد عباسی، تمہیں معلوم ہے؟ یرے چار اہم بندے کل کسی نے مار دیے ہیں"۔ آواز میں اچانک سختی اتر آئی۔ اسٹڈی کی ہوا میں جیسے تناؤ کی گرمی پھیل گئی۔

”ہاں، مجھے صبح فیصل نے اطلاع دی تھی۔ میں تم سے اسی بارے میں بات کرنے والا تھا۔ تم کہو تو میں اپنے بندوں سے کہہ دوں کہ پتا لگائیں، کس کی اتنی ہمت ہوئی؟“۔ شاہد عباسی نے سنجیدہ تاثرات اپنائے، کافی کا گھونٹ بھرا اور مصنوعی ہمدردی سے بولے۔

”تم خود کو ڈھونڈنا چاہتے ہو، شاہد عباسی؟“۔ فاخر سلمان ہلکے سے ہنسے، مگر ان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی، ایک وارننگ، ایک پوشیدہ دھمکی۔

”کیا مطلب؟“۔ شاہد عباسی نے برہمی سے نگاہیں اٹھائیں۔

”تمہارے بندوں نے میرے بندوں کو مارا ہے، وہ بھی تمہارے کہنے پر“۔ فاخر سلمان نے ٹیبل پر ہاتھ مارا، کافی کا کپ ہلکا سا اچھلا، مگر شاہد عباسی کے تاثرات میں کوئی فرق نہیں آیا۔

”تو تمہیں معلوم ہو گیا؟“۔ انہوں نے سکون سے کپ ٹیبل پر رکھا، اور بے نیازی سے بولے۔ اداکاری ختم ہو چکی تھی۔ اب دونوں اپنے اصلی چہروں کے ساتھ آمنے سامنے تھے۔ فاخر سلمان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

”تم نے میرے بندوں کو مار کر اچھا نہیں کیا، شاہد! میں ولیم کو سب کچھ بتا دوں گا، اگر اس نے کوئی فیصلہ نہ لیا تو پھر میں اپنی مرضی سے انتقام لوں گا“۔

Clubb of Quality Content

"شاید تم بھول گئے ہو، میرے پاس یہ حق ہے کہ میں گینگ کے کسی بھی بندے کو مار سکتا ہوں"۔ شاہد عباسی نے ٹھنڈی مسکراہٹ کے ساتھ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔

"یہ حق ولیم نے تمہیں صرف غداروں کے لیے دیا تھا، اور میرے لوگ غدار نہیں تھے"۔ فاخر سلمان کی آواز غصے سے بھاری ہو گئی، جبکہ شاہد عباسی کی مسکراہٹ گہری ہوتی گئی۔

"میں کچھ بھی کہہ سکتا ہوں، کوئی بھی کہانی بنا سکتا ہوں، فاخر۔ اور ولیم کو صرف میری بات پر یقین ہوگا"۔ فاخر کی پیشانی کی شکنیں یکدم ہموار ہوئیں۔ پھر وہ مسکرائے، مگر اس بار یہ مسکراہٹ خطرناک تھی۔

"تو پھر میری بات غور سے سنو، شاہد عباسی۔ مجھ سے اور میرے آدمیوں سے دور رہو، ورنہ بہت برا ہوگا"۔ انھوں نے تھوڑا آگے جھکتے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

"نہیں تو کیا کر لو گے؟"۔ شاہد عباسی نے لاپرواہی سے کندھے اچکائے۔

"تمہارے بیٹے اور اس کی ماں کو ماضی سے آگاہ کر دوں گا۔ نیک نام بزنس مین کا چہرہ اتار کر تمہارا اصل چہرہ دکھا دوں گا"۔ فاخر سلمان آہستہ سے جھکے، ان کی آواز سرگوشی جیسی تھی، مگر موت کی طرح ٹھنڈی۔ یہ جملہ خنجر کی طرح سیدھا شاہد عباسی کے دل میں پیوست

Clubb of Quality Content!

ہوا۔ان کا رنگ یکدم سفید پڑ گیا۔انگلیاں بے اختیار مٹھی میں بھنچ گئیں۔فاخر سلمان کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔اچانک، دروازے کے پاس آہٹ ہوئی۔دونوں فوراً چونکے اور دروازے کی طرف دیکھا۔ارمان اندر آچکا تھا، بے خبر، معصومانہ انداز میں چلتا ہوا۔

"بابا، میں آپ سے..."۔وہ بولتا ہوا آگے آیا، مگر پھر ان دونوں کے تاثرات دیکھ کر رک گیا۔

"میں غلط وقت پر آ گیا؟"۔ہلکی سی خفیف مسکراہٹ اس کے لبوں پر تھی۔

"ارے نہیں، میں تو بس جا رہا تھا"۔فاخر سلمان نے فوراً خود کو سنبھالا، اور مسکراتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

"ڈیڈ آپ ٹھیک ہیں؟"۔ارمان نے فکرمندی سے اپنے والد کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔شاہد عباسی نے خود کو قابو میں رکھتے ہوئے سر ہلایا، اور پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔

"شاہد، تم اس پراجیکٹ پر سوچنا۔پھر ملاقات ہو گی"۔فاخر سلمان جاتے جاتے دوستانہ انداز میں مسکرایا۔پھر وہ ارمان کا کندھا تھپتھپا کر باہر نکل گئے۔کمرے میں خاموشی تھی، مگر اس خاموشی کے نیچے سیاہ دنیا کی سیاہ مکاریاں چل رہی تھیں۔

''ڈیڈ، آپ پریشان لگ رہے ہیں؟''۔ارمان الجھے ہوئے لہجے میں بولا۔

''بس بزنس کی باتیں ہیں، کچھ خاص نہیں''۔شاہد عباسی نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔

''اسی لیے تو کہتا ہوں آپ مجھے بزنس میں آنے دے''۔

''تمہارے ڈیڈا بھی اتنے بوڑھے نہیں ہوئے، ابھی تم انجوائے کرو''۔۔وہ محبت کرنے والے باپ لگ رہے تھے۔

بالکونی کی ٹھنڈی ہوا نے چہرے کو چھوا تو وہ لمحہ بھر کو آنکھیں موند گئی۔رات کا سکون، ہوا کی سرگوشیاں، لان میں کھڑے تناور درختوں کی پرچھائیاں، سب کچھ اتنا خاموش تھا، مگر اندر کی بے چینی جیسے بدن میں ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔اس سب سے وہ کیسے نکلے؟ آج کل بس ایک ہی سوچیں تھی۔وہ ریلنگ تھامے، نظریں نیچے جمائے ہریالی کو دیکھ رہی تھی۔گھاس پر شبنم کے قطرے چمک رہے تھے۔کنارے پر کھلے پھول ہوا کے دوش پر ہل رہے تھے،ان کی خوشبو مدھم ہواؤں میں تحلیل ہو رہی تھی۔

''یہ لیں''۔آواز پیچھے سے آئی۔سانس جیسے رک گیا ہو۔دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔چونک کر پلٹی تو سامنے فاز کھڑا تھا۔خود کو پرسکون کرنے کے لیے ایک گہری سانس

لی۔ سچ تو یہ تھا کہ اس واقعے کے بعد وہ ہر آہٹ پر چونکنے لگی تھی، ہر سایہ اسے خطرہ محسوس ہوتا تھا۔ فاز نے خاموشی سے ایک بیگ اس کی طرف بڑھایا۔ وہ نا سمجھی میں اسے تھام چکی تھی۔

"یہ کیا ہے ؟"۔ ہلکی الجھن، تھوڑی سی بے چینی لیے وہ اسے دیکھنے لگی۔ انگلیاں خود بخود بیگ کے اندر گئیں اور ایک نرم سا کپڑا چھوا۔ باہر نکالا تو سفید چادر، جس پر ننھے ننھے گلابی پھول بنے ہوئے تھے۔ وہ یک ٹک اسے دیکھنے لگی۔ **نماز کی چادر**۔ پلکیں جھپکنا بھول گئیں۔ ہاتھ میں چادر تھامے وہ حیران نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ فاز عالم کی طرف سے دیا گیا پہلا تحفہ، **نماز کی چادر**۔ وہ فاز جسے وہ ایک گینگسٹر سمجھتی تھی، اس کی دنیا میں کسی روشنی کی کوئی کرن دیکھنے کو تیار نہیں تھی۔ وہ شخص اسے نماز کی چادر دے رہا تھا؟۔ گلے میں ایک نامانوس سی گرہ پڑنے لگی۔ آنکھوں میں دھند لکا سا چھا گیا۔ فاز عالم کی طرف سے ملا گیا یہ تحفہ اس کی دل کی دنیا میں ہلچل مچا گیا تھا۔

"یہ... یہ حسین ہے"۔ آواز کسی دور دراز کی بازگشت معلوم ہوئی۔ شکریہ کہنا مشکل لگ رہا تھا، لیکن لفظ بہر حال لبوں سے نکل گیا تھا۔ وہ اپنے احساسات سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ فاز نے محض ہلکا سا سر ہلایا، جیسے شکریہ قبول کر لیا ہو۔

''یہ کیوں لائے؟''۔ چادر کو دوبارہ تہہ کرتے ہوئے بیگ میں ڈالتی ہوئی سوال کی۔

''آپ نماز ادا کرتی ہیں، تو اس کی ضرورت ہوگی آپ کو''۔ سنجیدگی اور سکون سے کہہ کر وہ اندر کمرے میں چلا گیا۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑی رہی، کسی ان دیکھے احساس نے جکڑ لیا تھا۔ پھر دھیرے دھیرے چلتی اندر آئی۔

''تم سمجھ سے بالاتر ہو''۔ بیگ الماری میں رکھتے ہوئے وہ سنجیدگی سے اسے دیکھ کر بولی۔

''نایاب ہوں میں۔ اب ہر کسی کو اتنی آسانی سے میسر نہیں آسکتا نا''۔ صوفے پر بیٹھے موبائل کی اسکرین پر تیزی سے انگلیاں چلاتے وہ جیسے کسی غیر محسوس مسکراہٹ میں مبتلا تھا۔

''منہ اور مسور کی دال''۔ وہ بے اختیار بڑبڑائی تھی۔

''کیا کہا؟''۔ گہری، بھاری آواز جیسے پورے کمرے میں گونج گئی۔

''میں؟''۔ وہ پل بھر کو ہڑبڑائی، پھر فوراً خود کو سنبھالا۔

''میں کہہ رہی تھی، تم تو خود نماز ادا نہیں کرتے، تو میں تمہیں ٹوپی دے کر کیا کروں گی؟''۔ جو منہ میں آیا بولتی چلی گئی۔ فاز نے موبائل سے نظریں اٹھائیں، گہری، بے تاثر نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ پھر خاموشی سے اٹھا اور اس کے قریب آیا۔ قدموں کی آواز،

بڑھتا ہوا فاصلہ، گھمبیر ہوتی ہوا کا احساس۔ وہ غیر ارادی طور پر پیچھے ہوئی، مگر اس کی نظریں جمی رہیں۔

"آپ بہت زیادہ ججمنٹل ہیں، فاطمہ! اور یہ اچھی بات نہیں"۔ فاز نے جھک کر دھیرے سے کہا۔ آواز میں تاسف تھا۔ اس کے پاس سے گزر کر وہ دروازے کے پاس پہنچا۔

"میں وہی کہتی ہوں جو دیکھتی ہوں"۔ ایک پل کو وہ شرمندہ ہوئی، لیکن دوسرے ہی پل ہٹ دھرمی سے بولی۔

"آپ دیکھتی ہی تو کچھ نہیں ہیں"۔ وہ رک کر آہستگی سے پلٹا۔ دیوار گیر الماری کے پاس کھڑے اس کے وجود کو دیکھا۔ الفاظ ہوا میں تحلیل ہوئے، مگر اثر چھوڑ گئے۔ وہ جا چکا تھا، مگر فاطمہ کی دنیا میں جیسے ہلچل مچ گئی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر بیگ دوبارہ باہر نکال لیا۔ بیڈ پر آکر وہ بیٹھ گئی، چادر کو تھامے گہری سوچوں میں گم۔

"یہ سب کیا تھا؟ کیوں میں انکار نہیں کر پائی؟ وہ تحفہ دیکھ کر میرے دل کی زمین نرم کیوں ہونے لگی؟ کیوں؟ اس شخص کی وجہ سے انجان لوگ میرے کمرے میں گھس آئے، اگر وہ لوگ مجھے لے جاتے تو۔ میں آہٹوں سے ڈرنے لگی ہوں۔ اس نے مجھے تنہا رہنے پر مجبور کر دیا"۔ فاز کے سامنے اپنی جو کیفیت چھپائی ہوئی تھی۔ اب وہ آنسو کی صورت باہر

آ رہے تھے۔گھڑی کی ٹک ٹک گونج رہی تھی۔رات کی خاموشی میں کہیں دور کسی پرندے نے پر پھڑ پھڑائے۔

"اس سب کے باجود وہ چادر مجھے کیوں اچھی لگ رہی ہے؟""۔دل وہ نہیں مانتا،جو عقل تسلیم کر چکی ہوتی ہے۔

"اس شخص کی وجہ سے میری زندگی برباد ہوئی۔اس نے مجھے میری فیملی سے دور کر دیا،مجھے قید کر لیا،میں کیسے اس کا تحفہ قبول کر سکتی ہوں؟""۔آنکھیں موند کر وہ بیڈ پر لیٹ گئی،رخ موڑ کر چھت کو دیکھنے لگی۔آنسو خاموشی سے بہتے رہے۔

"فاطمہ کمال،تمہارا ہے ہی کون؟سارے سوتیلے رشتے۔ایک سگا رشتہ بابا جو اپنی بیٹی کو اس جہنم میں پھینک کر بھول بیٹھے ہیں""۔

دیواریں گواہ تھیں،چاندنی خاموشی سے جھانک رہی تھی،اور رات کے سائے جیسے سرگوشی کر رہے تھے۔کہ یہ کہانی محض نفرت کی نہیں تھی۔یہ دل کے دھڑکنے کی،کسی ان کہی کہانی کی ابتدا تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

محبت فاتح ٹھہری

از عائشہ اصغر

صبح کے دس بجے کا وقت تھا۔ کراچی کے ایک عام محلے کی گلیاں زندگی سے بھرپور نظر آ رہی تھیں۔ سورج کی نرم کرنیں کینوس کی مانند عمارتوں پر پھیل رہی تھیں، جبکہ ہوا میں ہلکی سی نمی کا احساس تھا۔ گلیوں میں سبزی فروشوں کی آوازیں گونج رہی تھیں، جو تازہ سبزیوں کی منادی کر رہے تھے۔

اے آئی اور وائے ڈی اپنے مخصوص کیبن میں بیٹھے تھے، جو محلے کی ایک پرانی عمارت کی دوسری منزل پر واقع تھا۔ کیبن کی کھڑکی سے باہر کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ بچوں کے کھیلنے کی آوازیں اور پرندوں کی چہچہاہٹ ماحول کو مزید خوشگوار بنا رہی تھیں۔

"احسن تمہارے پاس ہے؟"۔ اے آئی نے اپنی کرسی پر تھوڑا آگے جھکتے ہوئے پوچھا، اس کی آواز میں تجسس نمایاں تھا۔

"میرے پاس ہی ہے"۔ فاز نے سر کو دھیرے سے جنبش دی، اس کی نظریں میز پر رکھی چائے کی پیالی پر مرکوز تھیں، جس سے ہلکی بھاپ اٹھ رہی تھی۔

"لیکن کیوں؟ تمہیں کیا ضرورت پڑی اسے اغواء کرنے کی؟"۔اے آئی کی آنکھوں میں حیرانی تھی۔

"مجھے کیا ضرورت ہے کسی کو اغواء کرنے کی۔وہ کسی اور وجہ سے میرے پاس ہے"۔فاز نے کوفت سے جواب دیا۔آس پاس نظریں گھماتے،چائے کا گھونٹ بھرا۔

"لیکن وہ تو اغواء ہوا تھا"۔اے آئی نا سمجھی سے اسے دیکھ رہا تھا،اس کے ذہن میں سوالات کا طوفان برپا تھا۔

"وہ اغواء ہوا تھا،لیکن اسے میں نے نہیں،کسی اور نے کیا تھا۔میں بس اسے وہاں سے نکالا ہوں"۔اس نے گہری سانس بھرتے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا گیا۔

"تو تم نے مجھے اس بارے میں کیوں نہیں بتایا؟"۔اب اے آئی کے لہجے میں خفگی تھی۔

"جب مجھے اس کے اغواء ہونے کی اطلاع ملی تو مراد اور حارث سے کہہ کر میں نے اسے وہاں سے بازیاب کروالیا تھا۔تمہیں بتانا ضروری نہیں لگا،لیکن وہ الگ بات ہے کہ تم پہلے ہی کھوج میں لگے تھے"۔فاز کے چہرے پر تبسم پھیلا،اس میں ہلکی سی شرارت جھلک رہی تھی۔اے آئی اس تبسم کے پیچھے کا مفہوم سمجھ کر خفت سے بالوں پر ہاتھ پھیرتا ہنس دیا۔

”تم مجھ سے ڈائریکٹ سوال کر لیتے؟ مراد کو میرے پیچھے کیوں لگایا؟“۔اسے کل ہی معلوم ہوا تھا مراد اس کی ہر خبر رکھ رہا ہے۔اور وہ آج فاز کے سامنے حاضر تھا۔

”مجھے سیدھے کام پسند نہیں“۔فاز بے نیازی سے کندھے اچکا گیا۔

"اب سیدھے کام کرنے کی عادت ڈال لو،ورنہ کچھ وقت بعد گنجے ہو جاؤ گے“۔اے آئی شرارت سے اسے دیکھتا ہنسا،اس کا اشارہ فاطمہ کی طرف تھا۔

”ان کے سامنے سیدھا سادہ بندہ ہی ہوں“۔تصور میں فاطمہ کا چہرہ لاتے ہوئے فاز مسکرا دیا۔

شاہد عباسی نے آنکھیں بند کیں تو ماضی ایک بھیانک خواب کی طرح حقیقت بن کر آنکھوں کے سامنے آگیا۔

اندھیرا کمرا...

بارش کی مدھم آواز...

اور ایک بندوق...

جو کسی کی سانسوں کا حساب کرنے کو تیار تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

تقریباً اٹھائیس سالہ مرد کی گرفت پسٹل پر مضبوط ہو گئی۔اس کے سامنے تقریباً ہم عمر ایک شخص، پسینے میں بھیگا، آنکھوں میں التجا لیے اور بدن میں کپکپاہٹ۔

"جو میرا راز جان لیتا ہے، اسے زندہ رہنے کا حق نہیں"۔آواز میں ایسی برفانی سفاکی تھی کہ کمرے کی دیواریں بھی لرز گئیں۔دنیا کی نظر میں وہ ایک بزنس مین ہونے کے ساتھ ساتھ سوشل ورکر بھی تھے۔لیکن ایک دنیا اور بھی تھی۔سیاہ دنیا۔جہاں سیاہ کھیل کھیلے جاتے تھے۔سامنے کھڑا شخص خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم مجھے مار نہیں سکتے"۔آخری امید سے لبریز ایک کمزور سی سرگوشی، لیکن جواب میں صرف بے رحم مسکراہٹ ملی۔

"واقعی؟ کون بچانے آئے گا تمہیں؟ یہاں ہمارے علاوہ کوئی اور بھی ہے کیا؟"۔اس نے چہرہ قریب کیا، آنکھوں میں وحشت کی چمک تھی۔

"میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا"۔۔

"جب موت قریب دکھے، تو سب یہی کہتے ہیں"۔چہرے پر سفاکی ابھری، بندوق کی نالی اس کی گردن پر جمائی اور دبے دبے لہجے میں گویا ہوا۔

”میری دنیا کے اصول ہیں، جو راز جان جائے اسے اگلی سانس کی مہلت مت دو۔ تمہارا تجسس تمہیں یہاں لے آیا اور اب یہی تجسس تمہیں قبر تک چھوڑ آئے گا“۔

سامنے کھڑے شخص کی آنکھوں میں خوف مزید گہرا ہوا، سانسیں بے ترتیب ہوئیں، اور پھر آخری کوشش میں وہ بمشکل سرگوشی کر پایا۔ کمرے میں موجود شیشے کی کھڑکی کے پار دو چھوٹی آنکھوں نے یہ منظر ذہن میں محفوظ کیا تھا۔

”تم پچھتاؤ گے“۔ لیکن اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں آیا۔

”میں کبھی نہیں پچھتاتا“۔ کہنے کے ساتھ ہی انگلی نے ٹریگر دبا دیا

'ٹھاہ'۔

گولی گردن کے اندر پیوست ہوئی، گرم خون کے چھینٹے زمین پر بکھر گئے، اور وہ شخص ایک لرزتے جھٹکے کے ساتھ نیچے گر گیا۔ آنکھوں میں حیرت، بدن سے زندگی کا آخری قطرہ بھی نکلتا محسوس ہوا۔

”افتخار!“۔ شاہد عباسی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ سانسیں بے ترتیب، ماتھے پر پسینے کے قطرے، اور دل کی دھڑکن جیسے پسلیوں کو چیرنے کے درپر تھی۔ آنکھیں کھولیں تو اسٹڈی کا

منظر واضح ہوا، وہ ابھی بھی اپنی جگہ موجود تھے، لیکن ان کا وجود جیسے ماضی کے بوجھ تلے دب چکا تھا۔ ہاتھ چہرے پر پھیرا، گہری سانس لی، مگر اندر بسنے والا طوفان کم نہیں ہوا۔ کچھ چیزیں آپ کا پیچھا کبھی نہیں چھوڑتیں۔ وہ قبر تک آپ کے ساتھ جاتی ہیں۔

وہ گزرے وقت کی خاک سمجھ کر آگے بڑھتے رہے، مگر وہ راکھ آج بھی انگارے بن کر سینے میں دہک رہی تھی۔ شاہد عباسی نے کرسی کی پشت سے سر ٹکایا۔ کمرے کی روشنی مدھم تھی، مگر ان کے اندر کا اندھیرا کہیں زیادہ گہرا تھا۔ وقت گزر چکا تھا، لوگ بدل چکے تھے، مگر وہ چیخ، وہ بے جان آنکھیں، وہ خون کی بوندیں۔۔ سب وہیں کے وہیں منجمد تھیں۔ ماضی کے کچھ لمحے ایسے ہوتے ہیں جو وقت کے ساتھ مدھم نہیں ہوتے، بلکہ اور گہرے ہوتے جاتے ہیں، جیسے کندہ کیے گئے الفاظ جو پتھر پر ثبت رہیں۔

کچھ چیزیں قبر تک ساتھ جاتی ہیں... اور گناہ قبر کے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑتے۔ ہر گناہ کا حساب دینا ہوتا ہے۔ اِس جہاں میں اگر بچ بھی جائے، تو اُس جہاں میں بچنا ناممکن ہے۔

علینہ زاہد اپنے کمرے میں نرم و ملائم تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھی۔روشنی مدھم تھی،اور کمرے میں ہلکی سی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔اس کے چہرے پر ایک مدھم مسکراہٹ تھی، مگر آنکھوں میں وہ چمک نہیں تھی جو کسی کے دل کی سچائی میں گم ہونے سے آتی ہے۔وڈیو کال جاری تھی،سامنے وہ تھا،جو دل کی گہرائیوں سے اس کے الفاظ پر یقین رکھتا تھا۔

"ایک ماہ ہو گیا ہے،ہم ملے نہیں"۔اس کی آواز میں ہلکی سی کسک تھی۔

"تو؟ ملنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ بات تو ہو رہی ہے ناں"۔علینہ نے لاپرواہی سے زلفیں انگلیوں میں لپیٹیں۔

"اب کی بار پاکستان آؤں گا تو ڈیڈی سے شادی کی بات کروں گا۔پھر تمہیں اپنے ساتھ لے کر ہی لندن آؤں گا،ہمیشہ کے لیے"۔اس کی آواز میں ایک سنجیدہ عزم تھا۔

"اتنی بھی کیا جلدی ہے؟"۔علینہ نے ہلکی سی ہنسی دبائی۔اس کے لہجے میں ایک انجانی بے فکری تھی۔

"چھ ماہ گزر چکے ہیں۔میں چاہتا ہوں کہ اب ہم اپنے رشتے کو کوئی نام دے دیں۔اگر تم چاہو تو ابھی صرف نکاح کر لیتے ہیں،شادی بعد میں سہی"۔اس نے التجا کی۔

"ایک سال بعد کر لیں گے، نکاح اور شادی دونوں ساتھ"۔ علینہ نے آنکھیں مٹکائیں، اس کی غیر سنجیدگی واضح تھی۔

"نکاح کرنے میں کیا قباحت ہے؟"۔ وہ الجھن میں پڑ گیا۔ علینہ نے کندھے اچکائے۔ "اچھا مما بلا رہی ہیں، بعد میں بات کرتی ہوں"۔ پھر اچانک چونک کر بولی۔

کال کاٹنے کے بعد وہ بیڈ پر دراز ہو گئی، گہری سانس لی، اور چھت کو گھورتے ہوئے سوچوں میں کھو گئی۔ ان دونوں کی ملاقات نادرن ایریاز کے ایک سفر میں ہوئی تھی۔ پہاڑوں کے دامن میں، جہاں بادلوں کی نرم چادر بچھتی تھی، وہ حادثاتی طور پر اس کے قریب آیا تھا۔ برف پر پھسل کر گری تو یہی ہاتھ تھا جس نے تھام لیا تھا۔ وہ لمحات مسحور کن تھے، ایک نئی داستان کے آغاز جیسے۔ مگر کچھ کہانیاں صرف خوبصورت ہوتی ہیں، گہری نہیں۔

وہ انہی خیالات میں گم تھی کہ دروازہ کھلنے کی آواز نے اس کی توجہ کو جھنجھوڑ دیا۔

"مما کیا ہے؟ اس طرح کون کمرے میں آتا ہے"۔ علینہ نے ناگواری سے تکیہ ایک طرف پھینکا۔ اور اٹھ بیٹھی۔

''ماں ہوں تمہاری، جس طرح چاہے آسکتی ہوں''۔ریحانہ بیگم اس کے قریب آکر بیٹھ گئیں۔

''اب کیا ہوا؟''۔علینہ نے بیزاری سے ان کی طرف دیکھا۔

''یہ آج کل تم کون سی ایکٹیویٹیز میں مصروف ہو؟ گھر پر بھی وقت دے دیا کرو۔ گھر پہ اگر ہو تو سارا دن بس اپنے کمرے میں بند رہتی ہو''۔ریحانہ بیگم نے ایک لمحہ توقف کیا، پھر سنجیدہ لہجے میں بولیں۔

''مما پلیز، میری اپنی ایک سوشل لائف ہے۔ مجھے وہاں وقت دینا ہوتا ہے۔ میں ہر وقت گھر میں بیٹھی رہ کر کیا کروں؟''۔علینہ نے آنکھیں گھمائیں۔

''تو پھر بھول جاؤ عابد کو۔ تمہاری مامی اپنی بھانجی کو بہو بنانے کے خواب دیکھ رہی ہیں''۔ریحانہ بیگم کی آنکھوں میں غصہ اور فکرمندی جھلک رہی تھی۔

''ارے مما، ڈونٹ وری۔ عابد کی شادی صرف علینہ زاہد سے ہو گی''۔۔وہ بے فکری سے ہنسی۔

''میں تمہیں خبردار کر رہی ہوں، بعد میں مت کہنا کہ بتایا نہیں تھا''۔ریحانہ بیگم نے نرم سی تنبیہ کی۔

''فکر نہ کریں مما، عابد آپ ہی کا داماد بنے گا، صرف اور صرف ریحانہ سجاد کا''۔علینہ نے ان کا ہاتھ تھاما، نرمی سے دبایا۔ریحانہ بیگم نے مسکرا کر سر ہلایا، مگر ان کے دل میں ماں کی بے چینی اب بھی کہیں باقی تھی۔

''اپنی چھوٹی بہن کو بھی کچھ وقت دے دیا کرو''۔انھوں نے دھیرے سے کہا۔

''مما، پلیز! مجھ سے یہ سب نہیں ہوتا۔اور ویسے بھی، وہ آپ کی لاڈلی بیٹی،اس کے انداز تو دیکھیں! آدھے سے زیادہ عادتیں فاطمہ کمال جیسی ہیں۔ مجھ سے تو برداشت نہیں ہوتا،اوپر سے اتنی کم عمر اور ہر وقت تھان بھر کا دوپٹہ لپیٹے رہتی ہے''۔اس کے انداز میں بیزاری اور کوفت شامل تھی۔

''اچھا، جیسے تمہاری مرضی۔۔۔''ریحانہ بیگم نے ایک گہری نظر اس پر ڈالہ، پھر آہستہ سے بولیں۔

واش روم سے تازہ دم ہو کر نکلنے کے بعد، فاطمہ آئینے کے سامنے کھڑی خود کو دیکھ رہی تھی۔آنکھوں میں اداسی کی پرچھائیاں تھیں، لیکن ہونٹوں پر عزم کی لکیر کھنچ چکی تھی۔

"فاطمہ بہت گزار لیا تم نے مایوسی اور کم ہمتی میں یہ وقت... تم ایسی تو نہیں تھی! دادی اور پھوپھی کی تلخ باتیں بھی تمہارا حوصلہ نہیں توڑ سکیں، پھر اب کیوں؟ تم فاطمہ کمال ہو، جو ہر مشکل کو راکھ بنا کر اپنی راہ نکالتی ہے"۔ اس نے اپنا عکس غور سے دیکھا، جیسے خود سے کوئی وعدہ لے رہی ہو۔

"مجھے یہاں سے نکلنا ہو گا... اور اس کے لیے مجھے وائے ڈی کے بارے میں جاننا ہو گا۔ اس نے مجھ سے نکاح کیوں کیا؟"۔ ہاتھ ڈریسنگ پر رکھا، کریم اٹھائی اور نرمی سے چہرے پر لگانے لگی۔

"فاطمہ کمال کو جاننا ہی ہو گا تم کون ہو؟ اور تمہارا مقصد کیا ہے؟"۔۔ بالوں میں برش چلاتے ہوئے اچانک ماضی کے خوشگوار رنگ آنکھوں کے سامنے بکھر گئے۔

"فاطمہ، یو آر سو ڈفرنٹ! آپ کے نقشوں میں ترکی کی لطافت اور پاکستان کی نزاکت دونوں ہی شامل ہیں۔ ایک حسین امتزاج۔ آپ ترکش بھی لگتی ہیں اور پاکستانی بھی۔ دوہری خوبصورتی"۔ ماریہ ابراہیم آنکھوں میں ستائش لیے، ہنستے ہوئے اس کا میک اپ کر رہی تھی۔

"اماں ترکش، اور ابا پاکستانی ہو... تو پھر بچہ میری طرح ہو گا"۔۔ فاطمہ کمال کھلکھلا کر جواب دی تھی۔ نیلی آنکھیں ہر کسی پہ نہیں جچتی، لیکن فاطمہ کی آنکھوں کو دیکھ کر لگتا تھا یہ

رنگ اسی کے لیے ہے۔فاطمہ کمال کو آنکھوں کی یہ خوبصورتی ماں سے ملی تھی۔اس کی آنکھیں، ہلکے گھنگریالے کمر تک آتے بھورے بال،اور صاف رنگت یہ سب اس نے ماں سے چرایا تھا۔باقی ہونٹ اور ناک اس کے بابا جیسے تھے۔

''اماں، آپ کے بھی کیا نصیب تھے! ترکی سے پاکستان بیاہ کر آ گئیں...یہاں تو لوگ پاکستان چھوڑنے کی سوچتے ہیں،اور آپ..'' وہ ماں کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی۔

وہ گزرے وقتوں کی یادوں میں کھوئی ہوئی تھی۔جب دروازے پر دستک ہوئی تو چونک کر حال میں لوٹی،اور سامنے فاز کو کھڑا پایا۔سرمئی رنگ کی ٹی شرٹ اور سیاہ ٹراؤزر میں ملبوس۔

''میرے ساتھ آیئے''۔بغیر کسی تمہید کے کہے گئے جملے پر اس نے حیرت سے دیکھا۔

''کہاں؟''۔

''جو کہا ہے وہ کریں''۔فاز کے لہجے میں کوئی نرمی نہ تھی، جیسے وہ کسی بحث کی گنجائش نہ چھوڑنا چاہتا ہو۔

فاطمہ نے موبائل اٹھایا، ماریہ کا پیغام دیکھا، اور دل ہی دل میں بڑبڑائی۔ "ابھی تو چلتی ہوں، بعد میں دیکھ لوں گی تمہیں"۔ وہ اس کے پیچھے چل دی، مگر اپنی مخصوص خفگی کے ساتھ۔

"ساتھ چلیں گی تو زیادہ اچھا لگے گا"۔ مسکراہٹ دبائے وہ اس کے خفا خفا چہرے کو دیکھا۔ غصے میں وہ تپی تپی سی اچھی لگ رہی تھی۔

"تمہارے ساتھ چلنے سے اچھا ہے کہ میں مر جاؤں"۔ نخوت سے سر جھٹکا۔

"کچھ الفاظ بعد میں بہت بھاری پڑتے ہیں"۔ وہ دھیرے سے بولا، کان کے قریب جھک کر۔ فاطمہ پل بھر کو ٹھٹک گئی، مگر پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔

فاز اسے ایک کشادہ بالکونی میں لے آیا۔ یہ لاؤنج سے ملحقہ بالکونی تھی۔ فاطمہ نے قدم رکھا تو ہوا کے نرم تھپیڑے نے اس کے سنہرے بالوں کو گالوں پر بکھیر دیا۔ وہ جو پہلے غصے میں بھری ہوئی تھی، بالکونی کا سحر دیکھ کر خود کو روک نہ سکی۔ اس کا سخت چہرہ نرمی میں ڈھلنے لگا، جیسے دل کو کوئی نامعلوم سی راحت میسر آگئی ہو۔

بالکونی میں رات کی خاموشی کا بسیرا تھا، مگر ہوا میں ہلکی ہلکی خنکی تھی جو بدن کو چھوتی تو جیسے دل کی دھڑکن میں نرمی گھل جاتی۔ آسمان پر چمکتے ستارے اور چاند کی ملائم روشنی بالکونی

کے حسن میں اضافہ کر رہی تھی۔ ہواؤں کے ساتھ ہلکورے لیتے رنگ برنگے پھول مدھم روشنی میں سونے جیسے چمک رہے تھے، اور بالکونی کے کونے میں رکھی فینٹسی لائٹس سبز پتوں کے ساتھ جگنوؤں جیسی جھلمل کر رہی تھیں۔

وہ کچھ لمحے آنکھیں بند کیے کھڑی رہی، جیسے اس سکون کو اپنی روح میں اتار لینا چاہتی تھی۔ جب آنکھیں کھولیں، تو سامنے فاز عالم کو کھڑا پایا۔ وہ کافی کے دو کپ لیے اس کے قریب آیا، اور بنا کچھ کہے ایک کپ اس کی طرف بڑھا دیا۔ فاطمہ نے بنا کسی تاثر کے کپ تھام لیا، موبائل میز پہ رکھا، پھر خاموشی سے ریلنگ کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ آسمان پر ڈھلتی رات اور شہر کی مدھم روشنیوں کو تکتے ہوئے اس نے کافی کا ہلکا سا گھونٹ لیا۔ تلخی اور مٹھاس کے حسین امتزاج نے زبان پر نرمی سی بکھیر دی۔ فاز عالم اس بات سے واقف تھا کہ فاطمہ کمال کافی پیتی ہے۔ چائے نہیں۔

”ویسے لڑکیاں کافی پیتے ہوئے اتنی خاموش نہیں ہوتی جیسے آپ ہیں“۔ فاز کی آواز میں شرارت کی ہلکی سی لہر تھی۔ اس کا انداز صاف اسے چھیڑتا ہوا تھا۔ فاطمہ نے آنکھیں سکیڑیں، چہرہ ذرا سا اس کی طرف موڑا اور چبھتی نگاہوں سے دیکھا۔

”کتنی لڑکیوں کے ساتھ کافی پی چکے ہو؟“۔اس کے لہجے میں بے نیازی تھی مگر آنکھوں میں غیر محسوس سی جلن تھی۔توقع کے عین مطابق اس نے خاموشی توڑ دی تھی۔ٹھنڈی ہوائیں،فاطمہ کے کھلے بالوں کے ساتھ اٹھکیلیاں کر رہی تھیں۔

”زیادہ نہیں...کوئی آٹھ،دس؟زیادہ تر تو فاریہ ہاشم،مبشرہ اور کومل کے ساتھ“۔فاز نے لب بھینچ کر مسکراہٹ دبائی،پھر یونہی کندھے اچکا کر بولا۔سادگی سے بھرپور انداز۔فاطمہ کمال پہلی بار اس کا یہ روپ دیکھ رہی تھی۔

”تو مجھے کیوں ڈسٹرب کیا؟انہی کے پاس جانا تھا نا پھر“۔فاطمہ نے آنکھیں گھما کر رخ پھیر لیا۔سامنے رات کا آسمان چاندنی میں نہایا ہوا تھا۔

”ہاں،مگر کسی لڑکی کے ساتھ اکیلے کبھی نہیں پی...فاریہ ہاشم کے ساتھ جب جب پی،ہاشم ارتضیٰ ساتھ ہی ہوتے تھے۔مبشرہ اور کومل کے ساتھ حارث اور مراد بھی ساتھ ہی ہوتے تھے۔اکیلے کسی لڑکی کے ساتھ پہلی بار پی رہا ہوں۔سو ٹرسٹ می،یہ میری پہلی کافی ڈیٹ ہے“۔اس کا انداز یکسر بدل چکا تھا۔اس کی نگاہیں،اور گھمبیر آواز۔فاطمہ کی سانس ایک لمحے کو رکی،جیسے ہوا نے اس کے ارد گرد لمحاتی جادو کر دیا ہو۔وہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے بالوں کی لٹیں پیچھے کرنے لگی،مگر کانوں کی لو سرخ پڑ چکی تھیں۔اس نے

کب فاز کو ایسے دیکھا تھا؟ وہ تو ہمیشہ سنجیدہ سا رہتا تھا۔ زیادہ تر گھر سے غائب۔ اسے بس لا کر تنہا چھوڑ دیا تھا۔

”تم... تم مجھ سے ایسی باتیں نہیں کر سکتے“۔ اس نے سخت لہجے میں کہتے ہوئے خود کو نارمل رکھنے کی کوشش کی۔ فاز کی نظریں گہری مسکراہٹ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

”میں کیسی باتیں کر رہا ہوں، محترمہ؟“۔ وہ اسے مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔ اس کا انداز اور طرزِ تخاطب۔ فاطمہ کو الفاظ نہیں ملے، وہ کچھ کہتی مگر اتنے میں کسی کے کھانسنے کی آواز آئی۔ وہ دونوں جھٹ سے پیچھے مڑے۔ سامنے ایک اجنبی نوجوان کھڑا تھا، ہاتھ میں پانی کا گلاس تھامے، شاید کچھ لمحے پہلے وہ پانی پیتے پیتے سرک گیا تھا۔ فاطمہ کی نظریں فوراً اُس پر گئیں، جس کی آنکھوں میں شناسائی تھی، تو وہ کچھ ریلیکس ہو گئی۔

”تم یہاں کیا کر رہے ہو؟“۔ فاز نے خشمگیں نگاہوں سے پوچھا۔ نوجوان نے مصنوعی معصومیت سے کندھے اچکائے۔

”تم سے ملنے آیا تھا... لیکن شاید غلط وقت پر آ گیا ہوں“۔ پھر وہ مسکین سی شکل بناتے ہوئے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ فاطمہ اور فاز کو دیکھنے لگا۔ فاطمہ کا دل زور سے دھڑکا۔ وہ ایک جھٹکے سے سیدھی ہوئی، بات سمجھ میں آتے ہی خفت سے چہرہ موڑ لیا۔ ”میں اندر جا رہی

ہوں''۔ سخت لہجے میں کہتی،ایک خفگی بھری نگاہ فاز پہ ڈالتی،اور تیز قدموں سے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئی۔

''اطلاع دے کر آتے ہیں شاید''۔فاز نے اسے گھور کر دیکھا۔

''یو آر فلرٹنگ ؟نو وے !آئی کانٹ بلیوڈِس''۔پیچھے وہ نوجوان بے ساختہ مسکرایا اور شرارت بھرے انداز میں بولا۔

''بکواس بند کرو''۔فاز عالم نے اسے گھورا،پھر ایک مکہ اس کے کندھے پر رسید کیا۔

''سچ سچ بتاؤ''۔وہ مسلسل شرارت پر آمادہ تھا۔

''ان آنکھوں میں جو شرارت ناچ رہی ہے ناں،سب نکالنا آتا ہے مجھے''۔فاز نے انگلی اس کی آنکھوں کی طرف کی اور دھیرے سے بولا۔

''ناں کر یار،بڑی مشکلوں سے یہ لینز لگائے ہیں''۔اس نے مصنوعی دکھ بھرے انداز کہا۔

''ہاں جیسے میں تو جانتا ہی نہیں،کتنی مہارت حاصل ہے تمہارے ہاتھوں کو اس کام میں''۔فاز نے کافی کا آخری گھونٹ بھرتے ہوئے طنز کیا۔

''آہ، میری آنکھوں کا اصل رنگ تو میری محبوبہ کو بھی نہیں معلوم''۔نوجوان نے ٹھنڈی سانس خارج کی۔دکھ سے کہتا وہ آسکور جیتنے کے موڈ میں تھا۔

''ڈرامے بازی بند کرو''۔فاز نے مسکراہٹ دبائی۔''اور اس کا ذکر میرے سامنے تمیز سے کیا کرو''۔پھر سنجیدگی سے تنبیہ کرنا ضروری سمجھا۔

''بہن کے بھائی نہ بنو''۔۔وہ منہ بنایا۔

''یہ بتاؤ کس لیے آئے ہو؟''۔۔

''تمہارا زخم کیسا ہے؟''۔۔وہ اب بالکل سنجیدگی سے فاز سے پوچھ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے یار''۔لاپرواہ سا انداز تھا۔

''اچھی طرح جانتا ہوں۔جب ہی ڈاکٹر کو لے کر آیا ہوں، تمہارا زخم چیک کروانے''۔اب کہ وہ بھی سنجیدہ ہوا۔

''میں نہیں کروا رہا کوئی چیک اپ، آئی ایم اوکے''۔

''ڈاکٹر کو دکھانا چاہیے آپ کو''۔ تبھی پیچھے سے ایک سنجیدہ مگر نرمی سے لبریز نسوانی آواز آئی۔فاطمہ کی آواز سن کر دونوں چونک گئے۔وہ آہستہ قدموں سے آئی، گول میز سے اپنا موبائل اٹھایا، اور دوبارہ پلٹ گئی۔اس کے لہجے میں غصہ نہیں تھا، کوئی خفگی نہیں تھی، بس

سنجیدگی تھی۔فاز کی نظریں اس راستے پر تھیں جہاں سے فاطمہ گئی تھی۔لمحہ بھر کو خاموشی رہی۔

''اب تو دکھاؤ گے ناں ؟''۔نوجوان نے فاز کو چھیڑنے والے انداز میں دیکھا۔

''شٹ اپ''۔فاز اسے جھڑکا۔وہ برا منائے بغیر ہنس دیا۔

''چلو''۔۔پھر ہنستا ہوا فاز کا بازو پکڑ کر کھینچتا ہوا باہر لے گیا۔

دل میں اک لہر سی اٹھی ہے ابھی

کوئی تازہ ہوا چلی ہے ابھی

شور برپا ہے خانۂ دل میں

کوئی دیوار سی گری ہے ابھی

بھری دنیا میں جی نہیں لگتا

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

جانے کس چیز کی کمی ہے ابھی

تو شریکِ سخن نہیں لیکن
کوئی ہم راز تو بنی ہے ابھی

یاد کے بے نشاں جزیروں سے
تیری آواز آ رہی ہے ابھی

شہر کی بے چراغ گلیوں میں
زندگی تجھ کو ڈھونڈتی ہے ابھی

(ناصر کاظمی)

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"سب کچھ سیٹ ہو گیا ہے تم دونوں میں؟"۔ اس بے باک سوال نے فاز کے مصروف ہاتھوں کو لمحے بھر کے لیے روک دیا۔ ڈاکٹر کو چیک کروانے کے بعد، وہ دونوں اسٹڈی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فاز، جو سربراہی کرسی پر براجمان تھا، اس کی پشت پر ایک ریک میں کئی کتابیں اور ایوارڈز سجے ہوئے تھے۔ بیچ میں ایک میز تھی اور اس کے ساتھ دو کرسیاں رکھی تھیں، جن میں سے ایک پر "اے آئی" بے تکلفی سے بیٹھا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے"۔ نیلے رنگ کی ایک فائل کھولتے ہوئے، جس پر جلی حروف میں 'ولیم' لکھا ہوا تھا، اُس نے سنجیدگی سے جواب دیا اور اس فائل پر گہری نگاہیں ڈالیں۔

"تو پھر وہ سب کیا تھا؟"۔ اے آئی کی باتوں میں دلچسپی کا عنصر تھا، اور اے آئی کو یہ جرات بھی تھی کہ وہ فاز سے اس طرح کھل کر بات کر سکتا تھا۔

"وہ خوفزدہ تھی، پریشان تھی۔ میں بس ان کا مائنڈ فریش کرنا چاہتا تھا"۔ فاز نے نظریں فائل سے نہیں ہٹائیں، مگر لہجے میں وہی سنجیدگی جو ہمیشہ اس کی شخصیت کا خاصہ رہی تھی۔

"تو تم اس کے ساتھ فلرٹ کر رہے تھے؟"۔ اے آئی کی مسکراہٹ میں شرارت تھی، اور ہاتھ کی مٹھی گال پر رکھ کر وہ اُسے دیکھ رہا تھا۔

"شٹ اپ! بہت بکواس کر لیا۔ بیوی ہیں وہ میری"۔ فاز نے خفگی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"آں ہاں، الرائٹ! میں بھی تو کب سے یہی کہہ رہا ہوں کہ تمہاری بیوی ہیں وہ"۔ وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

"اے آئی، سدھر جاؤ"۔ فاز کی آنکھوں میں واضح وارننگ تھی، لیکن سامنے والا سدھرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"ویسے تم لوگوں نے یہ بڑا اچھا نام دیا ہے 'اے آئی' لوگوں کو لگتا ہو گا کہ میں آرٹیفیشل انٹیلیجنس ہوں"۔ وہ خود ہی اپنی بات پر ہنسنے لگا، شاید کچھ زیادہ ہی شوخ مزاج تھا۔

"ہاں تو تم ہو، اے آئی کا کام کیا ہوتا ہے؟ جو کمانڈ دو وہ پورا کرتا ہے، بالکل ویسے ہی جیسے تم میرا ہر آرڈر پورا کرتے ہو... روبوٹ"۔ فاز کی آنکھوں میں پہلی بار ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ مگر وہ فوراً اپنی اصل طبعیت پر آ گیا۔

"تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اب تمہارا روبوٹ بننے کے لیے بھلا کون انکار کر سکتا ہے؟"۔ اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے، اور فاز نفی میں سر ہلا کر رہ گیا۔ جیسے کہ اُس کا کچھ نہیں ہو سکتا۔

"ویسے ایک بات تو بتاؤ، یہ مراد آج کل کہاں ہے؟""۔اے آئی کے انداز میں تجسس تھا۔

"بہت یاد کر رہے ہو اسے؟ کہو تو ابھی بلا لیتا ہوں"۔فاز نے مسکراہٹ دبائے ہوئے کہا۔

"مجھے تو تمہاری سمجھ نہیں آتی کہ اسے تم نے میرے پیچھے لگایا کیوں تھا۔لیکن خیر، ابھی کچھ دنوں سے سکون ہے"۔۔

"تاکہ تم کوئی نقصان نہ کر بیٹھو"۔فاز نے گہری سانس لے کر مصروف انداز میں کہا۔

"مجھے معلوم تھا تمہیں میری پرواہ بہت ہے، ناجانے کون لوگ تمہیں کھڑوس کہتے ہیں"۔اُس کی مسکراہٹ میں گہری محبت چھپی ہوئی تھی۔محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ڈونٹ لک ایٹ می لائیک ڈیٹ"۔فاز نے اپنی نظریں ہٹا کر ایک سخت نگاہ سے اُس کو گھورا۔اے آئی ہنستا چلا گیا۔

"یہ پابندی تو اب مجھ پر لگے گی ہی"۔اے آئی نے ہنسی روکتے شرارت سے فاز کی بات کا جواب دیا۔فاز نے کڑے تیوروں سے اسے دیکھا۔

"مجھے تمہاری نہیں، اپنے مشن کی فکر ہے۔کیونکہ اگر تم ہاتھ سے گئے تو سالوں کی میری محنت برباد ہو جائے گی"۔اُس کی آواز میں سنجیدگی تھی۔

"تم چاہے منہ سے نہ بولو، مسٹر فاز، لیکن میں جانتا ہوں کہ تم کتنی فکر کرتے ہو"۔ اے آئی ہنستے ہوئے، شرارتی نگاہوں سے فاز کو دیکھنے لگا۔

"ڈے ڈریمنگ"۔ فاز نے بڑبڑایا، لیکن اے آئی پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ فاز نے مراد کو اس کے پیچھے اس لیے لگایا تھا کہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔

رات کے پُر سکون لمحے، جب شہر نیند کی آغوش میں جا چکا تھا، فاطمہ کمال کے ارادے اسے گھر کی پچھلی کھڑکی سے باہر دھکیل چکے تھے۔ سفید چادر میں لپٹی، وہ خاموشی سے زمین پر اتری، جیسے رات کے اندھیرے سے ہم آہنگ ہونے کی کوشش کر رہی ہو۔ ہوا میں ایک لطیف سی خنکی تھی، اور کراچی کی روشن سڑکیں اس کے راستے کا تعین کر رہی تھیں۔ چورنگی کے قریب ایک سفید کرولا آ کر رکی۔ وہ فارحہ کو کال کر کے بلائی تھی۔

فاطمہ نے تیزی سے دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گئی۔ اس کا دل ابھی بھی تیز دھڑک رہا تھا، لیکن چہرے پر سکون کی مصنوعی تہہ چڑھا رکھی تھی۔

"خیریت ہے فاطمہ اس وقت مجھے کیوں بلایا؟"۔ ڈاکٹر فارحہ نے گاڑی کو ہسپتال کی طرف موڑتے ہوئے سوال کیا۔

”سب بتاتی ہوں… پہلے آپ یہ بتائیں کہ ہسپتال کی صورتحال کیسی ہے؟ اکاؤنٹس میں سب ٹھیک چل رہا ہے؟“۔ فاطمہ کی آواز میں الجھن تھی، جیسے وہ سب کچھ سنبھالنا چاہتی ہو مگر زندگی کی سرکشی اسے مسلسل دھکیل رہی تھی۔

”تم بے فکر رہو، سب ٹھیک ہے۔ میں نے ایک قابل لڑکی کو بھی ہائیر کر لیا ہے“۔ فارحہ نے نرمی سے جواب دیا۔ فاطمہ نے شکر گزاری سے اس کی طرف دیکھا۔

”احسن کا کچھ پتہ چلا؟“۔ فارحہ گاڑی چلاتے ہوئے فکرمندی سے پوچھی۔ شادی کے پوسٹ پونڈ ہونے کی خبر سب کو تھی اور احسن کے اغوا ہونے کی بھی۔

”نہیں…“ فاطمہ کی مدھم آواز نے دونوں کے بیچ کی فضا کو بوجھل کر دیا۔ گاڑی ہسپتال کے پارکنگ میں رک چکی تھی۔

”تم دوبارہ ہسپتال کب آ رہی ہو؟“۔ خاموشی چند لمحے برقرار رہی، پھر فارحہ نے سوال کیا۔

”میری شادی ہو چکی ہے“۔ یہ جملہ کسی طوفان کی طرح گاڑی کی خاموشی کو توڑ گیا۔ سیٹ بیلٹ کھولتا ہوا ہاتھ ٹھہر سا گیا۔

”شادی؟ لیکن وہ تو پوسٹ پونڈ ہو گئی تھی؟“۔ فارحہ حیرت سے اس کی طرف دیکھی۔

''مسٹر فاز عالم عرف وائے ڈی سے میرا نکاح ہوا ہے۔''

یہ کہتے ہی فاطمہ کی نگاہیں خلا میں جم گئیں، جیسے اپنے ہی الفاظ کی گہرائی کو جانچ رہی تھیں۔ گاڑی سے نکلتے ہوئے دونوں اندر کی طرف بڑھی۔ ہسپتال کے آفس میں بیٹھ کر اس نے پوری کہانی سنائی، وہ سب کچھ جو اسے بوجھل کیے جا رہا تھا۔

''تو تم اس وقت کیوں آئی ہو؟''۔۔فارحہ چہرے پہ پریشانی لیے اسے دیکھنے لگی۔

''وہ رات بھر گھر میں نہیں ہوتا، اس لیے مجھے یہی وقت محفوظ لگا۔ میں نہیں چاہتی کہ اب میری وجہ سے کوئی نقصان اٹھائے''۔۔فاطمہ کا لہجہ بے تاثر تھا۔

''تم نے اس سے پوچھا کہ وہ تم سے کیا چاہتا ہے؟''۔فارحہ نے گہری سانس لی، پھر مدھم لہجے میں کہا۔

''بے شمار بار... مگر وہ کبھی سیدھا جواب نہیں دیتا''۔فاطمہ کی نظریں میز پر ٹک گئیں۔

''فارحہ، میں نے ہمیشہ خود کو مضبوط سمجھا، لیکن حالیہ واقعات نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ ایک اجنبی سے نکاح، دادی اور پھوپھی کی حقیقت.. سب کچھ جیسے میری ذات کو منتشر کر گیا ہے''۔فاطمہ کی آواز میں تھکن در آئی۔

''فاطمہ آپ خود سائیکالوجسٹ ہیں اور نیوروپلاسٹیسٹی کے تصور سے بخوبی واقف ہیں۔ ہمارا دماغ تبدیلیوں کے مطابق خود کو ڈھالنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لیکن اس میں وقت لگتا ہے، خود کو وقت دیں''۔

''میں جانتی ہوں، مگر جذباتی سطح پر یہ سب قبول کرنا آسان نہیں ہوتا''۔۔ فاطمہ نے گہری سانس بھری۔ ان سارے واقعات سے اس کی جذباتی وابستگی تھی۔ احسن کا اغوا، رشتوں کی حقیقت، اور سب سے بڑھ کر... کسی انجان کے نکاح میں چلے جانا۔ جس کے آگے پیچھے سے واقفیت نہیں۔ ہر لڑکی کو اپنے نکاح کو لے کر بہت ارمان ہوتے ہیں۔

''جب ہم گہرے جذباتی صدمات سے گزرتے ہیں، تو دماغ کو ان کے ساتھ ہم آہنگ ہونے میں زیادہ وقت درکار ہوتا ہے۔ یہ ایک قدرتی عمل ہے۔ ہم ان تجربات پہ غور کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ جیتے ہیں۔ دماغ نئے نیورل راستے بناتا ہے تاکہ ہم ان حالات کو قبول کر سکیں۔ جیسے جسمانی زخموں کو بھرنے میں وقت لگتا ہے، ویسے ہی ذہنی زخم کو مندمل ہونے کے لیے بھی وقت چاہیے''۔۔۔ فاطمہ نے گہری سانس لے کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔ میں نے خود پر بہت دباؤ ڈال لیا ہے۔ فوراً سب کچھ ٹھیک نہیں کر سکتی، مجھے خود کو وقت دینا چاہیے، اور صبر سے کام لینا ہوگا''۔ فاطمہ کی آنکھوں میں سوچ

کے عکس ابھرے۔ان سب باتوں سے وہ خود بھی واقفیت رکھتی تھی۔لیکن اگر گفتگو کسی اچھے اور سینئیر ساتھی کے ساتھ ہو تو وہ زیادہ پر اثر ثابت ہوتی ہے۔

"اور اس دوران خود کے ساتھ مہربان رہنا۔یاد رکھو، انسان چاہے جتنا بھی مضبوط ہو، زندگی کی غیر متوقع تبدیلیات اور انکشافات اسے متاثر کر سکتی ہیں۔اہم بات یہ ہے کہ ہم ان سے سیکھیں اور آگے بڑھیں"۔وہ نرم سی آواز میں اسے سمجھا رہی تھی۔فاطمہ نے نرم نگاہوں سے انھیں دیکھا۔یہی وہ پر شفقت انداز تھا جو وہ مِس کر رہی تھی۔

"شکریہ فارحہ! آپ سے باتیں کر کے میں کافی حد تک خود کو پر سکون محسوس کر رہی ہوں"۔ڈاکٹر فارحہ ایک کامیاب سائیکیٹرسٹ تھی۔

"ہم سب انسان ہیں فاطمہ۔اور انسان ہونے کا مطلب ہم محسوس کرتے ہیں، سیکھتے ہیں اور وقت کے ساتھ بڑھتے ہیں۔تو کبھی خود کو ڈیپریس محسوس کرو تو یہ مت سوچنا تم ایک سائیکالوجسٹ ہو یا ایک مضبوط عورت ہو تو تمہاری یہ کیفیت نہیں ہو سکتی۔تم ان سب سے پہلے ایک انسان ہو۔ایک عام انسان۔جو ہر کیفیت سے گزر سکتا ہے"۔۔

فاطمہ کے ہونٹوں پر پہلی بار ایک حقیقی مسکراہٹ ابھری۔

"اللہ کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ بس اس سے ہمیشہ خیر مانگتے رہو۔۔اب تم کام دیکھ لو۔یوں تو میں سارا سنبھال چکی ہوں۔ تم نہ بھی آؤ تو میں ہینڈل کر لونگی"۔۔ڈاکٹر فارحہ کرسی پیچھے دھکیلتی کھڑی ہو گئی۔

"جزاک اللہ آپ نے میری بہت ہیلپ کی ہے"۔۔فاطمہ ایک بار پھر ممنون ہوئی۔ ہسپتال بننے سے اب تک فارحہ اس کے ہر قدم پہ اس کے ساتھ تھیں۔

"آدھا گھنٹہ ہے تمہارے پاس۔ جلدی دیکھ لو۔ پھر ساتھ چلیں گے"۔۔وہ نرم لہجے میں کہتی چلی گئیں۔

"وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ"(والضحیٰ:۵)

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ترجمہ کنزُالعرفان: اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

اچانک ہی اس کے ذہن کے پردوں میں سورہ الضحیٰ کی آیات نمبر ۵ تازہ ہوئی۔ یہ عربک خطاطی بھی فاز کے کمرے میں لگی ہوئی تھی۔ وہ پر سکون ہو گئی۔

زخم چاہے جسمانی ہوں یا جذباتی، انہیں مندمل ہونے کے لیے وقت دینا پڑتا ہے۔ زندگی کے نشیب و فراز کا سامنا کرنا انسانی تجربے کا حصہ ہے۔ اور ہر چیلینج ہمیں مزید مضبوط اور سمجھدار بناتا ہے۔ وقتی طور پر لگتا ہے ہم کمزور ہو گئے ہیں۔ بیکار ہو گئے ہیں۔ لیکن وہ ہمارا ٹوٹ کر جڑنے کا پیریڈ ہوتا ہے۔ ہم وقتی طور پر کمزور ہوتے ہیں، دوبارہ جڑنے کے لیے۔

رات کا دوسرا پہر تھا۔ کراچی کی سڑکیں دن کے ہنگاموں کے بعد اب خاموشی کی چادر اوڑھے ہوئے تھیں۔ کہیں کہیں کھڑے اسٹریٹ لائٹس کی مدھم روشنی زمین پر پیلی لکیر بناتی جا رہی تھی، اور ہلکی ٹھنڈی ہوا عمارتوں کے بیچ سرسراتی پھرتی تھی۔۔ قدموں کی ہلکی چاپ اس خاموشی کو توڑ رہی تھی۔

"تم پھر سے آ گئے؟"۔ چوراہے پر ایک اکیلی سفید چادر میں لپٹی لڑکی کے ساتھ قدم ملاتے ہوئے کسی کے قدموں کی آہٹ ابھری۔ اس لڑکی نے چلتے چلتے گردن موڑی، نظریں تیکھی ہو گئیں۔

"آپ مجھے پہچان گئیں؟"۔ سیاہ آنکھوں میں ہلکی سی چمک تھی۔

"ایک جیسے حلیے میں آؤ گے تو پہچانوں گی ہی۔"

فاطمہ نے کندھے اچکائے اور دوبارہ قدم آگے بڑھا دیے۔ چورنگی کے شور سے دور، اب گلیاں خاموش تھیں، اور اسے گھر تک پیدل جانا تھا۔

"تو آپ کو میرا حلیہ یاد ہو گیا؟"۔ اس کے چہرے پر نقاب تھا، مگر مسکراہٹ اس کی آواز میں چھپی نہیں تھی۔ دکانوں کے شٹر نیچے تھے تو کچھ کھلے ہوئے تھے۔ کہیں کوئی سڑک کنارے چائے کے ہوٹل پر کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

"کچھ دن پہلے تمہارا خیال آیا تھا، ہوا کے جھونکوں کی طرح آئے اور ویسے ہی غائب ہو گئے۔ جنات تو نہیں ہو؟"۔ وہ لاپرواہی سے بولی، مگر اس کی بات پر ساتھ چلتا شخص کھل کر ہنسا، اس زور سے کہ سنسان گلی بھی چونک گئی۔

"اتنی زور سے کون ہنستا ہے؟"۔ فاطمہ رک گئی، غصے سے اسے گھورا۔

"میں انسان ہوں، آپ کی طرح"۔ وہ اس کی پہلی بات کا جواب دیا۔ سیاہ آنکھیں ایک بار پھر مسکرائیں، مگر اب کی باران کا محور فاطمہ کی چادر تھی جو اس کے گرد لپٹی ہوئی تھی۔ سفید چادر۔ چھوٹے چھوٹے گلابی پھول والے۔

"تم میرے پیچھے کیوں آتے ہو؟"۔اس کی آواز میں خفگی تھی، مگر کہیں اندر ایک اور جذبہ بھی سر اٹھا رہا تھا، تجسس۔

دور کہیں کوئی آوارہ کتا بھونکا، پھر خاموشی لوٹ آئی۔

"اگر آپ ہر وقت تنہا نکلیں گی، تو مجھے آنا پڑے گاناں؟"۔آواز گہری تھی۔رات کے سناٹے میں اور بھی گونج دار لگ رہی تھی۔فاطمہ رک گئی۔پلٹی۔غور سے اس اجنبی کو دیکھا۔

"تمہارا مطلب ہے تم مجھے بچانے آتے ہو؟"۔لہجے میں گہری سنجیدگی اتر آئی۔موٹر سائیکل کی آواز خاموشی کو چیرتے ہوئے گزر گئی۔وہ خاموشی سے سر ہلا گیا۔

"تو تم یہ بھی جانتے ہوگے کہ میری شادی ہو چکی ہے؟"۔اس کے لہجے میں غیر محسوس سا طنز ابھرا۔بازو سینے پر لپیٹے، وہ اسے تولتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"جانتا ہوں"۔جواب بغیر کسی توقف کے آیا۔

"تو تب بچانے کیوں نہیں آئے؟"۔اس بار سوال سوچا سمجھا تھا۔جذباتی نہیں، پر سکون، اور اس کے اندر کہیں گہرا دھنسنے والا۔

"میں ہر جگہ بچانے نہیں آسکتا"۔وہ دوبارہ چلنے لگا۔فاطمہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

"اچھا!!!... تو تم ہر جگہ نہیں آ سکتے؟"۔ فاطمہ سر ہلاتے ہوئے ہلکا سا قہقہہ لگا گئی۔ جو فضا میں تحلیل ہو گیا۔۔ ساتھ چلنے والے نے حیرانی سے اسے دیکھا، شاید اس کی ہنسی کی وجہ جاننا چاہتا تھا۔

"دیکھو، تم نے جتنی بھی مدد کی، اس کے لیے شکریہ۔ لیکن اب آئندہ میرے سامنے مت آنا"۔ آواز میں قطعیت تھی، جیسے کوئی حد کھینچ دی ہو۔ چہرے کے تاثرات سنجیدگی میں ڈھل گئے۔ انگلی اٹھا کر وارننگ دی گئی تھی۔

"رات کے اس پہر آپ کا نکلنا محفوظ نہیں ہے"۔ وہ اس کی تنبیہ کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا، لہجے میں فکر کی جھلک واضح تھی۔

"تو اس بات کی فکر میرے شوہر کو ہونی چاہیے، تمہیں نہیں"۔ کچھ سوچ کر اس نے یہ کہا تھا۔

وہ لمحہ بھر کو خاموش رہا۔ نظریں اس کے چہرے پر جمی رہیں، پھر دھیرے سے سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے، اب میں نہیں آؤں گا۔"

فاطمہ کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

''تمہارے لیے یہی بہتر ہوگا''۔ یہ کہتے ہی وہ پلٹ گئی، جیسے کوئی غیر ضروری باب بند کر چکی ہو۔

''ایک آخری سوال کا جواب دیتی جائیں''۔ پیچھے سے آتی آواز نے اسے پھر رکنے پر مجبور کر دیا۔ وہ دوبارہ پلٹی۔ وہ اب بھی وہیں کھڑا تھا، نظریں اسی پر جمی تھیں۔

''آپ نے کہا تھا اگر میں دوبارہ ملا تو آپ میرا نقاب اتاریں گی۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ کیوں؟''۔

فاطمہ کی آنکھوں میں سوچ کے سائے ابھرے، مگر اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

''تمہارے بارے میں میرے ذہن میں کئی سوال ہیں۔ بہت سے شک جو شک تو خیر نہیں ہیں۔ فلحال اس بات کو رہنے دیتے ہیں۔ رہی بات نقاب کی تو اگر میں تمہارا نقاب اتارنے کی کوشش کرتی، تو تم یقیناً مجھے روکنے کے لیے میرا ہاتھ پکڑتے اور فاطمہ کمال ایسا بالکل نہیں چاہتی''۔ وہ باوقار انداز میں کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ اس لمحے اس میں وہی پرانی والی فاطمہ کمال کی جھلک نظر آئی تھی۔ مضبوط، باوقار اور پراعتماد۔ پیچھے کھڑے شخص کی آنکھیں

پھر سے مسکرائیں۔ کہیں دور ایک کار کی ہیڈ لائٹس لمحہ بھر کو گلی میں جھلکیں اور غائب ہو گئیں۔۔

رات گہری ہو چکی تھی، لیکن فاطمہ کے دماغ میں اب دھند کم ہونے لگی تھی۔ ہر قدم کے ساتھ سوالات بھی تھے، اور ان کے جوابات بھی۔ وہ جذباتی کیفیت سے نکل کر ایک نئے زاویے سے سوچنے لگی تھی۔

آج پھر وہی یادیں تھیں۔ شازمہ شاہ اور ان کی یادیں۔ کچھ یادیں زخم کی مانند ہوتی ہیں۔ وقت کے ساتھ مندمل تو ہو جاتی ہیں، مگر ان کے نشان ہمیشہ دل کے دیواروں پر ثبت رہتے ہیں۔

کراچی کا کلفٹن بیچ ہمیشہ کی طرح آج بھی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے، مگر سمندر کی موجوں میں وہی پرانی مستی تھی۔ پانی پر سورج کی آخری روشنی یوں بکھری ہوئی تھی جیسے کسی نے سونے کے ذرات بکھیر دیے

ہوں۔نرم ریت پر پاؤں دھنسنے کا احساس، ہوا میں نمکین خوشبو،اور سمندر کے کنارے ٹہلتے لوگوں کی سرگوشیاں۔

یہاں ہر چیز وقت کے بہاؤ کو روک دیتی تھی، یا شاید صرف شازمہ شاہ کو ایسا محسوس ہو رہا تھا۔وہ اپنے شریکِ حیات کے ساتھ ننگے پاؤں چل رہی تھی،اور ان کی گود میں تین ماہ کا وہ پیارا سا بیٹا تھا جو ان کی دنیا بدل چکا تھا۔اس کی چھوٹی سی ناک، ننھے ہاتھ اور ماں جیسے گہرے نقوش۔۔مگر رنگت باپ جیسی گندمی تھی۔

شازمہ نے رک کر سمندر کی جانب دیکھا۔سامنے حدِ نظر تک نیلا سمندر پھیلا ہوا تھا، گہرے نیلے پانی پر سرخ اور سنہری روشنی کے عکس لہروں کے ساتھ جھوم رہے تھے۔دور کہیں اونٹ کی گھنٹیاں بج رہی تھیں، کچھ بچے ہوا میں رنگ برنگی پتنگیں اڑا رہے تھے۔

"عجیب بات ہے نا؟"۔وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔"ہم زندگی بھر بھاگتے رہتے ہیں، لیکن سمندر کے پاس آ کر سب کچھ تھم جاتا ہے"۔

"سمندر کی یہی خاص بات ہے۔یہاں شور کے بیچ بھی سکون چھپا ہوتا ہے۔شاید اسی لیے لوگ اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں"۔ مسکراتے ہوئے بیوی اور بیٹے کو دیکھا، پھر

سامنے سمندر پر نظریں جما کر بولے۔شازمہ شاہ نے جھک کر اپنے ننھے بیٹے کا گال چوما، جو معصومیت سے اپنی مٹھی بند کیے ہوا میں ہاتھ مار رہا تھا۔

”آپ ہمیں کب ملوائیں گے سب سے ؟“۔شازمہ نے آہستہ سے سوال کیا۔اس کے لہجے میں ایک ان کہی اداسی چھپی تھی۔

”بہت جلد“۔انہوں نے پیار سے اس کے کندھے پر بازو رکھا اور آگے بڑھنے لگے۔

دور کہیں روشنیوں سے جگمگاتے کلفٹن کے ساحل پر بنے قدیم بنگلوں کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔وقت بدلا، شہر پھیلا، مگر کلفٹن کی شاموں کی خوبصورتی آج بھی ویسی ہی تھی۔

شام کی روشنی مدھم ہو چکی تھی، اور مصطفیٰ مینشن کے مکین اس پُر رونق محفل میں دل کے غم چھپائے مسکرا رہے تھے۔دنیاداری بھی نبھانی تھی۔ایک بڑی بزنس فیملی کے مینشن میں ہونے والی یہ انگیجمنٹ پارٹی کافی شاندار تھی۔ہر طرف خوشبو بکھیرتے پھول، جگمگاتی لائٹس اور نرم دھنوں پر چلتی ہلکی موسیقی ماحول کو جادوئی بنا رہی تھی۔

ماریہ ایک گوشے میں کھڑی تھی، خاموش اور اداس، جیسے روشنیوں کے ہجوم میں تنہا کوئی دیا ہو۔ آسمانی رنگ کے مشرقی لباس میں ملبوس، جس کی ہلکی سنہری کڑھائی روشنی میں جھلمل کر رہی تھی۔ اس کے کندھوں پر بڑے سلیقے سے رکھا دوپٹہ، کلائیوں تک آتی آستینوں والی لمبی قمیض، سبھی اس کے باوقار انداز کی گواہی دے رہے تھے۔

"کیسی ہیں، ماریہ آپ؟"۔ اچانک ارمان کی بھاری، نرم آواز نے اس کی خاموشی توڑ دی۔ وہ اپنی سوچوں کی دنیا سے نکلی اور مسکرا کر اسے دیکھا۔

ارمان سرمئی ٹی شرٹ کے اوپر سیاہ رنگ کی بلیزر اور سیاہ جینز میں ملبوس تھا، جس کے نیچے اس نے وائٹ ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس کی کلائی پر بندھی گھڑی، ہلکی داڑھی اور جیل سے سلیقے سے سیٹ کیے ہوئے بال، سبھی کچھ اسے منفرد بنا رہے تھے۔

"میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟"۔

"اداس لگ رہی ہیں؟"۔ اس نے سوال کے جواب میں سوال کیا۔

"جی... آج پہلی بار فاطمہ اور احسن کے بغیر کسی پارٹی میں آئی ہوں"۔ وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی، مگر اس کی آنکھوں میں اداسی واضح تھی۔

"ایک بات پوچھ سکتا ہوں؟"۔ ماریہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ سنجیدہ تھا۔

"جی، پوچھیں"۔

"فاطمہ کو آپ کے گھر میں کوئی پسند نہیں کرتا، پھر آپ دونوں بھائی اس سے اتنی محبت کیوں کرتے ہیں؟"۔ارمان کی نظریں اس کے چہرے کا ہر تاثر پڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"مجھے خود نہیں معلوم، بس مجھے وہ اپنی سگی بہن کی طرح لگتی ہیں۔گھر والوں نے بہت کوشش کی کہ میں ان سے دور ہو جاؤں، مگر میں ان کے مزید قریب ہوتی چلی گئی۔شاید فاطمہ میں کشش ہی ایسی ہے کہ جو بھی انہیں جانتا ہے،ان کا گرویدہ ہو جاتا ہے"۔وہ بولی تو اس کی آنکھوں میں چمک آئی۔وہ ہنستے ہوئے بولی۔دھیمے سروں میں۔اور یہ منظر بے حد خوبصورت تھا۔کسی کے دل نے اعتراف کیا۔

"فاطمہ کے بابا اب تک نہیں آئے؟"۔۔کچھ فاصلے پر موجود شمائلہ اور ریحانہ بیگم نے ان دونوں کو تیز نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"نہیں، مجھے لگتا ہے کہ انہیں پوری بات معلوم بھی نہیں"۔اس نے سادگی سے کہا اور دوپٹہ درست کرنے لگی۔

"گھر میں ان کے بارے میں کوئی بات نہیں کرتا؟"۔ایک اور سوال۔

''بس سنا ہے کہ بڑے تایا شاید آنے والے ہیں، باقی میرے سامنے کوئی ذکر نہیں ہوتا''۔ بولتے بولتے ماریہ رک گئی، نظریں اٹھا کر غور سے ارمان کو دیکھا۔

''کیا ہوا؟''۔ ارمان نے حیرت سے پوچھا۔

''آپ مجھ سے معلومات اکھٹی کر رہے ہیں؟''۔ وہ مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''واٹ؟ میں کیوں کروں گا؟ اس بورنگ پارٹی میں آپ کے ساتھ کمپنی انجوائے کرنے آیا تھا۔ اس موضوع کے علاوہ کیا بات کروں؟''۔ وہ کچھ ناراضگی سے بولا۔ ماریہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

''میرے کہنے کا مطلب وہ نہیں تھا...''۔ وہ جلدی سے بولی۔ اس کے چہرے پر ندامت کے آثار تھے۔

''اٹس اوکے، اب مجھے نکلنا ہے، خدا حافظ''۔

''آپ ناراض ہو کر جا رہے ہیں؟''۔ اس کے پلٹتے ہی وہ تیزی سے بولی۔ ارمان رک گیا۔

''کیا میرا ناراض ہونا نا ہونا آپ کے لیے معنی رکھتا ہے؟''۔ وہ پلٹا اور دو قدم قریب آیا۔ ماریہ کی نظریں ایک لمحے کو اس کے چہرے پر جم گئیں۔

''ہاں''۔

''کیوں؟''۔

''آپ نے میری اتنی مدد کی ہے، میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ ناراض ہوں، اس لیے''۔ وہ نروس ہو رہی تھی۔ بار بار اپنے بال پیچھے کرنے لگی۔

''ناراض نہیں ہوں، بس ضروری کام ہے، ڈونٹ وری''۔ ارمان نے ایک نظر اس کے الجھے چہرے پر ڈالی اور ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے نکل گیا، اور ماریہ اپنی تیز دھڑکنوں کو قابو میں لانے کی کوشش کرنے لگی۔

ہفتہ بیت چکا تھا۔ پورے تین مہینے بعد اس کے بابا واپس آرہے تھے۔ بابا سے اس کی کل بات ہوئی تھی۔ دل میں بے چینی، آنکھوں میں انتظار، اور دماغ میں سوالوں کا ہجوم تھا۔ وہ بیتاب تھی بابا سے ملنے کے لیے۔ اس نے اپنے کمرے کا دروازہ لاک کیا، ہلکی روشنی میں بیڈ پر بیٹھ گئی، اور موبائل ہاتھ میں لے کر ماریہ کو کال ملائی۔ کھڑکی سے دوپہر کی دھوپ کمرے کے اندر آرہی تھی۔ جس میں ہلکی سی سنہری چمک تھی۔

''السلام علیکم، کیسی ہو؟''۔۔ باہر آسمان نیلا اور شفاف تھا۔

”وعلیکم السلام، ٹھیک ہوں، تم سناؤ؟“۔دوسری طرف سے ماریہ کی آواز نرم مگر فکر مند تھی۔ مختصر بات چیت کے بعد وہ اصل مدعے پر آ گئی۔

”ماریہ، یہ شخص کہتا کچھ ہے اور کرتا کچھ۔ مجھے یقین ہے کوئی بات ایسی ہے جو اس نے مجھ سے چھپائی ہوئی ہے“۔اس کی آواز دبیز اور مدھم تھی، جیسے وہ اپنے ہی اندر کسی الجھن میں گرفتار ہو۔

”فاطمہ! آپ یہ سب فون پر کیسے کہہ سکتی ہیں؟“۔ماریہ کی آواز میں اضطراب چھلک پڑا۔وہ کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگی۔

”پریشان مت ہو، میں نے اسے کسی سے بات کرتے سنا تھا۔شاید اس کا کوئی قریبی تھا۔وہ صرف مجھے خوفزدہ کرنے کے لیے کہہ رہا تھا کہ میری کال ریکارڈ ہو رہی ہے، لیکن اس نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے“۔وہ گہری سانس لیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ کمرے کی کھڑکی سے ٹھنڈی ہوا اندر آ رہی تھی۔

اچانک ہی باہر آسمان پر بادلوں کے پیچھے سورج چھپنے اور نکلنے کا کھیل کھیلنے لگا تھا۔

”اوہ... شکر! یہ بتائیں، آپ کو ایسا کیوں لگ رہا ہے؟“۔ماریہ صوفے پر بیٹھ گئی،اس کی پریشانی میں کمی تو آئی لیکن سوال باقی تھے۔

''اس نے نکاح اسی لیے کیا تھا کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے، لیکن ماریہ، جب بھی وہ مجھے دیکھتا ہے، اس کی نظر بس سرسری ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ ایک گینگسٹر ہے، لیکن اس کے رویے میں گینگسٹر والی کوئی بات نہیں۔ چوبیس گھنٹوں میں بمشکل ایک دو گھنٹے میرے سامنے ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ مجھے یہاں کسی اور مقصد کے تحت لایا ہے''۔ اس کی آواز دھیمی تھی۔

''تو مطلب وہ برا انسان نہیں ہے؟''۔ ماریہ نے گہری سوچ میں سر جھکایا، پھر بولی۔

''مجھے نہیں معلوم وہ اچھا ہے یا برا۔ لیکن وہ میرے ساتھ ہمیشہ اچھے سے پیش آیا ہے''۔ وہ ٹھہر ٹھہر کر کہہ رہی تھی۔ آنکھوں کے سامنے پچھلے ہفتے کی شام کا منظر آیا۔ کافی کا وہ کپ، جو فاز کے ساتھ پی تھی۔ پھر فاز کا کہا گیا وہ جملہ "وہ خوفزدہ تھیں، پریشان تھیں، میں بس ان کا مائنڈ فریش کرنا چاہتا تھا''۔

کچھ لمحے خاموشی میں بیت گئے۔ باہر دور کہیں کسی گلی سے بلی کی میاؤں میاؤں کی آوازیں آ رہی تھی۔

''کیا سوچا ہے آپ نے؟ فاطمہ، آپ رہی ہیں؟''۔ ماریہ کی آواز نے اسے حال میں واپس کھینچا۔

"ہاں"۔اس نے سر اٹھایا، آنکھوں میں ایک نئی روشنی چمک رہی تھی۔"میں اس پر نظر رکھوں گی، اس کی باتیں، اس کے ہر قدم کو دیکھوں گی۔ کوئی نہ کوئی سرا ضرور ہاتھ لگے گا"۔

اس کی آواز میں عزم تھا۔

"یہ ہوئی نا بات! خوشی ہوئی کہ آپ دوبارہ فاطمہ کمال بن رہی ہیں"۔ماریہ مسکرائی۔

فاطمہ نے کھڑکی سے جھانکا۔ سورج بادلوں کے پیچھے سے نکل کر اب مکمل روشن ہو چکا تھا۔

"میں احسن اور ابراہیم کو بھی ڈھونڈ نکالوں گی"۔اس کے لہجے میں یقین تھا، آنکھوں میں ایک چمک تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

جناح انٹرنیشنل ایئرپورٹ سے نکلتے ہی گاڑی روشنیوں کے شہر میں سرپٹ دوڑ رہی تھی۔ سورج ڈھل چکا تھا، لیکن کراچی کی رات جاگ رہی تھی۔ بلند و بالا عمارتوں کے درمیان سڑک پر گزرتی گاڑیاں، دکانوں کے جگمگاتے بورڈ، اور سڑک کنارے کھڑے Sakura ٹھیلے۔ سب اپنی اپنی کہانیوں میں گم تھے۔ گاڑی کراچی کے مہنگے ترین ریسٹورنٹ کے سامنے آکر رک گئی۔

ریسٹورنٹ کی بیرونی دیوار سیاہ ماربل سے چمک رہی تھی۔ گولڈن حروف میں جگمگاتا نام آنکھوں کو بھلا معلوم ہو رہا تھا۔اس کے قریب ہی ایک ہلکے گلابی رنگ کا "Sakura" لکھا ہوا تھا۔اس "Sakura" سائن بورڈ نصب تھا، جس پر نہایت خوبصورت فونٹ میں " کے آس پاس سفید اور گلابی پھول سجے ہوئے تھے، جو ایک خوشگوار احساس پیدا کر رہے تھے۔ سرخ قالین سیڑھیوں تک پھیلا ہوا تھا، اور آخر میں ایک شفاف براؤن لکڑی کا دروازہ، جس پر چمکتا ہوا سنہری ہینڈل لگا تھا۔

دروازہ کھلا، اور وہ کوٹ کے بٹن کھولتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ اندر کی دنیا بھی سیاہ رنگ کے سحر میں قید تھی۔ سیاہ اور سفید کرسیوں پر مہذب گاہک بیٹھے تھے، چھت پر لٹکتے فانوسوں کی روشنی ہر شے کو کسی خواب کی مانند چمکا رہی تھی۔ ہر گوشہ خاموشی اور نزاکت کی گواہی دے رہا تھا۔

کونے کی ایک میز پر فاز عالم عرف وائے ڈی بیٹھا تھا۔ ایک گہری سوچ میں مگن، اس کی آنکھیں کسی گہرے راز کی عکاسی کر رہی تھیں۔ وہ تیز قدموں سے اس کی جانب بڑھے۔ فاز ان کے آتے ہی کھڑا ہوا۔ اور ان کے بیٹھتے ہی وہ بھی بیٹھ گیا۔

”بالآخر آپ تین ماہ بعد پاکستان واپس آہی گئے“۔فاز نے پرسکون مسکراہٹ کے ساتھ بات کا آغاز کیا

”تم چاہتے کیا ہو؟“۔انہوں نے سخت تاثرات کے ساتھ ایک سیدھا سوال داغا۔فضا میں کافی کی خوشبو بکھری ہوئی تھی۔ادھر اُدھر لوگ اپنی دنیا میں مگن تھے، کھلکھلاہٹیں، ہلکی موسیقی، چمچوں کی مدھم آواز، مگر ان کی میز پر ایک طوفان جنم لے رہا تھا۔

”آپ کو سب بتانے کے لیے ہی تو یہاں بلالیا ہے“۔فاز کی آواز میں سکون تھا۔

”فاطمہ کو کیوں ٹریپ کیا؟“۔غصے میں مٹھی بھینچتے ہوئے وہ برہم ہوئے۔

”آپ نے فاطمہ سے یہ کیوں چھپایا کہ آپ کے علاوہ اس گھر میں اس کا کوئی سگا رشتہ نہیں؟“۔فاز نے انہیں غور سے دیکھا، جیسے ان کے اندر جھانکنے کی کوشش کررہا ہو۔

”تم یہ پوچھنے والے کون ہوتے ہو؟“۔یہ سن کر کمال مصطفیٰ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔الفاظ ان کے حلق میں اٹک گئے۔کچھ لمحے خاموشی میں بیت گئے، پھر وہ دھیمے مگر سخت لہجے میں بولے۔

”سر، آپ کیا آرڈر کریں گے؟ہاٹ یا کولڈ بیوریجز؟“۔عین اسی لمحے ایک ویٹر ان کے قریب آیا۔

"One simple tea and one mint and lemon tea."

فاز نے ایک نظر ان پر ڈالی اور پھر آرڈر دیا۔

ویٹر اثبات میں سر ہلا کر چلا گیا۔ کمال مصطفیٰ اپنی جگہ ٹھر سے گئے۔ حیرانی سے فاز کو دیکھا، یہ کیسے ممکن تھا؟ ان کی پسندیدہ چائے صرف دو لوگ جانتے تھے۔ تو پھر فاز کو کیسے معلوم تھا؟

"میں سب کچھ جانتا ہوں"۔ فاز نے ان کی آنکھوں میں موجود سوال پڑھ لیا اور ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ یہ سن کر کمال مصطفیٰ نے کندھے ڈھیلے چھوڑ دیے۔

"آپ میرے ساتھ تعاون کریں، مسٹر کمال، یہ ہم تینوں کے لیے بہتر ہو گا"۔ فاز کے لہجے میں کوئی التجا نہیں تھی، بس ایک حتمی فیصلہ تھا۔

"فاطمہ ٹھیک کہتی ہے، تم گینگسٹر نہیں لگتے"۔ کمال مصطفیٰ کے لبوں سے بے ساختہ نکل گیا۔

"فاطمہ نے آپ سے ایسا کہا؟"۔ فاز یہ جملہ سنتے ہی دھیرے سے ہنس دیا۔ آنکھوں میں نیلی آنکھوں والی لڑکی کا عکس جھلکا۔

"تم نے مجھ سے وہ سوال کیوں کیا؟"۔ کمال مصطفیٰ نے بالآخر سنجیدگی سے استفار کیا۔

"کیونکہ آپ کی ساری الجھنیں وہیں سے سلجھنا شروع ہوں گی"۔ فاز کی آنکھوں میں ایک تیز چمک ابھری۔ محیط کا شور، قہقہے، چمچوں اور پلیٹوں کی آوازیں، سب پس منظر میں دب چکے تھے۔

"میں اس کے دل میں سگے سوتیلے کی برائی نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ وہ سب فاطمہ سے محبت کرتے ہیں، اور میرا ابھی ان سے کبھی سوتیلے والا تعلق نہیں رہا"۔

ویٹر نے ان دونوں کے سامنے ان کی چائے رکھ دی۔

"آپ نے کب دیکھا کہ وہ فاطمہ سے محبت کرتے ہیں؟ بمشکل ایک آدھا گھنٹہ؟ ان کے ساتھ تو پورا دن فاطمہ گزارتی تھیں۔ کیا آپ نے فاطمہ سے کبھی پوچھا کہ وہ ان کے ساتھ کیسا محسوس کرتی ہیں؟"۔ ان کی آنکھوں میں دیکھتے وہ جو سوال کر رہا تھا وہ کمال مصطفیٰ کو مزید الجھا رہے تھے۔ انھیں فاطمہ کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔

"تم میرے گھر والوں کے بارے میں اس طرح بات نہیں کر سکتے"۔ اندر کے شور کو دباتے ہوئے وہ سختی سے اسے ٹوکے۔ فاز پیچھے ہوتا مسکرا دیا۔

"کم آن، کمال صاحب۔ آپ کے گھر والوں میں سب سے اہم فاطمہ ہے، اور وہی آپ کی فیملی ممبر ہے۔ آپ کو لگتا ہے کہ میں نے فاطمہ سے زبردستی شادی کی؟"۔ وہ ایک لمحہ کے لیے رکا۔ کمال مصطفیٰ کو غور سے دیکھا۔ جن کی رنگت تبدیل ہو رہی تھی۔

"نہیں، کمال صاحب، آپ کے گھر والے تو انھیں ایک بوجھ سمجھ کر سر سے اتارنا چاہتے تھے۔ کون اپنی بیٹی کو ایک گینگسٹر کے ساتھ بیاہ دیتا ہے؟ چاہے جن حالات میں بھی نکاح ہوا ہو، آپ کے پیارے گھر والوں نے تو ان کے سر پہ ہاتھ تک نہیں رکھا۔ اور وہ مصطفیٰ مینشن کی سربراہ سکینہ بیگم؟"۔ فاز نے ان کا نام لیتے ہی طنزیہ مسکراہٹ سجالی۔ وہ کمال مصطفیٰ کو ان حقیقت سے روشناس کروا رہا تھا جو بہت بھیانک تھی۔ کم از کم کمال مصطفیٰ کے لیے تو۔

"بکواس بند کرو۔ تم میری ماں کا ذکر اس طرح نہیں کر سکتے۔ اپنی لمٹ میں رہو"۔ کمال مصطفیٰ غصے سے غرائے۔ چائے ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ ان چھوئی۔ فاز نے چائے کا کپ پرے کیا اور سکون سے کھڑا ہو گیا۔

"ماں؟ جنہوں نے مجھے خود فون کر کے کہا تھا، آؤ اور اس منحوس لڑکی کو نکاح کر کے لے جاؤ؟ بنا یہ جانے کہ میں کون ہوں، کیا ہوں؟"۔ یہ الفاظ ایک زلزلے کی مانند ان کے اندر

گونج رہے تھے۔ کمال مصطفیٰ بے یقینی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ کیا سکینہ بیگم ایسا کر سکتی تھیں؟

"اور آپ کیسے باپ تھے؟ ادھر انھوں نے کہا میں تمہاری بیٹی کا نکاح کر رہی ہوں اور آپ نے انھیں کرنے دیا؟ اپنی غیر موجودگی میں آپ اس بات کی اجازت کیسے دے سکتے تھے؟ آج کے لیے اتنا کافی ہے۔ فاطمہ سے ملاقات آپ تب ہی کر سکتے ہیں جب آپ یہ سب جان لیں اور قبول کر لیں"۔ یہ کہہ کر فاز میز سے ہٹ گیا۔ کمال مصطفیٰ وہیں ساکت بیٹھے رہ گئے۔

لان میں رات کے کھانے کے بعد ہوا خوشگوار ہو چکی تھی۔ اے آئی ٹہلتے ہوئے کبھی آسمان کی طرف دیکھتا تو کبھی قدموں کی چاپ سنتا۔ چاند کی چاندنی گھاس پر بکھری تھی، ہوا کے ہلکے جھونکے درختوں کے پتوں میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔

"مجھے یاد کر رہے تھے تم؟"۔ اچانک، ایک مانوس سی آواز نے اسے چونکا دیا۔

اے آئی کے قدم رک گئے۔ اس کی پیشانی پہ شکن ابھری۔ اس نے گردن گھما کر ارد گرد دیکھا، مگر کوئی نظر نہیں آیا۔ پل بھر کو خاموشی چھا گئی۔ پھر جیسے کسی خیال کے تحت اس نے

سر اٹھا کر چھجے کی طرف دیکھا، اور اس کے چہرے کے زاویے بگڑ گئے۔ اوپر چھجے پر ایک سایہ تھا۔ وہاں کھڑا اپنے نیچے جھانک رہا تھا۔ ہلکی روشنی میں چمکتی آنکھیں، ہونٹوں پر شرارتی مسکان تھی۔

''مراد؟''۔ اس کے لہجے میں حیرت اور خفگی دونوں تھیں۔ ''کیا کر رہے ہو تم یہاں؟''۔ اے آئی نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

مراد نے محض مسکرا کر جواب دیا، پھر ایک ماہر جمپ کے ساتھ نیچے اترا۔ اس کی لینڈنگ بے حد پرفیکٹ تھی۔

''اطلاع ملی تھی کہ تم مجھے یاد کر رہے ہو''۔ ہاتھ جھاڑتے ہوئے وہ سیدھا ہوا اور شرارت سے گویا ہوا۔

اے آئی نے گہری سانس لی، جیسے خود کو صبر کی تلقین کر رہا ہو۔ پھر، جیسے کچھ سوچ کر لان کے ایک گوشے میں لگے لکڑی کے بینچ کی طرف اشارہ کیا۔

''آؤ، اس طرف چلتے ہیں''۔ مراد نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور اس کے ساتھ چلنے لگا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"تم سیدھے طریقے سے نہیں آسکتے تھے؟"۔ جیسے ہی وہ دونوں بیٹھے، اے آئی نے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"سر نے کہا تھا کہ اسی طرح جا کر تم سے ملاقات کرنی ہے"۔ مراد نے لبوں پر ہنسی دبائی اور کندھے اچکا کر کہا۔

"ایک تو تم اور تمہارے سر! ویسے، وہ خود ہے کہاں؟"۔ اے آئی نے تاسف سے کہتا سر پیچھے جھکا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔

"وہ ایک میٹنگ میں مصروف ہیں"۔ مراد نے ذرا مسکین سا منہ بنایا۔ جیسے وہ کچھ چھپانا چاہ رہا ہو۔ پھر دھیمی آواز میں بولا۔ یہ سنتے ہی اے آئی سیدھا ہوا، چہرے پر اچانک شرارتی چمک آگئی۔

"اوہ! تو سسر جی سے ملاقات ہو رہی ہے؟"۔ اس کے ہونٹوں پر شریر مسکراہٹ تھی۔ مراد ہنس دیا۔

"سر کو تنگ مت کرنا ورنہ گردن مروڑ دینی ہے میری۔ سر نے خاص تاکید کی تھی کہ تمہیں نہ بتاؤں"۔۔ مراد مصنوعی سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولا۔

”تنگ نہ کروں ؟ ابھی تو مزہ آنے لگا ہے ! فاطمہ کے آنے سے بندہ اتنا چینج ہو رہا ہے۔ اتنا زبردست موقع ہاتھ سے جانے دے دوں ؟“۔ اے آئی نے قہقہہ لگایا، پھر آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ فاز کے لیے اس کے لہجے میں محبت صاف محسوس کی جاسکتی تھی۔

”مراد، تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ خیر، ابھی تو گھر پر کوئی نہیں ہے، لیکن پھر بھی...“۔ اے آئی اچانک متفکر ہو گیا۔

”ڈونٹ وری ! میں اتنے دنوں سے غائب تھا کیونکہ سر نے مجھے ایک خاص کام پر لگایا ہوا تھا“۔ مراد نے اطمینان سے کندھے جھٹکے اور اعتماد سے کہا۔

”کیا؟“۔ اے آئی نے بھنویں اٹھائیں۔

”اس گھر کے مالک کا اعتماد حاصل کرنے کا۔ اور میں اس میں کامیاب ہو چکا ہوں“۔ یہ کہتے ہی مراد نے فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔ اے آئی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”مراد... مطلب تم... اوہ مائی گاڈ... فاز عالم واقعی سمجھ سے باہر ہے“۔ وہ بے ساختہ ہنسا۔

"ہم اپنے مشن کے بے حد قریب ہیں"۔ مراد نے پُراعتمادی سے اسے دیکھا۔ اے آئی کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ آسمان پر چمکتے ستارے بھی جیسے اس راز کو جان کر مزید چمک اٹھے تھے۔

صبح کی روشنی دھیرے دھیرے کھڑکیوں سے اندر آ رہی تھی۔ ڈائننگ ٹیبل پر ہر چیز ترتیب سے رکھی تھی۔ گرما گرم پراٹھے کی خوشبو فضا میں گھلی ہوئی تھی، جیم کی مٹھاس، چائے سے اٹھتی بھاپ، تلے اور ابلے ہوئے انڈے کی مدھم سی مہک ہلکی سی حرارت کے ساتھ فضا میں تحلیل ہو رہی تھی۔ مگر فاطمہ کا دھیان کسی اور طرف تھا۔ وہ میز پر رکھی پلیٹ کو نظرانداز کیے، سامنے بیٹھے فاز کو گھور رہی تھی۔ جو خلاف توقع آج گھر پہ تھا اور پرسکون انداز میں ناشتہ کر رہا تھا۔ دوسری طرف فاطمہ کی پلیٹ خالی تھی۔ وہ چمچ ہاتھ میں لیے بیٹھی تھی۔

"بابا پاکستان آ گئے ہیں، تم ہمیں ملنے کیوں نہیں دے رہے؟"۔ فاطمہ نے غصے میں آ کر ایک گہری سانس لی اور پھر بے چینی سے بولی۔

"ناشتہ کریں، پھر بات ہوگی"۔ فاز نے پراٹھا توڑ کر چائے میں ڈبویا، پھر سکون سے منہ میں رکھتے ہوئے چبایا۔

"مجھے کچھ نہیں کھانا، بس تم میری بات کا جواب دو"۔۔ اس نے چمچ پلیٹ میں رکھ دیا۔ پٹخنا کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ پلیٹ اور چمچ کے ٹکرانے کی آواز اس سکون بھری خاموشی میں خلل ڈال گئی۔

"لیکن مجھے کھانا ہے۔ اور میں کھانے کے دوران گفتگو پسند نہیں کرتا"۔۔ اس نے نرمی مگر قطعی انداز میں جواب دیا۔ پراٹھے ایک اور توڑ کر اب کی بار تلے ہوئے انڈے کے ساتھ کھایا۔

"تم ہمیشہ اپنی مرضی کرتے ہو"۔۔ اس نے تلملاتے ہوئے ابلا ہوا انڈہ اپنی پلیٹ میں رکھا۔ اور چھری کانٹے سے کھانے لگی۔ فاز نے لمحہ بھر کو نظریں اُٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر نرمی سے سر جھٹک دیا۔ دل و دماغ میں خیال سا ابھرا 'بر گر بچے'!

فاز کا تعلق اعلیٰ خاندان سے تھا، مگر اس کی روایات میں وہ سادگی تھی جو عرصے سے چل رہی تھی، اور جو اسلامی طریقوں سے ہم آہنگ تھی۔ وہ کبھی بھی چمچوں سے کھانے کے بجائے ہاتھ سے کھانے کو ترجیح دیتا تھا، کیونکہ ہاتھ سے کھانے جو راحت ملتی ہے وہ چمچوں

کانوں میں نہیں۔ ناشتہ مکمل کرتے ہی وہ کرسی پیچھے سرکاتا اٹھ کھڑا ہوا۔ فاطمہ نے بھی جھٹکے سے پلیٹ کھسکائی اور اس کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ فاز نے پلیٹ پر نظر ڈالی تو آدھ کھایا انڈہ دیکھا، جو اُس نے درمیان میں چھوڑ دیا تھا۔

"کسی نے مجھ سے بہت بحث کی تھی حلال و حرام پر، اور پھر یہ بھی کہا تھا کہ میں بہت گناہ گار ہوں۔ خود کو انھوں نے صوم و صلوٰۃ کی پابند بھی مانا تھا، لیکن شاید انھیں نہیں معلوم تھا کہ رزق ضائع نہیں کرتے"۔ دھیمی آواز میں وہ سنجیدگی سے بول رہا تھا، نظریں پلیٹ پر جمائے ہوئے۔ فاطمہ کا دل ایک لمحے کے لیے رک سا گیا۔

"زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں ہے، سمجھے؟ میں ناشتہ تم سے بات کرنے کے بعد ٹھیک سے کروں گی۔ مجھ پر سوال مت اٹھانا آئندہ"۔ فاطمہ کا چہرہ تپ گیا۔ لیکن اندر کہیں وہ شرمندہ ہوئی تھی۔ کیونکہ اس کا دوبارہ ناشتہ کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ اس کی بات پر فاز نے ایک نظر اس پر ڈالی، پھر بنا کچھ کہے آگے بڑھ گیا۔

"کیا مسئلہ ہے؟ تم میری بات سنتے کیوں نہیں؟"۔ اس کے پیچھے لپکی، اسٹڈی کے دروازے کو تیزی سے کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔ فاز ابھی تک اپنی چیزیں اٹھا رہا تھا۔

"کب سے آپ کی ہی تو سن رہا ہوں"۔ وہ بڑبڑایا، اور ایک دراز سے باکس نکالتے ہوئے سیدھا کھڑا ہوا۔

"آپ کے والد آپ سے ایک دو دن میں خود آ کر مل لیں گے"۔ اسے دیکھ کر کہا، پھر ایک نظر اس پر ڈالی اور لیپ ٹاپ اُٹھا کر بیگ میں ڈالنے لگا۔ فاطمہ نے اس کی بات پر سکون محسوس کیا۔ اسے کوئی مسئلہ نہیں تھا بابا کے آنے سے، اور اب وہ انہیں یہاں آنے کا کہے گی۔

"فاریہ ہاشم مجھ سے ملنا چاہتی ہے"۔ فاطمہ نے کچھ دیر خاموش کھڑے رہنے کے بعد یہ بات کی۔

"آپ سے؟ کیوں؟"۔ فاز چونک کر اس کی طرف مڑا، پھر سوال کیا۔

"پتہ نہیں، کل رات میں اس کی کال آئی تھی، بس یہی کہا کہ مجھ سے ملنا چاہتی ہے"۔ فاطمہ نے کندھے اُچکائے، گویا اسے اس بات کا کوئی علم نہ تھا۔

"اوہ ہاں، فاریہ نے مجھ سے نمبر لیا تھا، لیکن یہ نہیں بتایا کہ آپ سے ملنا ہے۔ خیر آپ انھیں یہاں آنے کا کہ دیں گا۔ میں ایڈریس سینڈ کر دوں گا"۔ فاز نے اسے بتایا، اور پھر فاطمہ سر ہلاتی ہوئی چلی گئی۔

اس کے جاتے ہی فاز نے باکس کھولتے ہی اندر سے ایک ہائپر-رئیلسٹک پروستھیٹک ماسک نکالا اور آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر چہرے پر جمایا۔ماسک فوری طور پر جلد میں گھل گیا۔کوئی جوڑ یا لائن دکھائی نہ دی۔اگلے ہی لمحے،اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی تھی۔وہی نقوش، مگر ہلکی سنہری جھلک کے ساتھ، جیسے روشنی کے زاویے نے اسے مکمل طور پر تبدیل کر دیا ہو۔کوئی بھی اسے چھو کر محسوس نہیں کر سکتا تھا یہ مصنوعی جلد ہے۔بھوری آنکھیں لینز کے پیچھے چھپ گئیں،اور ایک لمحے میں وائے ڈی سے بدل کر وہ دوسرے شخص کا روپ اختیار کر چکا تھا۔اب وہ کوئی اور تھا۔نہ ہی فاز عالم اور نہ وائے ڈی۔یہ وہ فاز تھا جو باہر نکل کر اپنے آپ کو ایک الگ شخص کے روپ میں ڈھال لیتا تھا کہ کوئی اس کے گھر تک نہ پہنچ سکے۔

وہ گھر سے نکلتے ہی ہجوم میں تحلیل ہو گیا۔لوگ سمجھتے تھے کہ اس کی زندگی آسان ہے، مگر حقیقت میں یہ سب کرنا کسی جنگ سے کم نہ تھا۔آج بھی،اس نے احتیاط سے وہی پرانا راستہ اپنایا۔رش والی جگہ پر پہنچ کر بھیڑ میں گم ہو جانا، پھر سنسان گلی میں جا کر گاڑی میں بیٹھنا، جہاں مراد اس کا انتظار کر رہا ہوتا تھا۔اور آخر میں، گاڑی کے اندر دوبارہ روپ بدل کر وہی وائے ڈی کا ناقابلِ شناخت چہرہ اختیار کر لیتا۔اب وہ مینشن جانے کے لیے تیار تھا، مگر

اس کی اصل پہچان ہمیشہ کی طرح پردے میں رہنے والی تھی۔اور اب وہ وائے ڈی بن کر مینشن جانے کے لیے تیار تھا۔اس احتیاط کا واحد مقصد فاطمہ کی حفاظت تھا۔وہ اکیلا ہوتا تو اسے دشمنوں کا کوئی ڈر نہ ہوتا۔وہ اب اس دنیا میں داخل ہو چکا تھا۔جہاں فاز کی نہیں صرف مسٹر عالم عرف وائے ڈی کی پہچان تھی۔

ماریہ ابراہیم دادی سکینہ کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔چائے پیتے ہوئے وہ اپنا موبائل وہیں بھول آئی تھی۔اب لینے جا رہی تھی۔دروازے کے قریب پہنچ کر وہ ٹھٹکی۔ہلکی مگر دبیز سرگوشیاں سنائی دے رہی تھیں۔لبوں میں دبی باتیں، جن کے الفاظ تو مکمل سنائی نہیں دے رہے تھے۔اس نے دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا، مگر انگلیاں ہوا میں ہی معلق رہ گئیں آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں، دل کی دھڑکن جیسے سینے کی دیواروں سے سر ٹکرانے لگی۔

اور پھر...

جو الفاظ کانوں میں اترے، انھوں نے اندر کچھ ٹوٹنے کی آواز پیدا کر دی۔قدم پیچھے ہٹے، دل نے جیسے اعتراف سے انکار کر دیا۔مگر جو سچ وہ سن چکی تھی، اس سے مفر ممکن نہ

تھا۔ آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے، گھبراہٹ میں اس نے ایک نظر دروازے پر ڈالی، پھر تیزی سے پلٹی اور لرزتے قدموں کے ساتھ دوڑتی ہوئی راہداری پار کرنے لگی۔ فاطمہ کے پورشن تک پہنچتے پہنچتے سانسیں بوجھل ہو چکی تھیں۔ مگر عین دروازے سے پہلے، ایک اور کمرے کا دروازہ نیم وا تھا۔ ماریہ نے بے اختیار اندر جھانکا اور بنا سوچے دستک دیے بغیر اندر چلی آئی۔ کمال مصطفیٰ لیپ ٹاپ پر جھکے تھے۔ جیسے ہی انھوں نے اسے اس حالت میں دیکھا، پریشانی سے فوراً کھڑے ہو گئے۔

"بیٹا؟ خیریت؟"۔ وہ حیران تھے، مگر ان کی آواز میں بے ساختہ نرمی تھی۔ ماریہ نے کوئی جواب نہ دیا، بس تڑپ کر آگے بڑھی اور ان کے سینے سے جا لگی۔

"بڑے تایا"۔ اس کی ہچکیاں ماحول میں پگھلنے لگیں۔ کمال مصطفیٰ نے نرم ہاتھوں سے اس کے سر پر شفقت بھری تھپکی دی، اسے نرمی سے تھاما اور صوفے پر بٹھایا۔

"بیٹا، کسی نے کچھ کہا؟ کسی نے ڈانٹا ہے کیا؟"۔ انھوں نے جلدی سے جگ سے پانی نکالا اور اس کے لرزتے ہاتھوں میں تھمایا۔ ماریہ نے دو گھونٹ لیے، پھر گلاس لرزتے ہاتھوں سے پرے رکھ دیا۔

"بڑے تایا، مجھے کچھ بتانا ہے..."۔

"کہو بیٹا کیا بتانا ہے؟"۔ کمال مصطفیٰ قریب آ بیٹھے۔ ان کی آنکھوں میں تشویش کے سائے تھے، مگر لہجہ اب بھی وہی مہربان۔

ماریہ نے پل بھر کو دروازے کی طرف نظر دوڑائی، جیسے یقین کر رہی ہو کہ کوئی اور تو نہیں۔ پھر نظریں جھکائیں، لب کانپے، اور وہ دھیرے دھیرے ان سچائیوں سے پردہ اٹھانے لگی، جو برسوں سے خاموشی کے گہرے پردوں میں دفن تھیں۔

یہ رات صرف آنسو بہانے کی نہیں تھی، یہ رات آگاہی کی تھی۔ یہ رات ان بھیدوں کے آشکار ہونے کی تھی جنھیں ہمیشہ چھپایا گیا تھا۔

دادی سکینہ نے گردن سیدھی کی، آنکھوں میں وہی ٹھہراؤ مگر لہجے میں سختی در آئی تھی۔

"کمال آگیا ہے، اب سب ہوشیار رہو۔ اسے ایک لفظ کا بھی اندازہ نہیں ہونا چاہیے"۔ ان کی نظریں سامنے بیٹھے افراد پر گڑی تھیں۔ بڑی تائی کا دل بے چینی سے دھڑک اٹھا۔ وہ گھبرا کر آگے کو جھکیں۔

"اگر فاطمہ نے ان سے رابطہ کر لیا؟ اور اگر.... اگر وہ سچ کہہ بیٹھی کہ یہ نکاح ہم نے زبردستی کروایا ہے؟"۔ ان کے چہرے پر خوف کی لکیر ابھری۔ وہ جانتی تھیں، اس گھر کی باگ ڈور کمال مصطفیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ ان سب سے متنفر ہو گئے تو ان کا کیا بنے گا؟

"کمال کو مجھ پر پورا یقین ہے۔ میں نے اسے یہی بتایا تھا کہ وہ خود اس لڑکے کے گھر گئی تھی، اور جب واپس آئی، تو اپنی غلطی تسلیم کرنے کے بجائے اسی سے نکاح کرنے کی ضد پر اڑ گئی"۔ دادی سکینہ نے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ سجالی، ایک ایسی مسکراہٹ جو اعتماد سے لبریز تھی۔

"کمال ایک غیرت مند باپ ہے، وہ کبھی پلٹ کر اس کی طرف نہیں دیکھے گا"۔ انہوں نے ٹھہر کر ان سب کی طرف نگاہ دوڑائی، پھر سنجیدگی سے بولیں۔ کمرے میں پل بھر کے لیے خاموشی پھیل گئی۔

"اماں، ہمارا مقصد فاطمہ سے جان چھڑانا تھا، وہ تو ہو چکا۔ اب کاغذات کب لیں گی کمال سے؟"۔ علی تایا بے صبری سے آگے کو جھکے، ان کی آنکھوں میں لالچ چمک رہا تھا۔ ابراہیم چچا نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔ دونوں کی نظریں دادی سکینہ پر تھیں۔

''صبر رکھو، تمہاری اماں کا غذات بھی لے لے گی۔ یہ سب کچھ تم لوگوں کا ہی ہے''۔ان کے لہجے میں یقین تھا۔فاطمہ کمال انھیں پسند تو شروع سے نہیں تھی۔ لیکن کھٹکنے تب سے لگی، جب وہ کمال مصطفی سے کہ کر 'ناز ہسپتال' کی بنیاد رکھائی تھی۔اور اب اس پورے ہسپتال پر ملکیت صرف فاطمہ کمال کی تھی۔

ان کا ذہن کسی اور زمانے میں جا چکا تھا، جہاں ماضی کی تلخ یادیں ابھی بھی جل رہی تھیں۔وہ زخم، جو وقت کے ساتھ بھرنے کے بجائے مزید گہرے ہو گئے تھے۔اور انہی زخموں کی آگ میں وہ ہر رکاوٹ، ہر شخص کو جلا کر راکھ کرنے کے لیے تیار بیٹھی تھیں۔

رات کی گہری خاموشی میں سچائی کی چیخیں دب نہ سکیں۔ کمرے کی مدھم روشنی میں ماریہ ابراہیم کی بے چین آنکھیں، دکھ کے رنگ لیے کمال مصطفی کو دیکھ رہی تھیں۔وہ شخص، جو ہمیشہ وقار اور ٹھہراؤ کا مجسمہ تھا، آج ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا۔

''فاطمہ اس شخص کے گھر کیوں گئی تھی؟''۔ان کے سرد، خالی لہجے میں ضبط چھلک رہا تھا۔سرخ آنکھوں میں وہ درد تھا جو کئی سالوں کے بھروسے کے ٹوٹنے سے پیدا ہوتا ہے۔

"اسے لگا کہ احسن کو اغوا اس غنڈے نے کیا ہے۔ وہ احسن کی محبت میں وہاں گئی تھی، تاکہ وہ اسے چھوڑ دے"۔ ماریہ نے بھیگی آنکھوں سے سانس بھری، پھر دھیرے سے کہا۔ کمال مصطفیٰ نے بے یقینی سے سر جھکایا، جیسے خود کو کوس رہے ہوں، فاطمہ کی ان سنی صداؤں کو پھر سے سننے کی کوشش کر رہے تھے جنہیں انہوں نے ہمیشہ نظر انداز کیا۔

"میری بیٹی... بہت حساس ہے، محبت کرنے والی اپنی ماں کی طرح.. میری نازکی طرح... اور میں نے اسے اکیلا چھوڑ دیا۔ میں جس کے لیے دن رات محنت کر رہا تھا، اسے اصل خوشی دینا ہی بھول گیا۔ اسے منافقوں کے بیچ چھوڑ دیا"۔ الفاظ جیسے کسی گہری کھائی میں گر رہے تھے۔ ان کے وجود میں برسوں پرانی محبت، عقیدت، اور بھروسے کا ملبہ گر رہا تھا۔

"اماں نے میری محبت کا ناجائز فائدہ اٹھایا۔ میری خالص محبت کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کیا۔ مجھے دھوکہ دیا۔ میری بیٹی کو دکھ دیا"۔ کمرے کی دیواریں اس دھڑکتے سناٹے میں ان کے ٹوٹنے کی گواہ بن رہی تھیں۔ ماریہ کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے بڑے تایا کو پُر رعب، باوقار اور مضبوط دیکھنے کی عادی تھی، مگر آج وہ شخص سامنے بیٹھا بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

''میں نے ہمیشہ ان کی سنی۔ میری بیٹی کہتی رہی، لیکن میں...''۔ وہ پلکیں جھپکنے لگے، جیسے آنکھوں میں جمتے آنسوؤں کو روکنے کی ناکام کوشش کر رہے ہوں۔ ''میں ہمیشہ اماں پر یقین کرتا رہا۔ مائیں بچوں کے ساتھ ایسا نہیں کرتیں ناں؟ ماں تو ماں ہوتی ہے... اپنی ہو یا کسی اور کی''۔ ان کا کرب ان کے ہر انداز سے عیاں تھا۔

''لیکن انھوں نے مجھے بتا دیا... ہر کسی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے''۔ ان کے لہجے میں جو شکست تھی، وہ کسی ہارے ہوئے سپاہی کی طرح لگ رہی تھی، جسے اپنے قلعے کے اندر سے ہی زخم دیے گئے تھے۔

''تایا، پلیز... آپ کی طبعیت خراب ہو جائے گی۔ ابھی فاطمہ کو آپ ہی نے سنبھالنا ہے۔ آپ کو مضبوط رہنا ہو گا۔ فاطمہ کو واپس لانے کے لیے''۔ ماریہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔ وہ آگے بڑھی، التجائیہ لہجے میں بولی۔ کمال مصطفیٰ نے اس کی طرف دیکھا، اس کا چہرہ آنسوؤں میں بھیگا ہوا تھا، مگر نظر میں سچائی تھی۔

''اللہ پاک تمہیں بہت خوشیاں دے، بیٹی۔ تمہیں بالکل اپنے جیسا خالص دل کا ساتھی عطا کرے''۔ انہوں نے دھیرے سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"آمین"۔ ماریہ نے آنکھیں بند کر کے دل سے دعا مانگی۔ ایک چہرہ ذہن میں جھلملایا، مگر وہ سوچوں کو جھٹک گئی۔

"اب جاؤ، اور کسی سے اس بارے میں مت کہنا"۔

"اگر آپ کو کچھ چاہیے ہو تو مجھے بلا لیجیے گا"۔ ماریہ سر ہلاتے ہوئے اٹھی۔ وہ دروازہ بند کر کے باہر نکل گئی، مگر کمرے میں اداسی کا سایہ باقی رہا۔

کمال مصطفیٰ نے سر صوفے کی پشت سے ٹکا دیا، نظریں چھت پر جما دیں، جیسے کسی نادیدہ نقطے کو گھور رہے ہوں۔

"میں نے ہمیشہ آپ کو اپنی اماں سمجھا۔ وہی عزت، وہی محبت دی۔ خود سے بڑھ کر عزیز جانا۔ اپنی بیٹی آپ کے سپرد کی... لیکن آپ نے کیا کیا؟"۔ آنسو بے آواز بہہ رہے تھے۔

"کمال۔۔۔ میرے بچے۔۔۔ دیکھو کیا ہو گیا ہمارے ساتھ؟"۔

"اماں کیا ہوا ہے؟ آپ کیوں رو رہی ہیں؟"۔

"کمال سب ختم سب برباد ہو گیا سالوں کی عزت مٹی میں مل گئی"۔

"اماں کچھ تو بتائیں؟"۔

"میں فاطمہ کا ٹھیک سے دھیان نہ رکھ سکی۔۔ٹھیک کہتے ہیں ماں ہی بچوں کو سنبھال سکتی ہے۔۔میری ہی غلطی ہے۔۔میری وجہ سے سب ہوا ہے"۔۔

"اماں خدارا بتائیں بات کیا ہے؟"۔

"فاطمہ یونیورسٹی میں کسی کو پسند کرتی ہے۔۔وہ بغیر بتائے آج اس کے گھر چلی گئی۔وہاں سے لوٹی ہے تو صرف ایک ہی تکرار کیے جا رہی کہ ابھی اس سے نکاح کرے گی"۔۔

"کیا اماں؟ایسے کیسے ہو سکتا ہے؟"۔۔

"مجھے معاف کردو کمال۔۔مجھے معاف کردو۔۔میں تمہاری بیٹی کا خیال نہیں رکھ سکی۔۔سب میری ہی غلطی ہے"۔۔

"اماں آپ معافی مت مانگیں۔بتائیں اماں اب میں کیا کروں؟"۔۔

"کمال ابھی کسی کو کچھ نہیں معلوم۔۔مزید بدنامی سے بہتر ہے اس کا نکاح کردیا جائے ابھی"۔۔۔

"لیکن اماں میں اتنے جلدی تو نہیں آسکتا"۔۔

"کمال بچے دیکھ لو"۔۔وہ پھر سے رونے لگی۔

"اچھا اماں آپ روئیں نہیں۔جو بہتر سمجھیں وہ کریں"۔۔

”کس جائیداد کے لیے آپ اتنا گر گئیں، اماں؟ سب کچھ تو آپ کا ہی تھا۔ آپ کے نام تھا...“۔ ان کی آواز درد سے بھری ہوئی تھی۔

”بیٹیوں کے معاملے میں کسی پر بھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی میں آپ پر بھروسہ کر گیا اماں“۔۔

”رشتے اہم ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ گزارے گئے پل انمول ہوتے ہیں۔ میں دن رات پیسہ کمانے میں لگ گیا۔ مجھے اپنی بیٹی کے ساتھ وقت گزارنا چاہیے تھا۔ یہ نام، شہرت، پیسہ کچھ نہیں۔ یہ ساری کمائی گئی دولت کچھ نہیں۔ میری اصل دولت تو میری بیٹی ہے۔ جسے میں بھول گیا“۔۔ اندھیرے کمرے میں ایک ٹوٹے ہوئے شخص کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔ سچ یہی ہے کہ بیٹیوں کے معاملے میں کبھی کسی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ دنیا کے سوداگر رشتوں کی بولیاں لگانے میں دیر نہیں کرتے۔ جیسے ان کی اماں نے ان کی بیٹی کو انجان شخص کے ساتھ رخصت کر دیا تھا۔

رات کی سیاہی ہر چیز کو دھیرے دھیرے اپنی آغوش میں لے رہی تھی۔ فضا میں ایک غیر محسوس سی کشیدگی تھی۔ فاطمہ ماربل صاف کرتی ہوئی ہاجرہ کو کوارٹر میں بھیج دی اور خود جوس لیتی شیک بنانے لگی تھی۔ کاؤنٹر کے پار فاریہ ہاشم کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں حسرت کی پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔ چہرہ تھکن اور دل شکستگی کا آئینہ تھا۔ وہ آج کسی اور ہی کیفیت میں تھی۔ دکھ، رنج، بے بسی سب کچھ اس کی آنکھوں میں تھا۔

''کتنے استحقاق سے تم اس کچن میں موجود ہو، نا؟ ہر چیز اپنی مرضی سے استعمال کر رہی ہو''۔ اس نے ہاتھ کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

فاطمہ نے جوس کا گلاس بھرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا مگر یہ جملہ سنتے ہی رک گئی۔

''یہ گھر فاز عالم نے بہت محنت سے بنایا ہے۔ دن رات محنت کر کے۔ ایک ایک اینٹ اپنی کمائی سے لگائی ہے۔ اس میں صرف ان کے خوابوں کا رنگ ہے، کسی اور کی مداخلت نہیں۔ انھیں اپنا ہر کام خود کرنے کی عادت ہے۔ وہ کسی پر ڈیپینڈ ہونا پسند نہیں کرتے۔ جانتی ہو؟ آج تک انھوں نے یہ گھر کسی کو نہیں دکھایا تھا۔ میں نے بھی بہت بار کہا کہ مجھے دکھائیں، لیکن نہیں... اور آج دیکھو، فاطمہ کمال، وہ تمہیں اس گھر میں لے آئے اور تم اس

گھر کی مالکن بن چکی ہو''۔۔آخری جملے میں اذیت تھی۔فاطمہ نے الجھن سے فاریہ کو دیکھا،جو ہنسی تھی،مگر اس ہنسی میں تکلیف تھی۔

''تم مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی''۔فاطمہ نے دھیرے سے کہا۔

''ہاں،میں ٹھیک نہیں ہوں۔میں نے انھیں اپنی دعاؤں میں مانگا تھا،فاطمہ،اور تمھیں.. تمھیں وہ بن مانگے دے دیا گیا ہے۔وہ شادی نہیں کرنا چاہتے تھے۔کبھی بھی نہیں۔لیکن انھوں نے تم سے شادی کرلی''۔فاریہ کی آواز زخم خوردہ تھی۔وہ لڑکھڑاتے قدموں سے چلتی ہوئی صوفے پر بیٹھ گئی۔

''شادی نہیں کرنا چاہتے تھے؟''۔اس کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔''تو پھر اس نے مجھ سے نکاح کیوں کیا؟''۔فاطمہ کو شاک لگا۔لیکن فاریہ ہاشم نے سنا ہی نہیں۔وہ اپنی کہتی گئی۔

''ایک بات بتاؤ؟وہ کم گو ہیں یا باتیں کرتے ہیں تمہارے ساتھ؟''۔۔فاریہ آنکھوں میں بہت سا کرب لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کم گو تو نہیں ہے''۔۔اس کی نظریں اتنی خالی اور ویران تھیں کی فاطمہ کمال ہچکچا سی گئی۔۔

”مجھے پتہ تھا“۔فاریہ کی مسکراہٹ تلخ تھی۔”وہ کم گو ہی ہیں، مگر تمہارے ساتھ بالکل ایک الگ فاز عالم ہے۔وہ جانتے تھے کہ تم ہمارے گھر میں بالکل محفوظ ہو، مگر پھر بھی آدھی رات کو تمہیں لینے پہنچ گئے، صرف اس لیے کہ تم کمفرٹیبل نہیں تھی“۔۔فاطمہ کا دل زور سے دھڑکا۔وہ اس رات کی یاد میں کھو گئی جب فاز عالم اسے لینے آیا تھا۔

”کیا تم نے انھیں انزائیٹی میں دیکھا ہے کبھی؟آؤٹ آف کنٹرول ہوتے ہوئے، چیزیں توڑتے ہوئے؟“۔۔فاطمہ کے دل میں انجانا خوف ابھرا۔بمشکل نفی میں سر ہلایا۔۔

”دو تین ماہ میں وہ اس کیفیت سے گزرتے تھے۔وہ اینٹی ڈپریسنٹ نہیں لیتے تھے۔مگر اب جانتی ہو؟وہ antidepressants لینے لگے ہیں۔پہلے وہ کبھی کبھار اس کیفیت سے گزرتے تھے، مگر اب وہ خود کو سنبھالنے کے لیے دوا لینے لگے ہیں۔جانتی ہو کیوں؟صرف اس لیے کہ کہیں فاطمہ کمال خوفزدہ نہ ہو جائے۔وہ پہلے ہی پریشان ہے،مزید پریشان نہ ہو جائے“۔۔فاطمہ کے ہاتھوں سے گلاس لرز گیا۔فاریہ روتے روتے ہنسنے لگی۔

”کتنا خیال کرتے ہیں وہ تمہارا۔میں نے ایسے ہی چاہا تھا کہ وہ میرا خیال کرے، مجھ سے بات کرے، مگر...“۔وہ ایک بار پھر روتے روتے ہنس دی۔اپنی لاحاصل خواہشات پر۔اپنی یکطرفہ محبت پر۔

”وہ antidepressants کیوں لیتا ہے؟“۔۔ حلق تر کرتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

”تم تو کچھ بھی نہیں جانتی، فاطمہ کمال۔ فاز عالم نے زندگی میں بہت کچھ برداشت کیا ہے، ایسی چیزیں جن کا اندازہ تمہیں شاید کبھی نہ ہو۔ لیکن دیکھو، وہ تمہاری خاطر خود کو بدل رہے ہیں۔ تمہاری حفاظت کر رہے ہیں، تمہیں ہر خوف سے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں“۔۔ فاطمہ کے سینے پر عجیب بوجھ اترنے لگا تھا۔

”تم میں ایسا کیا ہے، فاطمہ کمال؟ وہ جو شادی سے بھاگتا تھا، وہ تمہیں اپنا نام دے گیا؟ میں نے ان سے محبت کی، بے پناہ محبت۔ مگر وہ مجھے کیوں نہیں ملے؟ کیوں؟“۔

وہ اچانک فاطمہ کے قریب آئی۔ فاطمہ فوراً سے پیچھے ہوئی۔ فاریہ کی آواز میں شدت تھی۔ آنکھیں ویران، چہرہ سوالات کی اذیت میں گھرا ہوا۔

”میرے پاس تمہارے سوالوں کا جواب نہیں ہے، فاریہ ہاشم“۔ فاطمہ کی آواز میں سختی آگئی تھی۔ ”اگر اتنا ہی جاننا ہے تو جا کر یہ سوال فاز عالم سے کرو کہ فاطمہ کمال میں ایسا کیا تھا، جس کی وجہ سے اس نے مجھ سے نکاح کیا“۔ فاطمہ کے سخت لہجے نے لمحہ بھر کے لیے فاریہ کو خاموش کر دیا، مگر اس کی آنکھوں میں ہار نہیں تھی، بس بے بسی تھی۔

”مجھے فاز عالم چاہیے“۔ ہر لفظ پر زور دیتے ہوئے اس نے کہا۔ فاطمہ نے لمحہ بھر کو آنکھیں بند کیں۔ پھر کھولیں۔

”جو چیزیں نصیب میں نہ ہوں، وہ کبھی نہیں ملتیں، فاریہ ہاشم۔ چاہے انسان کتنا ہی بھاگ لے، رہتا خالی ہاتھ ہی ہے“۔

فاریہ جیسے اس جملے کے وار سے پیچھے ہٹ گئی۔ چند لمحے خاموش رہی، پھر تیز قدموں سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازہ بند ہونے کی آواز گونجی۔ فاطمہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس نے گہری سانس لی، نظریں جوس کے گلاس پر جم گئیں۔

”یااللہ، میں کہاں پھنس گئی ہوں؟“۔ وہ خود سے بڑبڑائی اور گہری سانس بھرتی، گلاس لبوں سے لگا لیا۔

کمرے میں ہلکی روشنی تھی، مگر کشیدگی اتنی گہری کہ دیواریں بھی اس بوجھ تلے دبی محسوس ہو رہی تھیں۔ شاہد عباسی کی آنکھوں میں ایک وحشیانہ چمک تھی۔ ان کے ہاتھ میں پسٹل تھی، جس کا رخ سید ھا فاخر کے سینے کی جانب تھا۔

''میں نے تمہیں وارننگ دی تھی، فاخر''۔شاہد کی آواز میں غرّاہٹ تھی۔''میرے معاملات سے دور رہو، لیکن تم نے وہ ہیروں کا بیگ کیسے غائب کروایا؟اور وہاں سے وہ لڑکیاں بھی غائب ہو گئیں، جن کی خبر صرف تمہیں تھی''۔۔شاہد عباسی نے ایک ہاتھ سے فاخر کی گردن کو شکنجے میں لیا۔

فاخر کی سانسیں تیز ہو گئیں، ماتھے پر شکنیں ابھر آئیں۔''تم پاگل ہو گئے ہو، شاہد! چھوڑو مجھے''۔انہوں نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی، لیکن شاہد کی گرفت لوہے کی مانند سخت تھی۔

''جھوٹ مت بولو''۔شاہد عباسی کی گرجتی ہوئی آواز کمرے کی دیواروں سے ٹکرا کر گونجنے لگی۔فاخر کی آنکھوں میں ایک سرد حقارت ابھری۔

''میں نے کوئی بیگ غائب نہیں کروایا، شاہد۔اور اگر مجھے تم سے بدلہ لینا ہوتا، تو میں تمہارا ماضی سب کے سامنے لا کر لیتا... لیکن میں ولیم کے کسی کام کو نقصان نہیں پہنچا سکتا''۔ان کا لہجہ برف کی مانند سرد تھا۔شاہد کی آنکھیں دہکنے لگیں، ان کی گرفت اور سخت ہو گئی۔

"جھوٹ مت بولو"۔ وہ ایک بار پھر دھاڑے، ان کے غصے میں بے بسی کی جھلک نمایاں تھی۔ بیگ کی اہمیت ان کے لیے زندگی اور موت کے برابر تھی، اور وہ کسی قیمت پر اسے کھونا برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

عین اسی لمحے دروازہ دھڑاک سے کھلا اور کمرے میں دھمک بھری آواز گونجی۔ "شاہد، چھوڑ دو اسے"۔

حمید صاحب کمرے میں داخل ہوئے، ان کے چہرے پر شدید غصہ تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھے اور فاخر کو شاہد کی گرفت سے آزاد کروالیا۔ فاخر کی سانسیں اب بھی بے ترتیب تھیں، مگر چہرے پر بے خوفی کی جھلک تھی۔

"میں دیکھ رہا ہوں، شاہد، تم آج کل بہت عجیب برتاؤ کر رہے ہو"۔ حمید صاحب کی آواز میں سنجیدگی تھی۔ "فاخر میرے ساتھ تھا، وہ ایسا کچھ نہیں کر سکتا"۔

شاہد نے پسٹل آہستہ آہستہ نیچے کی اور پھر جھٹکے سے اپنی پینٹ کی جیب میں رکھ لی۔ ان کے ماتھے پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے۔ "تو پھر کس نے کیا؟"۔ ان کی آواز میں بے چینی تھی۔

”دشمن بہت اندر تک گھس چکا ہے، شاہد...“۔حمید صاحب کی نظریں گہری ہو گئیں۔وہ دھیمے لہجے میں بولے، مگر ان کے الفاظ میں ایک خطرناک یقین تھا۔کمرے میں سناٹا چھا گیا۔

فاز کی اسٹڈی میں نیم گرم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔دیواروں سے لگی بھاری کتابوں کی الماریاں خاموشی سے اس مکالمے کی گواہ بن رہی تھیں جو ابھی ہونا باقی تھا۔ایک بڑی لکڑی کی میز پر فائلز، لیپ ٹاپ اور کچھ بے ترتیب کاغذات رکھے تھے، مگر سب سے نمایاں تھا وہ نیم پلیٹ، جو جگمگا رہی تھی۔فاز عالم۔اے آئی اسٹڈی میں بے فکری سے بیٹھا تھا، جیسے اسے کسی بات کی پرواہ ہی نہ ہو۔چِل پرسن!۔

”فاز، تقریباً سارے ثبوت ہمارے پاس آ گئے ہیں۔بس مین لاکر تک پہنچ جائیں اور ولیم کی ساری انفارمیشن لے لیں، تو یہ مشن مکمل ہو جائے گا“۔ہلکی سی سنجیدگی اس کے لہجے میں اتر آئی۔”پھر آگے تم نے کیا سوچا ہے؟“۔لیکن اگلے ہی لمحے وہ اپنے مخصوص شرارتی انداز میں بولا۔

فاز اپنی مخصوص سربراہی کرسی پر بیٹھا، سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔انگلیاں آپس میں الجھی ہوئی تھیں۔

"پہلے تو تم یہ بتاؤ، آج اپنے اصل روپ میں کیوں آئے ہو؟"۔اس نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

"یار، مجھے اپنا اصل چہرہ اتنا پیارا لگتا ہے، اب بلاوجہ میں کیوں ماسک چڑھائے رکھوں؟"۔اے آئی نے ہنستے ہوئے کندھے اچکائے۔

"میں فاطمہ کی وجہ سے کہہ رہا ہوں"۔فاز کی نظریں اس پر جمی رہیں۔

"تم نے ہی تو کہا تھا وہ کمرے سے نہیں نکلتی، تو یہاں کیسے آئیں گی؟"۔اے آئی نے اچھنبے سے سوال کیا۔

فاز نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ دروازہ زوردار آواز کے ساتھ کھلا اور آتش فشاں بنی فاطمہ کمال اندر داخل ہوئی۔وہ دونوں بیک وقت کھڑے ہو گئے۔فاز نے لب بھینچ لیے، جبکہ اے آئی نے پریشانی سے فاز کو دیکھا۔

"اتنا بڑا دھوکہ؟"۔اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی اور آنکھیں غصے سے دہک رہی تھیں۔"ارمان شاہد، تم اس شخص کے ساتھ ملے ہوئے ہو؟ صحیح کہتے تھے تایا اور چاچو، شاہد

عباسی ایک برا شخص ہے۔اس سے اور اس کی فیملی سے میل ملاپ اچھا نہیں۔اور تم نے ہمیں بیوقوف بنایا۔تم ماریہ کو پاگل بنا رہے ہو"۔اس کی سانسیں بے ترتیب ہو چکی تھیں۔اور آنکھوں میں بے یقینی کے سائے لرز رہے تھے۔وہ ہاتھ ہلاتے ہلاتے اونچی آواز میں بول رہی تھی۔

"فاطمہ،میں سب کلیئر کر دوں گا،میں..."۔ارمان نے کہنے کی کوشش کی،مگر اس سے پہلے ہی فاطمہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"آئی ڈونٹ نیڈ اینی ایکسپلینیشنز،ارمان شاہد"۔وہ غصے سے اس کے قریب آئی۔"فاطمہ کمال کہتی تھی وہ نظروں کو پہچاننا جانتی ہے،پھر کیوں ارمان شاہد،کیوں میں تمہاری آنکھوں میں موجود فریب نہیں دیکھ پائی؟"۔اس کی کرب زدہ ہنسی اسٹڈی میں گونجی۔فاز نے نظریں اس کے چہرے سے ہٹا لیں۔

"کیونکہ یہاں کوئی فریب نہیں تھا"۔ارمان نے اسے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"بند کرو اپنا یہ ڈرامہ!خدا کے لیے بس کر دو!تم نے ثابت کر دیا،ارمان۔تمہاری رگوں میں شاہد عباسی کا خون دوڑتا ہے۔میں نے تمہیں الگ سمجھا تھا،لیکن تم وہی نکلے۔تم اس غنڈے کے ساتھ ملے ہوئے تھے"۔نفرت سے اسے دیکھتے ہوئے وہ بلند آواز میں بول

رہی تھی۔ارمان اس کے الفاظ پر لب بھینچ گیا۔مٹھیاں اس نے زور سے بھینچ لیں۔فاز نے ایک گہری سانس کی اور آگے بڑھا۔

”فاطمہ کمال، آپ اپنی لمٹ کراس کر رہی ہیں۔میرے گھر میں آئے میرے مہمان کے ساتھ آپ اس طرح بات نہیں کر سکتیں“۔وہ بالکل اس کے سامنے آ کر رک گیا تھا۔رعب دار، مگر دھیمی آواز میں، جو ماحول پر چھا جانے کی صلاحیت رکھتی تھی۔اس کی آنکھوں میں موجود ٹھہراؤ کسی کو بھی خاموش کروا سکتا تھا۔

”سیریسلی ؟“۔فاطمہ نے نم آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔”اتنا سب کچھ ہو جانے کے باوجود تم مجھ سے یہ توقع کر رہے ہو کہ میں آرام سے بات کروں ؟“۔اس کی مسکراہٹ میں استہزاء تھا۔فاز پہلو بدل کر رہ گیا۔اس نے ایسا نہیں چاہا تھا۔

”فاز عالم، میں فاطمہ کمال ہوں! میں دھوکے باز لوگوں کو یونہی نہیں چھوڑ سکتی“۔اس نے کاٹ دار نگاہ ارمان پر ڈالی، پھر فاز کی طرف دیکھا۔

”میں تمہارے ساتھ تین ماہ سے اس لیے ہوں کیونکہ یہ نکاح میری دادی نے کروایا تھا، میرے باپ کی اجازت سے۔اگر تم زبردستی کرتے، تو میں یا خود مر جاتی یا تمہیں مار دیتی۔میں تم سے نکاح کرنے پر مجبور اس لیے تھی کیونکہ میرے گھر والوں نے مجھ پر اعتبار

نہیں کیا۔ ورنہ کوئی دوسری چیز مجھے تم سے نکاح پر مجبور نہیں کر سکتی تھی"۔۔ زخمی نگاہیں، آنکھوں میں بے پناہ کرب لیے وہ اس کے جھکے سر کو دیکھی رہی تھی۔ نیلے رنگ کے سوٹ میں وہ روئی روئی نیلی آنکھوں کے ساتھ بے پناہ حسین لگ رہی تھی، مگر یہاں اس حسن کی پرواہ کسے تھی؟۔ فاز کی نظریں اس کے پاؤں پر تھیں۔

"آپ کو کچھ اور بھی کہنا ہے، یا ہو گیا؟"۔ اس کے خاموش ہوتے ہی اس نے بہت ہی ٹھنڈے انداز میں پوچھا۔ فاطمہ کمال کا منہ غصے کی زیادتی سے کھل گیا۔ لب وا کیے، لیکن الفاظ نہ ملے۔

"تم نہایت بد تمیز، بد لحاظ، اور بد تہذیب ہو"۔ وہ غصے سے بری طرح تلملائی اور پھر جو منہ میں آیا بولتی چلی گئی۔ فاز عالم اسی پر سکون انداز میں سنتا رہا۔

ارمان نے کچھ بولنا چاہا، جیسے فاز کے بارے میں یہ الفاظ اسے پسند نہیں آئے تھے مگر فاز نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"آپ جاننا چاہتی ہیں کہ ارمان نے آپ لوگوں سے کیوں چھپایا کہ وہ میرا پارٹنر ہے؟ اس کا جواب آپ کو کل رات مل جائے گا"۔ اس کی آواز آہستہ، مگر سنجیدہ اور مضبوط تھی۔

”لیکن اگر آپ نے کچھ بھی الٹا سیدھا کرنے کی کوشش کی، تو پھر آپ اپنے بابا سے مل نہیں پائیں گی“۔ یہ کہتے ہوئے اس نے فاطمہ کی آنکھوں میں دیکھا۔

”تم مجھے روک نہیں سکتے! اور اب تو بالکل بھی نہیں۔ بہت ہو گیا تمہارا یہ کھیل۔ اب میں وہی کروں گی، جو میرا دل چاہے گا“۔

“You’ll do as I said.”

فاز نے تیزی سے اس کا بازو تھاما مگر گرفت نرم تھی۔

“I’m not your property, Faaz Alam! I’m a human being. Stop treating me like a slave!”

وہ جھٹکے سے بازو چھڑا کر غصے سے چیخی۔

”آپ کمرے میں جائیں، میں وہی آکر آپ سے بات کرتا ہوں“۔ اپنے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے دھیمی آواز میں بولا۔

”تم جھوٹے فریبی، قاتل، اسمگلر ہو۔ تم دنیا کے سب سے برے انسان ہو“۔ اس کی آواز غصے میں بھی بھرا گئی تھی۔ تیزی سے باہر نکلی۔ دروازہ ایک زوردار آواز کے ساتھ بند ہوا۔

فاز نے آنکھیں موند کر نفی میں سر ہلایا۔ ارمان اس کے قریب آیا۔

"فاطمہ ایسی تو نہیں تھیں۔ تم نے کچھ کہا کیوں نہیں؟ وہ تم سے کتنی بدتمیزی کر کے گئی ہیں۔ بہت بدلحاظ ہو گئیں ہیں وہ"۔ ارمان نے تاسف بھرے انداز میں کہا۔

"تم اپنی جگہ ٹھیک ہو ارمان۔ لیکن وہ میری بیوی ہیں۔ تم ان کے بارے میں اس طرح بات نہیں کر سکتے۔ فاطمہ کمال بدلحاظ نہیں ہیں"۔

دروازے کے پار کھڑی فاطمہ کے آنسو بہنے لگے۔

کیا تھا یہ شخص؟ کون تھا؟ کیوں وہ چاہ کر بھی اس سے نفرت نہیں کر پا رہی تھی؟۔ وہ تو پہلے اس طرح بدتمیزی بھی نہیں کرتی تھی۔ لیکن پھر بھی کیا کچھ سننا نہیں پڑتا تھا؟۔ آج جب وہ ارمان شاہد کو دیکھ کر بے قابو ہو گئی تھی۔ تب بھی اس شخص نے اسے سپورٹ کیا تھا۔ کیوں؟۔ وہ روتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔

اس نے سوچا تھا۔ اب وہ غصہ نہیں کرے گی۔ جذباتی نہیں ہو گی۔ لیکن ارمان کو فاز عالم کے ساتھ دیکھ کر وہ سب کچھ بھولی تھی۔ بار بار کمرے میں چکر کاٹ رہی تھی، جیسے الجھی سوچوں کی گتھیاں کھولنے کی کوشش کر رہی ہو، مگر ہر سوال ایک نئے راز میں الجھتا جا رہا تھا۔

"کیا ارمان شاہد بھی اسی کھیل کا حصہ تھا؟"۔

"ماریہ ابراہیم۔۔۔"لبوں سے یہ نام نکلا تو دل میں ہلچل مچ گئی۔پلکیں بھاری ہو گئیں۔جب اسے حقیقت معلوم ہو گی،تب کیا ہو گا؟اچانک دروازہ کھلا اور فاز عالم اندر داخل ہوا۔

فاطمہ کے قدم رک گئے۔اس کی نظریں بے اختیار فاز کے چہرے پر جا ٹکیں،مگر اس کے کانوں میں وہ الفاظ پھر سے گونجنے لگے جو اسٹڈی میں کہے گئے تھے۔'فاطمہ کمال بدلحاظ نہیں ہیں'۔۔

"ہمیشہ جو دکھائی دیتا ہے،وہ حقیقت نہیں ہوتا۔کچھ وقت صبر کر لیں،وقت خود سب راز کھول دے گا۔لیکن تب تک،کچھ ایسا مت کریے گا جس پر پچھتانا پڑے"۔وہ اس کے عین سامنے کھڑا تھا،مگر لہجہ پہلے سے کہیں زیادہ نرم تھا۔وہ اس کے چہرے سے نظریں ہٹا گئی۔

"دیکھو تو ذرا،مجھے غلط قدم اٹھانے سے روکنے والا وہ شخص ہے جو خود نا جانے کتنے غلط فیصلے لے چکا ہے"۔تمسخر اس کے لہجے میں نمایاں تھا،مگر دل کے کسی نہاں خانے میں فاز

عالم کی کہی باتوں کی بازگشت اب بھی سنائی دے رہی تھی۔دل فاز عالم کی سچائی کا گواہ بن رہا تھا۔اس کی بات سے اتفاق کرنے لگا تھا۔

"آپ جو چاہے کہہ سکتی ہیں، لیکن پلیز اسے میری گزارش سمجھ کر مان لیں"۔فاز نے لمحہ بھر کے لیے اسے دیکھا، پھر دھیرے سے بولا۔فاز عالم نے خود کو پہلے اتنا بے بس محسوس نہیں کیا تھا۔وہ ایک ایسے دوراہے پر کھڑا تھا۔جہاں ہر راستہ پیچیدہ تھا۔وہ چاہتا تو ساری حقیقتیں اس کے سامنے کھول دیتا۔لیکن وہ ابھی ایسا نہیں کر سکتا تھا۔وہ صوفے پر بیٹھ گیا، فاطمہ اس سے کچھ فاصلے پہ کھڑی رہی۔

"اوہ، تو تم گزارش بھی کرتے ہو؟"۔اس کی مسکراہٹ میں ہلکا سا طنز تھا، مگر دل کے کسی کونے میں کچھ تھا جو فاز عالم کی حمایت کر رہا تھا۔وہ اس وقت دو مختلف کیفیت سے گزر رہی تھی۔باہر سے ویسا ہی روپ اپنایا ہوا تھا۔جو پہلے دن سے فاز کے ساتھ تھا۔لیکن اندر کہیں سینے میں دھڑکتا دل نا جانے کیوں فاز کی طرف داری کر رہا تھا۔

"پتا ہے، اس وقت آپ مجھے کیسی لگ رہی ہیں؟"۔فاز اپنی جگہ سے اٹھا، اس کے قریب آیا۔"بدتمیز، خود سر، اور حد درجہ ضدی"۔

فاطمہ کی بھنویں تن گئیں۔اس کی نظریں سلگ اٹھیں۔"وہ تو میں تمہیں لگوں گی نا! چند مہینوں میں ہی پچھتانے لگے ہو؟"۔

"فاطمہ کمال، فاز عالم اپنے فیصلوں پر کبھی پچھتاتا نہیں۔میں وہ شخص نہیں جو جلد بازی میں کسی راہ کا انتخاب کر لے"۔فاز نے گہری سانس لی، جیسے ضبط کی دیوار کھڑی کر رہا ہو۔اس کی آنکھوں میں سنجیدگی اتری، لہجہ گہرا ہوا۔

وہ خفگی سے رخ موڑ گئی،اور سامنے رکھے گلدان کو گھورنے لگی۔فاز نے اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی۔

"کس بات پہ ناراضگی دکھائی جا رہی ہے؟"۔وہ ہلکی آہ بھرتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ان دونوں کے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں تھا جس میں ناراضگی اور منانے کا جواز نکلتا، مگر پھر بھی...اس کا یہ رویہ فاز کو الجھا رہا تھا۔

"تم کہو، فاطمہ کمال بدتمیز نہیں ہیں"۔وہ شہادت کی انگلی اس کی طرف اٹھا کر ضدی لہجے میں بولی۔فاز عالم نے حیرت سے اسے دیکھا، پھر بے اختیار دھیرے سے ہنس دیا۔یہ مطالبہ انوکھا تھا۔

"اور میں ایسا کیوں کہوں؟"۔وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔قرمزی جوڑے میں وہ ہلکے سے جوڑے میں الجھے بال، کانوں میں سادہ ڈائمنڈ ٹاپس اور الجھن سے بھری آنکھوں کے ساتھ کھڑی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔جوڑے سے نکلتی چند آوارہ لٹیں بار بار اس کے خفا چہرے کو چھو رہی تھیں۔منظر دلکش تھا۔اس کے ہنسنے پر وہ مزید خفا ہوئی۔اس کا ذہن اسٹڈی میں کہے گئے جملے میں اٹک سا گیا تھا۔

"تم کہو گے"۔وہ ایک ضدی بچے کی طرح بولی،اور فاز کو اندازہ ہوا کہ معاملہ بس اتنا سا نہیں تھا۔اسے ایک لمحے کے لیے دیکھا۔پھر دھیرے سے قدم اٹھائے اور اس کے قریب آگیا۔اس کی خوشبو فاطمی کے نتھنوں سے ٹکرائی۔

"فاطمہ کمال بدتمیز نہیں ہیں"۔بہت ہی نرمی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔فاطمہ کے چہرے پر یکدم طمانیت پھیل گئی۔فاز نے کچھ لمحے اسے دیکھا، مگر وہ اس کے اطمینان کی وجہ نہیں سمجھ پایا۔ایک گہری نظر ڈال کر پلٹ گیا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔دروازہ بند ہونے کی ہلکی آواز کے ساتھ ہی فاطمہ کمال مسکرا دی۔پورے دل سے، خود سے انجان۔

"فاطمہ کمال بدلحاظ نہیں ہیں"۔

"فاطمہ کمال بدتمیز نہیں ہیں"۔

یہ الفاظ کسی گیت کی مانند اس کے ذہن میں گونجنے لگے۔ وہ بے اختیار کھڑکی کی طرف مڑی، ہوا کے جھونکے نے اس کی زلفوں کو چھیڑا، اور وہ خود سے بیگانہ ہو گئی۔ شاید کچھ بدلا تھا، یا شاید سب کچھ ویسا ہی تھا... مگر دل نے پہلی بار کسی اور کی کہی ہوئی بات کو مکمل طور پر مان لیا تھا۔

لاؤنج میں ہلکی روشنی بکھری ہوئی تھی۔ دادی سکینہ اپنے مخصوص انداز میں تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں، مگر نگاہیں دروازے پر مرکوز تھیں جہاں سے کمال مصطفیٰ گزرنے والے تھے۔ جیسے ہی ان پر نظر پڑی، ان کے چہرے پر شفیق مسکراہٹ در آئی۔

"کمال، میرے بیٹے، ادھر آؤ، ماں کے پاس"۔ آواز میں محبت کی شیرینی گھلی تھی۔ کمال مصطفیٰ کے قدم رک گئے۔ لمحہ بھر کو آنکھیں بند کیں، جیسے اندر کہیں طوفان اٹھنے کو تھا، مگر پھر ہلکی سانس لے کر پلٹے اور خاموشی سے ان کے قریب جا کھڑے ہوئے۔

"جب سے آئے ہو، ٹھیک سے کھانا نہیں کھا رہے۔ دیکھو تو، کتنے کمزور ہو گئے ہو"۔ دادی سکینہ کے لہجے میں بے حد فکر مندی تھی۔ کمال نے غور سے ان کی آنکھوں میں جھانکا

کہیں بھی دکھاوا محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ کمال کی اداکاری تھی۔

"اماں، اب دل نہیں چاہتا"۔ آواز مدھم تھی، مگر اندر کہیں ضبط کی دیواریں لرز رہی تھیں۔

"کیوں نہیں چاہتا؟ میرے ہاتھ سے کھاؤ گے؟ میں تمہارا پسندیدہ قورمہ بناؤں گی"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔ لیکن لاؤنج کے پار، کچن میں، تائی اور چچی شمائلہ پھل کاٹتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس پڑیں۔ وہ طنزیہ ہنسی جو دیواروں میں ارتعاش پیدا کر دیتی تھی۔

"میرا دل تو وہاں ہے، جہاں میری بیٹی ہے۔ میرے جگر کا ٹکڑا مجھ سے دور ہے میں کیسے کچھ کھا سکتا ہوں، اماں؟"۔ ان کے چہرے پر کرب تھا۔ دادی سکینہ کے چہرے پر سایہ سا لہرایا، جیسے انہیں یہ بات ناگوار گزری تھی۔

"کمال، تم... تم نے اپنی یہ حالت اس نافرمان لڑکی کی وجہ سے بنا رکھی ہے؟ وہ جسے تمہاری اور ہماری عزت کی پرواہ تک نہ تھی؟ بھول جاؤ اسے"۔ اب کی بار ان کے لہجے میں سختی تھی، محبت کی جگہ ناپسندیدگی نے لے لی تھی۔

کمال مصطفیٰ نے گہری سانس لی، مگر ان کی آنکھوں میں ایک عجب سی سختی ابھر آئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میں اس دنیا میں موجود ہر شخص کو بھول سکتا ہوں۔ حتیٰ کہ آپ کو بھی، اماں"۔ یہ جملہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو رکے، جیسے کوئی زخم چھپانے کی کوشش کر رہے ہوں۔

"لیکن فاطمہ کمال؟ اسے میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ وہ میرا خون ہے، میری بیٹی، میرے جگر کا ٹکڑا۔ اگر کسی نے اسے تکلیف پہنچانے کا سوچا بھی، تو میں اس کی جان لے لوں گا۔ چاہے وہ شخص میرا کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو"۔ یہ جملے کسی تیز دھار تلوار کی طرح فضا میں معلق ہو گئے۔ لاؤنج میں لمحہ بھر کو سناٹا چھا گیا۔ دادی سکینہ کے چہرے پر حیرت جم گئی، جیسے ان کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو کہ کمال مصطفیٰ یہ کہہ سکتے ہیں۔ کچن میں کھڑی تائی اور چچی شمائلہ بھی ساکت رہ گئیں، جیسے وہ پل بھر کو کچھ سمجھ ہی نہ سکی ہوں۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو، کمال؟"۔ دادی سکینہ نے بمشکل خود کو سنبھالا، مگر ان کی آواز میں بے یقینی تھی۔

"میں واپس اپنی بیٹی کے لیے آیا ہوں"۔ لفظوں میں ایسی مضبوطی تھی کہ دادی سکینہ کی آنکھیں جھک گئیں۔ کچھ لمحے خاموشی چھائی رہی، پھر کمال مصطفیٰ لمبے ڈگ بھرتے وہاں سے چلے گئے۔ پیچھے دادی سکینہ خاموش بیٹھی رہ گئیں۔ گہری سوچ میں گم، جیسے کچھ ٹوٹ چکا ہو، جیسے کوئی انا شکست کھا گئی ہو۔ تائی شمائلہ اور چچی شمائلہ ان کے قریب آئیں، مگر دادی کی

آنکھوں میں ایک عجیب ساخالی پن تھا۔ کیا وہ اتنی جلدی ہار گئی تھیں۔ کیا ایک بار پھر وہ اپنا حق جانے دیتی؟۔۔ نہیں۔۔اس بار نہیں۔۔وہ اپنا حق اس بار نہیں چھوڑیں گی۔

رات کا سناٹا لمحہ بہ لمحہ گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ فاطمہ کمال بیڈ پر بیٹھی سوچوں کے گرداب میں الجھی ہوئی تھی۔ فاز عالم جو گیا تھا، لوٹ کر نہیں آیا تھا۔ اب تو یہ معمول بن چکا تھا۔ ذہن میں الجھے سوالات کی بھیڑ لگی تھی، ہر طرف دھند تھی، جواب کا کوئی سراغ نہیں تھا۔ ارمان شاہد اور پھر بابا؟ بابا سے وہ دو تین دفعہ کال پہ بات کر چکی تھی۔ لیکن وہ اس سے ملنے نہیں آرہے تھے۔ سر بھاری ہونے لگا تھا۔ اس نے بوجھل قدموں سے اٹھ کر بیڈ کے کنارے سے دوپٹہ اٹھایا اور سر پر جمالیا۔ گھڑی پر نظر ڈالی، رات کے تین بج رہے تھے۔ آہستہ سے دروازہ کھولا اور ویران راہداری میں قدم رکھا۔ کبھی یہی گھر اس کے لیے خوف کا استعارہ تھا، اب عادت سی ہو گئی تھی۔ کچن کا رخ کیا تاکہ ایک کپ کافی بنا لے، مگر قدم لاؤنج کے وسط میں پہنچ کر رک گئے۔

آنکھیں سکڑ گئیں، سانس بے ترتیب ہوئی، نگاہیں بے اختیار بائیں جانب والے کمرے پر جا ٹکیں جس کا دروازہ ادھ کھلا تھا۔ یہ وہی کمرہ تھا، جو ہمیشہ بند رہتا تھا۔

کمرے سے ہلکی روشنی چھن کر باہر آرہی تھی،ایک پراسرار روشنی جو دل کی دھڑکنوں میں ارتعاش پیدا کر گئی۔فاطمہ بے ساختہ قدم بڑھانے لگی۔جیسے ہی دروازے کے قریب پہنچی،اس کا وجود ایک لمحے کو ساکت ہو گیا۔آنکھیں پلک جھپکنا بھول گئیں۔سانس اندر ہی کہیں اٹک کر رہ گئی۔دل رک کے دھڑکا تھا۔

سامنے جائے نماز پر ایک وجود کھڑا تھا۔

سفید لباس میں ملبوس، نگاہیں جھکائے، آہستگی سے ہلتے لب۔پھر "اللہ اکبر" کی سرگوشی ہوئی،اور وہ وجود رکوع میں جھکا۔روشنی کے ہالے میں لپٹے اس شخص کا آدھا چہرہ نظر آرہا تھا۔گندمی رنگت، ہلکی داڑھی،ایک ایسا چہرہ جو سادگی میں بھی دلفریب تھا۔فاطمہ کی پتھرائی آنکھوں سے آنسو خاموشی سے بہنے لگے۔وہ شخص سجدے سے اٹھا،التحیات میں شہادت کی انگلی بلند کی۔فاطمہ کی آنکھیں اس منظر میں قید ہو چکی تھیں۔یہ وہی آنکھیں تھیں،جو اسے یاد تھیں۔یہ وہی وجود تھا،جو ہر موڑ پر اس کے لیے دیوار بنتا رہا تھا۔فاز عالم!

جب وہ سلام پھیر چکا تو فاطمہ جیسے ہوش میں آئی۔جلدی سے پلٹی اور لاؤنج میں صوفے پر آبیٹھی۔دل سینے میں دھک دھک کر رہا تھا،سانسیں بکھری ہوئی تھیں۔ہاتھ سینے پر رکھ کر دھڑکن کو معتدل کرنے کی کوشش کی۔

"فاز عالم"۔ آواز دھیمے مگر گہرے ارتعاش کے ساتھ نکلی۔

کمرے سے باہر آتے وجود کے قدم ایک لمحے کو رکے، مگر وہ فوراً مضبوطی سے آگے بڑھا اور لاؤنج کی نیم روشن فضا میں نمودار ہوا۔

"آپ اس وقت یہاں؟"۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں سوال کیا۔ شاید اسے اندازہ تھا۔ کبھی نہ کبھی اس صورتحال کا سامنا کرنا ہوگا۔

فاطمہ کی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں، ہر زاویہ پہچان رہی تھیں، ہر تاثر یاد کر رہی تھیں۔ مگر فاز عالم کے چہرے پر ذرا بھی گھبراہٹ نہیں تھی۔

"تم میرے سامنے اب اپنے اصل چہرے کے ساتھ ہی آنا۔ میرے سامنے بھیس بدل کر آنے کی ضرورت نہیں ہے"۔ تعجب سے فاطمہ کو دیکھا، مگر وہ جس سمت بیٹھی تھی، وہاں روشنی بہت کم تھی۔ وہ اس کے تاثرات پوری طرح نہ دیکھ سکا۔

"اب جب آپ دیکھ ہی چکی ہیں، تو اس کا فائدہ بھی نہیں"۔ دھیمی سنجیدہ آواز لاونج میں گونجی۔ فاطمہ مدھم مسکرائی۔

یہ آنکھیں... یہ آواز... یہ انداز...۔ سب کچھ ایک تسلسل میں جُڑ رہا تھا۔

"آئی وانٹ ٹو نو آل تھنگز آباؤٹ یو، فاز عالم! تم میرے پیچھے بھیس بدل کر کیوں آتے تھے؟ تم مجھے کیوں بچاتے تھے؟ لفٹ میں، سڑک پر، ہر جگہ؟"۔ فاطمہ کمال کی نگاہیں، اس کی سیاہ گہری آنکھوں پر تھیں۔ ذہانت سے چمکتی ہوئیں سیاہ آنکھیں۔ اب یہ ایک اجنبی کی سیاہ آنکھیں نہیں رہی تھیں۔ اب اس اجنبی کو نام مل گیا تھا۔ فاز عالم۔

فاز عالم کا وجود لمحے بھر کو جامد ہوا۔ مگر اس کے چہرے پر کوئی الجھن نہیں تھی، جیسے سب کچھ پہلے ہی طے شدہ تھا۔

"یو آلریڈی نومی۔۔ اور میں نے اس رات بھی کہا تھا، آپ اکیلی نکلیں گی تو مجھے آنا ہی پڑے گا"۔ وہی دھیمی، سنجیدہ مگر باوقار آواز۔ جو کسی کو بھی اپنے سحر میں جکڑ سکتی تھی۔ فاطمہ نے گہری سانس لی، آنکھیں آہستہ سے بند کیں، جیسے ہر سوال کا جواب اب غیر ضروری ہو چکا ہو۔ فاطمہ کو زیادہ شاک نہیں پہنچا تھا۔ اس رات سڑک میں ہوئی ملاقات۔ اسے شک میں ڈال گئی تھی۔ اس کا ہر جگہ بچانے آنا۔ لیکن نکاح کے روز نا آنا۔ دونوں میں مماثلتیں بھی تھیں۔ دونوں ہی اسے آپ کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ دونوں کی آواز میں مدھم نرمی ہوتی تھی۔ جو دل میں اترتی جاتی تھی۔ وہی گہری سنجیدہ، مگر سکون

بخش لہجہ۔ وہی آنکھیں، جو کسی بھی ہنگامے میں ٹھہراؤ کا گمان دیتی تھیں۔ جو کبھی بھی سخت نہ ہوتیں۔ کبھی بھی بے رحم نہ لگتیں۔

''ٹھیک ہے، نہیں بتاؤ، میں خود ہی جان لوں گی''۔ اس کے ہونٹوں پر ایک مطمئن مسکراہٹ ابھری۔

“I know you are so stubborn.”

فاز عالم نے کندھے اچکائے اور پلٹ کر جانے لگا۔

''ٹھیک ہے، وہ تو میں کر لوں گی... لیکن ابھی، تم مجھے کافی بنا کر دو''۔ فاز عالم چونک گیا، حیرت سے پلٹ کر اسے دیکھا۔ اب وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس پر نظریں جمائے وہ حیران کرنے کے درپے تھی۔ روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ منظر واضح تھا۔ ڈوپٹہ سر سے اتر کر کندھے پر ٹھہرا ہوا تھا۔ بکھرے بال چہرے پر آئے ہوئے تھے۔ جوڑا ڈھیلا ہو چکا تھا۔

''میں؟ آپ کو اس وقت کافی بنا کر دوں؟''۔ اس نے بے یقینی سے اپنی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں، تم"۔۔دونوں ہاتھ سینے پر باندھے، چہرے پر مکمل اعتماد سجائے، وہ مسکرا رہی تھی۔

"میں سونے جا رہا ہوں، آپ کی طرح فارغ نہیں ہوں۔ بہت سے کام ہیں مجھے"۔۔ نفی میں سر ہلاتا وہ پلٹا ہی تھا کہ فاطمہ کی آواز نے ایک بار پھر روک لیا۔

"فاز... بنا کر دو۔ میرے سر میں پہلے ہی بہت درد ہو رہا ہے"۔اس کے لہجے میں ضد تھی، اور شاید کچھ اور بھی۔ وہ چیز جو دل کو اپنے حصار میں لے لیتی ہے۔ فاز عالم کو رکنا پڑا۔ تیزی سے اس کے پاس سے ہوتا ہوا لاؤنج کے بالکل سامنے اوپن کچن میں آ کھڑا ہوا۔ کپ نکال کر کاؤنٹر پر رکھا، کافی جار اٹھایا، اور پوچھا۔

"آپ کے سر میں درد کیوں ہو رہا ہے؟"۔ لہجہ بالکل سرسری سا تھا۔ مگر آنکھوں میں کچھ اور بھی تھا۔ کچھ ایسا جو عام نہ تھا۔

"اتنے سوال جو سر پر سوار ہیں"۔ بیزاریت سے کندھے جھٹک کر فاطمہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

"فاز عالم کون ہے؟ اس نے مجھ سے نکاح کیوں کیا؟ بابا مجھ سے ملنے کیوں نہیں آ رہے؟ دادی، پھوپھی، چاچو، سب سوتیلے کیسے ہو گئے؟ اور اب یہ ارمان بھی بیچ میں گھس

آیا"۔ہاتھ ہلاتی ہوئی وہ بولتی جارہی تھی، فاز عالم خاموشی سے سنتا جارہا تھا۔فاز عالم نے اس کے انداز پر مسکراہٹ دبائی۔اس کے سامنے کافی کا کپ رکھ دیا۔

"اتنا مت سوچیں، خود کو اذیت میں نہ ڈالیں۔بس کچھ وقت انتظار کر لیں۔کافی لیں، اور کمرے میں جا کر پیئیں۔اور یہ دوا لے لیجیے گا"۔آواز میں سنجیدگی تھی، مگر آنکھوں میں ایک نرم روشنی تھی۔وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔اور وہ بنا پلک جھپکائے اسے دیکھنے میں محو تھی۔فاطمہ نے کپ تھاما، مگر نظریں اس پر مرکوز رہیں۔یہ چہرہ اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔یہ سیاہ آنکھیں، یہ ہلکی داڑھی، یہ آواز...

فاز عالم اپنے کمرے میں جا چکا تھا، مگر فاطمہ وہیں بیٹھی رہ گئی۔دل کی دھڑکن نے کوئی نیا سر تار چھیڑ دیا تھا۔

محبت جیت گئی تھی، نفرت ہار گئی تھی۔

فاطمہ کمال کو محبت ہو گئی تھی۔محبت فاتح ٹھہری تھی۔

وہ اجنبی جو ہر موڑ پر تھا

وہی راز دل کا شریک نکلا

جس سے دشمنی کا گمان تھا

وہی پیار کی آخری جیت نکلا

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

Clubb of Quality Content!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842